

3-3-1

سوخ امیرنیاں

1-3-30

(مولفہ)

ستار سلطان طیل تقدرواضاحت جناب طیل

(جانشین امیرنیاں)

مطبع سیدی دار الشفا حیات آباد دکن طبع کریو

۱۳۲۶

فہرست حصہ اول

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۲	نواب غلام اشیاں کا شاگرد امیر مہنا	۰	حائبِ اچھے
۳۴	مشاعرِ فرامپور -	۲	سلسلہ خاندانِ مخدوم شاہ میا، حجتہ اللہ علیہ
۳۶	مشاعرِ لکھنؤ	۳	حضرت امیر کی ولادت اور تعلیم و تربیت
۴۸	سفنِ یحییٰ پال	۵	سلوک و درویشی
۵۱	سندِ نبارس اور سلطانِ دکن	۹	شاعری
۱	کے حضور میں باریابی۔	۱۲	حضرت اسیر سے تلمذ
۵۸	سفرِ حیدر آباد دکن -	۱۷	ایک تشبیہ کی داد میرا میں کی زبان سے
۶۱	حضرت امیر کی وفات	۱۸	دربارِ شاہ اودھ میں حضرت امیر کی باریابی
۶۳	قطعاتِ نیا بچہ وفات -	۲۳	انتزاعِ سلطنتِ اودھ
۶۶	بعض حالات و مقالات	۲۶	لکھنؤ سے رامپور تشریف لیجانا -
۷۴	فرزندِ ان حضرت امیر	۳۰	ایک مقدمے کا قابلِ ذکر فیصلہ

دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵۱	محمد خاتم النبیین پر ریویو اور اُسکا انتخاب -	۱	لکھنؤ کی شاعری
		۵	انتخاب مرآۃ الغیب
۱۸۶	قصائد پر ریویو اور بعض قصائد کی تشبیہ	۵۸	گوہر انتخاب پر ریویو اور اُسکا انتخاب
۲۳۵	داسوختون پر ریویو اور اُن کا انتخاب -	۸۳	صنعاۃ عشق پر ریویو اور اُسکا انتخاب -
	❖	۱۴۶	جوہر انتخاب پر ریویو اور اُسکا انتخاب -

سوانح میرمنیائی

(مولفہ)

استاد سلطان حلیل تقدروہ مضامین جنابنا حلیل

(جائیں میرمنیائی)

مطبع سیدی دار الشفا حیدرآباد دکن بسع کریم

۱۳۲۶ھ

مفتی محمد

S. Fazlullah

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

از نواب اختر بایں جناب بہادر اختر منیائی خلیفہ حضرت امیر منیائی رحمہ

اس زمانے میں واقعہ نگار اور سوانح و تذکرہ لکھنے والے اچھے اچھے لوگ ہیں اور بڑا کام کر رہے ہیں۔ آئے دن کتابیں دیکھتے عبارت میں خوشخط و خوشطابع ہو کر نکلتی ہیں جنکو دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں مگر بائیں ہمہ زیبائی و رعنائی ان تالیفات میں اثر نہیں ہے ایک بار دیکھنے کے بعد مشکل سے دوبارہ دیکھنے کی نوبت آتی ہے بخلاف اس کے قدیم تالیفات باوجودیکہ انکی عبارت میں کوئی رنگینی نہیں اثر ہے برزیر ہیں بار بار دیکھنے جی نہیں بھرتا۔ اس تفاوت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگلے مولفین کی غرض و غایت تالیف سے محض اس شخص کے حالات کا اظہار اور نمود ہوتی تھی جبکہ وہ تذکرہ لکھتے تھے اور جدید مولفین کی غرض تالیف سے اپنی نمود ہوتی ہے کیونکہ قدم قدم پر اپنی معلومات کی نمائش میں زور قلم صرف کیا جاتا ہے۔

اس سوانح عمری میں جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل نے نہایت سادہ طور سے اپنے استاد حضرت والدی ماجدی امیر مینائی کے فضل و کمال کو اور ان کے کلام کی منزلت کو ظاہر کیا ہے۔ کہیں نفس شاعری کی مو شگافیوں اور اپنی واقفیت کے اظہار کی کوشش نہیں کی۔ نہ کسی شاعر پر لے زنی کی نہ کسی کے کلام سے موازنہ کیا۔

سجڑا امیر و حبس زخوبی کلام مہر
کسی کا ذکر نہیں ہے کسی کا نام نہیں

کسی شاعر کی سوانح عمری یا تذکرہ لکھنے میں حالات کیساتھ بڑا کام اُسکے کلام کی فراہمی اور اُسکا انتخاب ہے۔ کیونکہ شاعر کی زندگی کا سرمایہ اور بھاء۔ یہ نام کا باعث صرف اُسکی تصنیف ہے۔ آج دنیا کی زبان پر سعدی و حافظ کے حالات نہیں ہیں بلکہ اُنکا کلام ہے۔ لفظ برآں جناب جلیل نے اس سوانح عمری میں زیادہ تر اہتمام انتخاب کلام ہی کا کیا ہے اور یہی لب لباب حاصل کتاب ہے۔ اور خوش نصیبی سے منتخب کلام اور چوٹی کے اشعار اس کثرت سے ملے ہیں کہ شاید ہی کسی مولف کو میسر ہوے ہوں۔ منتخب کلام کی کثرت دیکھنے کے یہ گمان ہوتا ہے کہ مولف نے زیادہ شعر لئے ہیں لیکن چھوٹے ہوئے اشعار نظر کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب میں کم اشعار لئے گئے ہیں۔ حضرت امیر کے سوانح اور لوگوں نے بھی لکھے ہیں مگر جناب جلیل کی کتاب ہر اعتبار سے مکمل و مستند ہے۔ انہوں نے حضرت امیر کا عمدہ کلام جس عنوان اور جس حسن ترتیب سے پیش کیا ہے یہ انہیں کا حصہ تھا

منتخب اشعار خبکو جو ابہر آبدار کھنا سب لقمہ نہیں اس کثرت سے ہیں کہ ان کو دیکھ کر
حیرت ہوتی ہے جس مضمون کو دیکھئے اُس میں دریا بہا دیا ہے اور ہر مضمون
کا شعر ایک عالم رکھتا ہے مثلاً۔

رحمتِ عدالت پر غالب ہے

مُرغِ عصیاں اڑ کے صید بازِ رحمت ہو گیا دنگ شاہین ترازو سے عدالت ہو گیا
قدِ بے سایہ

کھچا ایسا پری نقشہ سراپاے محمد کا کہ نقاشِ ازل نے آپ یہ رکھ لیا قد کا
الف آدم میں ہر عمروءِ احمد میں ہے مد کا سب سے کہ واں سایہ تھایاں سایہ نہ تھا مد کا
شوقِ وصال

بے وصل میں بھی شوق وہی وصل کا باقی کہتا ہوں مدینے میں بھی میں ہاے مدینہ
بیخودی

سو جان سے اس بیخودی شوق کے صفحے جب آپ باہر ہوے دیکھ آئے مدینہ
لذتِ دیدار

نظارہ کر کے رُخِ پاک کا جو پھرتی ہیں بلائیں لیتی ہیں آنکھیں مری نگاہوں کی
نعتِ گولی کی حقیقت

ایر اتی حقیقت ہے ہاری نعتِ گولی کی ملا ہے ہر باں فریاد رس فریاد کرتے ہیں
سخاوت

سخی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا مگر جو کسی کو دیا لے گیا
خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا ادھر دیا کہ ادھر داخلِ خزانہ ہوا

قناعت

امیر پائے طلب جیسے توڑ کر بیٹھے کبھی نہ ہاتھ سواغنیہا بلند ہوا

اخلاق

کیسے ناداں ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں ہو بُرا بھی تو اُسے چاہیے اچھا کھنا

غربت

رِگیا اپنے گلے میں ڈال کر بانہیں غریب عید کے دن جن کو غربت میں ملن یا ڈال گیا

عید ملنے کی رسم

رسم نے ملنے کی کھودی عید کی ساری شئی تین نکتہ پلوں رو جا ہیوں تھتے بیٹھتے

ہمت

بڑھ اے آہ رسا اب کنگرے پر عرش کے پھونچی بلندی کو بلندی جاننا ہمت کی سی ہے

پیری

پیری میں ضعف سے یہ نہیں عیشہ دار ہاتھ ہیں دامنِ قضا کے لئے بیقرار ہاتھ

قدم کو لغزشِ زبان کو لکنتِ عیشہ ہاتھ نہیں کو جیش کدھڑکی ہاؤں جو ان آنفتوں میں مجھے پھنسا کر

زبانِ ضعفِ پیری میں چلتی رہی سحر ہو گئی شمع جلتی رہی

دنیا گزران ہے زندگانی فانی رباعی طفلی بہان ہے نوجوانی فانی

پیری میں جو ہڈیاں چسکتی ہیں امیر کانوں میں صدا آتی ہے فانی فانی

شرم گناہ

لذتِ شرم گناہ تھی کب فرشتوں کو نصیب یہ مزرہ چکھنے کو پیدا خلق میں دم ہوا

لاغری

وہ ناتوان ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر
 زار ایسا میں ہوا باد یہ پہا ہو کر
 لاغری ہوں اس قدر مجھے پہچانتی نہیں
 ہوں وہ لاغری وہ اپنے گریز پر
 گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر
 ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے مجھ کو
 رہ رہ کے دیکھتی ہے قضا سے پاؤں تک
 کھا کے ٹھوکر سایہ دیواری کی

عشقِ محبت سوز و گدازِ حسرت و یاس

پہلو میں میرے دل کو نہ آؤ، دگر تلاش
 نہ گل بنتے نہ غنچے سکرانے دونوں رویتے
 کسی گنہ پہ کوئی قتل ہو میں کھتا ہوں
 اے جس کو تو نہیں قافلے والوں سے جدا
 ہمارے رونے پہ آتی نہیں کسے رقت
 سنا کسی سے جو نام دوا سے دردِ جگر
 اے برق تو ذرا کبھی تڑپنی ٹھہر گئی
 ابھی ضرر پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
 خونِ ناحق کہیں چھتا ہے چھپکا سے تیر
 گل نسیم سحری شمع سحر کو نہ کرے
 دل ہی نہ رہا امید کیسی
 پوچھتے ہیں جو شبِ ہجر میں عشقِ حوال
 نہ تڑپا چارہ گر کے سامنے اور دیلِ محو
 مدت ہوئی غریب وطن سے کھل گیا
 تھیں کو بلبلو آتا نہیں اندازِ مشیوں کا
 کہ اس سے جرم ہوا ہو گا آشنائی کا
 تیری آوازیں یہ درد کہاں سے آیا
 حباب روتے ہیں آنکھوں پر کھلے دہریچ
 تڑپ کے دل نے صدادی کہ ہر دردِ جگر
 یاں عمر کٹ گئی ہے اسی خطر اب میں
 پھر اس قدر بھی ہمارا نشان رہتا ہے
 کیوں مری لاش پٹھے ہیں وہ دہن ڈالے
 کوئی دم میں یہ غریب آپ بھی جاتی ہے
 جڑا کٹ گئی نخلِ آرزو کی
 منہ سے کہتی نہیں کچھ اشک بہا دیتی ہے
 کہیں ایسا نہ ہو یہ بھی تقاضا ہے دوا ٹھہرے

رہ رہ کے اک کھنک سی سینے میں رہی
 کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ اے تیر
 غم اسکا حسرتوں کو چھتا ہے میر سینے میں
 بیتیاری نے بدلوئی تو کروٹ بدلی
 کرنے کو کیا قتل مجھے یار نے لیکن
 ہزار طرح کے ہوتے ہیں وہم ہکوا سیر
 کرتے ہیں جو لوگ ذکر اُن کا
 صیاد سے چھری کے تلے عند لیجے
 آہ کس حسرت سے لیلیٰ نے کہا ہنگامِ نزع
 بسلوں سے بھی ناز اٹھوائے
 میں تو روتا ہوں اپنی قسمت کو
 فرقت میں میہانی غم کیا کر دل امیر
 کہا مجنون نے شاید ناقہ لیلیٰ ادھر آئے
 جو ہوش میں مجھے لانا ہے دوستوں منظور
 تم دکھاتے تو ہو میر کا دل
 شوخِ محشر امیر کو نہ جگا
 آج تک گور میں لیلیٰ کو نہیں بڑ قرار
 کس نگہ سے تم نے دیکھا تھا امیر
 آپ ہی جل رہے ہیں پروانے

شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جب گکا
 دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہو گیا
 کہا سچ وہ جو دل نام اک یہاں بیمار تھا
 دردِ دل نے جو درد کی تو میں بستر سے اٹھا
 رو رو کے مرے خون کو تلوار سے دھوا
 کسی کی آنکھ جہاں ہم پر آب دیکھتے تیں
 ایک ایک کا منہ میں دیکھتا ہوں
 حسرت سے یہ کہا کہ غریبِ وطن ہوں
 سوئے جاتی ہوں تجھے اور بکسی میں قس کو
 ہلے انداز میرے قاتل کے
 تو بتا ابر کس کو روتا ہے
 ٹکڑے ہیں کچھ جگر کے سودہ بھی جلے ہوئے
 میں اہل امید پر چلتا ہوں کانٹا اس جیا باں
 کہو کہ تجھ کو ترے یار نے بلایا ہے
 اور جو وہ کوئی آہ کر نیٹھے
 سو گیا ہے غریب سونے دے
 میرے مجنوں مرے مجنوں کی صدا آتی
 روتے روتے اُن کو جو چکی لگ گئی
 شمع کی سرگزشت کون سُنے

وہ مزہ دیا ترپے کہ یہ آرزو یارب
 مرے دل کو یوں مٹایا کہ نشان تک نہ رکھا
 پھر بیٹھے بیٹھے وعدہ وصل اُسے کر لیا
 پھنسی دم میں بلبل تو کن لگا ہوں سے
 ہمیں اسے باغباں غنچوں سے کیا کام
 اے اہل بزم مجھ کو اٹھاؤ نہ بزم سے
 کبھی بد نظر گر عاشقوں کا قتل ہو تم کو
 ملا کر خاک میں بھی ہاؤ شرم انکی نہیں جاتی
 آکے تربت پہ مری کہتے ہیں لو اٹھ بیٹھو
 امیر ایسی کہاں قہمت کہ پوچھوں انکو چھوڑیں
 تجھ سے اے باد صبا مجھ کو یہ امید نہ تھی
 یاد آتا ہوں کبھی میں تو پہن لیتے ہیں
 بولے حسرت سے وہ نابوت کو کا ندھایا کر
 میں ہوں وہ کعبہ نشیں جا کے دیر کے دیر پر
 موت آئے یا وہ آئے یا قیامت ہو امیر
 رتبہ شہید عشق کا اگر جان جائے
 ستم ہے تیرے ہوتے آپ پکیاں
 خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لیلو
 زینت کا لطف تو یا رہی کے نکم ہوا تیر

سکر دو نوں پہلوؤں میں دل بتیگر ہوتا
 میں لپٹ کے رو تو لیتا جو کہیں مزار ہوتا
 پھر اٹھ کھڑا ہوا وہی روگ انتظار کا
 کبھی جن کو کبھی سوئے اشیاں دیکھا
 ہم اپنا دل چین میں ڈھونڈتے ہیں
 شمع سحر جوں عمر بیا یاں رسیدوں
 ہمیں بھی یاد رکھنا ہم بھی نکو میا کرتے ہیں
 نگہ نہی کہے وہ سلسلے مدفن کے منہ میں
 اب تو مدت ہوئی ہم نکو ستا تے بھی نہیں
 کبھی کال قفس سے جھانک لیتا ہوں گلستاں کو
 چار بچوں کو ترس جائیگی تربت میری
 ایک جوڑا مرے پھولوں میں بسا رکھا ہے
 بوجھ اٹھواتے ہیں اب نازا اٹھانے والے
 پکارتا ہوں کوئی بت خدا کی راہ ملے
 اب یہی دو تین جینے کے سہارہ گئے
 قربان ہونے والے پہ قربان جائیے
 مراد دل بوند بھریانی کو ترے
 اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کمی
 بیٹھ جاتا ہوں دل احباب کے اٹھ جانے سے

شبِ غم مجھ سے بیٹھا جائے کیونکر
کھا کے تلوار جو قاتل کی قاتل کتا ہوں
بعد مرگ آئے ہیں وہ تربت پر
ٹھہر ٹھہر کے ذرا لپٹا مرانا بوت
پہلے زلفوں کو سنگھا کر مجھے بیہوش کر
اسلئے در پر صرا دیتا ہوں میں
فرقت میں زندگی یہ عنایت خدا کی ہو
قدر مرنے کی مسم سمجھتے ہیں
میں جو ہر اک سے خطا اپنی بیان کرتا ہوں
تری تصویر تو آگے کھڑی ہے
لذتِ زخمِ رقیبوں سے نہاں کرتا ہوں
اب کہاں جان جو تار کروں
کہاں امید کہ پھر آؤں کو قاتل میں
پھر مرے سینے سے تم تیر کا پیکان کھینچو
بول اٹھے شاید وہ اتنا کون ہے
آگے جو کچھ کہوں تو شکایت خدا کی ہے
صدے جھیلے ہیں زندگانی کے
ہے یہ طلب کہ اُسے کوئی ستمگر نہ کہے

رندی وستی

وہ مست ہوں کہ ساغرِ حے جب میں پا گیا
وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمت شہرِ آب کی
بھاری بہت ہی لاؤنگا روزِ جزا میں نہ
قلِ موزی کا تو شہرِ عا ہے درست
ہماری راے میں بہتر ہے میکشی کو صباح
شیخ جی مر گئے ہیں اُن کے مرید
گھات میں محتسب کو رہنے دو
تھے کیا ہم جو وصفِ ساقی لگام کرتے تھا
خُم کے خُم صاف جو کر جاتے تھے دوبالو نہیں
اکبار یا غفور کہا اور چٹھا گیا
داعط کے منہ پہ فہر لگا دوں کباب کی
رکھو لکے سرِ شیخ کے گھڑی گناہ کی
ناصح اب تک کیوں سلامت رہ گیا
اب آگے قاضی مفتی محتسب کی صلاح
جس دم کا گمان کرتے ہیں
مست بھی ہو شیار رہتے ہیں
تو اپنا کام کرو اعط ہم اپنا کام کرتے ہیں
ذکرِ خیرِ ج تک اُن کا ہے خرابا توں میں

تقویٰ کہاں کا جام چلے آج زاہدو
 نہ واعظ ہجوئے کر اکیدن دنیا جانا ہے
 پیکے مے بیٹھے وعظ سننے امیر
 محکو زاہد نہیں حرام شراب
 تھی اپنی جانماز تو مدت سے رہنے
 قاضی آئے کہ محتسب آئے
 مسجد میں بلاتا ہے ہیں زاہدناہم
 مجلس وعظ میں آنا تو نہ ممکن تھا امیر
 سمجھانہ میں تو حضرت ناصح کی الکیات
 کوئی دم بے تکلف ہو کے مستونیں اگر بیٹھے
 مجلس وعظ میں جب بیٹھتے ہیں ہم میکش
 ملی ہے دختر زر زل جھگڑ کے قاضی سے
 جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے
 واعظ کو تم تو دیکھتے ہی منہ پر امیر
 سابقا دختر زر کا تو بڑا رتبہ ہے
 رندو جو ملو حضرت قاضی سے تو دے
 خم بھی رو یا مجھے پیمانہ بھی رو یا مجھ کو
 جام مے کا تب اعمال کو بھی دے ساقی
 ہجوئے ہو چکی منبر سے اب اتریں نیچے

خرقے اُتار اُتار کے بھٹی میں جھونک دو
 اسے منہ ساقی کو شر کو بھی آخر دکھانا ہے
 یہ بڑی تمنے ہوشیاری کی
 تیسرے دن میسر آئی ہے
 تسبیح رنگہی تھی سو وہ اب گرد ہوئی
 اب تو ہم میکدے میں آنے بیٹھے
 ہوتا کچھ اگر ہوش تو مینا نے نہ جاتے
 ہکو تھا مے ہوئے یاں دست بولا یا ہا
 کچھ خود ہی وہ کہا کئے خود ہی سنا کئے
 تو جو کچھ عرش پر ہے دیکھلے زاہد وہ گھر بیٹھے
 دختر زر کو بھی پہلو میں بٹھا لیتے ہیں
 جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں
 پکارتا ہے یہ ساقی کہ ہوشیار ہونیں
 باتیں تو ان بزرگ کی تمنے سنیں نہیں
 بے وضو میں کبھی چھوٹا نہیں چلنے کو
 سمجھو کہ بزرگوں میں ہیں یہ بنتِ عنک
 جتنے تھے چھوٹے بڑے سب سکر ماتم ہیں
 دو بزرگ آئے ہیں ساتھ اگلے زمانے کے
 رند کچھ حضرت واعظ سے ہیں کہنے والے

کہیے جو چاہیے مسجد میں جناب واعظ
ہم وہ میکش تھے کہ پی جلتک شراب
حضرت ناصح یہاں آئے تھے آج
خادم سے مسلم اور جو واعظ
قاضی و محتب شہر سدھارے حج کو
زاہد و وعظ کی مجلس سے کسے سے انکار
لیگئے مسجد سے جھکو منہ بچے
ہے دخت رز حلال تجھے کیا تمیز ہے
زاہد امید رحمت حق اور ہجو مے
بیعت پیر مغال طرفہ مرا دیتی ہے

تشبیہات

سارا جہان نام کے پیچھے تباہ ہے
جیسے دل کا سر و مہر ہی معشوق ہی حال
انگڑ کی طرح نیست بتدیج تن ہوا
نہیں بے مہر لٹانے پہ خط کے او قاصد
ایک سے میرے حضرت اور سفر کی صورت
پیر مغال کی بزم میں بخت سیہ کہاں
سجھے ہم ہو نچی جو ابرو تک ہلک اُس آنکھ کی
انسان کیا عقیقہ یمن سے نکل گیا
جیسے درخت برف سے کوئی جلا ہوا
تن پیر ہن تو پیر ہن اپنا کفن ہوا
یہ دل غم ہے مری قیمت کی نارسانی کا
گھیر میں ہوں گھر سے نکل کر بھی نظر کی صورت
جنت میں جیسے شام نہیں ہے سو آ صبح
باوہر دیکھی رکھ کے انگلی ترک نے تلو پر

صفتِ شرہ کو بھی ہے تاکِ چشمِ ساتی کی
 رکھایہ تمنے پایِ خنایِ رکاب میں
 لٹک کر وہ زلفِ آئی ہے تاکر
 سمجھایہ میں جو کھلے شاخوں سے گلِ چین میں
 کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
 صورتِ غنچہ کہاں تابِ نکتہِ محب کو
 پلکینِ دم جو ششِ خوں فشانِ
 چمکتی نہیں ابر سے برقِ تاباں
 بے ترے حالت ہے یہ گلزار کی
 شفقِ شام نہیں ہے یہ مرے ماتم میں
 دل ہے تباہ قافلہٗ اشکِ آہ میں
 نہ دورِ قریب کو تم داغِ اپنی الفت کا
 جو نازک طبع ہیں محفوظ ہیں قہرِ الٰہی سے
 ہر چند کہ ہو صاف سخنِ لاف ہے بجا
 سزا قاضی کی کیا چھڑوائی گی مستوں کو بخواری
 بوتلوں سے رات دن ڈھلتی ہے
 مٹی پر چھوٹ افشان کی پڑی ہے
 نہیں پلکوں کی او جھل میں وہ پتلی
 گمٹا میں برق جو چمکی تو یاد آئی اتیر

گرے ہیں سیکڑوں میخِ ارا ایک ساغی
 پا بھول بھڑیے طبقِ آفتاب میں
 کہ لیلیٰ ہے مجنوں کی آغوش میں
 صوفی کھل کے بیٹھے خلوتِ انجمن میں
 جل اٹھتا ہے جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
 منہ کے سونکڑے ہوں آئے جو جسمِ جگمگ
 دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی
 لٹکتا ہے پردے سے دامنِ کمی کا
 نکبتِ گل سانس ہے بیمار کی
 منہ کو آیا ہے کلیجہٗ شبِ تنہائی کا
 گھیرا ہے آندھی پانی نے بکس کر راہ میں
 زمین شور سنرا دار لالہ زار نہیں
 کبھی چھالے جباہوں کے نہ چھوٹا رہا ہے
 ہوتی ہے گرج جلتے سے گوہر کی خرابی
 قلمِ جب باغباں کرتا ہے انگور اور پھلتا ہے
 یہ نئی بدلی نئی برسات ہے
 کئی میرے کی نیلم میں جھڑی ہے
 دھن چلن میں شرمائی کھڑی ہے
 ادا کسی کے وہ پردہ اٹھ کے آئنی

حُما کہ دو جہاں میں ہے ذاتِ الٰہیک
 نہیں گھیرا ہے پلکوں نے چشمِ مستِ بکو
 وہ ہم نازک لوں کو آنکھ دکھلاؤ تو کیا کرے
 جینا بھی دل جلوں کو تمہارے ماتھے
 دو آنکھیں حُجّح کہ ہے نہیں نگاہِ ایک
 لیا ہے دونوں ہاتھوں کسی میکش نے ساعہ کو
 دکانِ شیشہ گرمِ مست آجائے تو کیا کرے
 انکھ کو موتِ قطرہ آبِ حیات ہے

نصوف

خلوت میں تھا تو شاید معنی تھا میں تیر
 شبیہ مدِ نظر سے کسی کہ کوئی پوری نہیں اُترتی
 آواز کن جو آئی کانوں میں ہم یہ سمجھے
 فنا کیسی بقا کیسی جب اُسکے آٹھ ٹھہرے
 ایک قطرہ خون ہے دل پر وہ قطرہ تیر
 یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خیرِ ابروئیں میں
 بیگنا ہوں میں چلا زائد جو اسکو ڈھونڈنے
 اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
 گناہِ گرم سے مجھ کو نہ دیکھ اے دوزخ
 اب تک کسی پر میری حقیقت نہیں کھلی
 پردے سے اُسکی ذات کو کیا کام تھا تیر
 میں ساتھ مجھے ڈرتے ہیں کیوں حُفرتِ بویا
 نیرنگ اُنکی شانِ تجسلی کے دیکھنے
 فنا جو قبلِ فنا ہو بخت کی راہ ملے
 خلوت سے انجمن میں جو آیا سخن ہوا
 مٹاؤ صلیح ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر
 غربت پرکاری ہے بس رہ چکے وطن میں
 کبھی اس گھر میں آنکھ کبھی اُس گھر میں جا گھر
 غوطے کھاتے پھرتے ہیں جس ہیں دو عالم آج تک
 تو سراپا ناز ہے میں ناز بردار و غیل ہوں
 مغفرت بولی ادھر آئیں گنہگاروں میں
 مشعلِ کھائی برقِ تجسلی نے راہ میں
 خبر نہیں تجھے کس کا گناہ گار ہو نہیں
 حرفِ نگفتہ ہوں سخنِ ناشیندہ ہوں
 چھپ کر صفاتِ ناقصا ہی میں لگئی
 طالب ہیں وہ خود دیدہ و دیدار طلب کے
 اتنے عیاں ہوئے کہ نظر سے نہاں ہے
 یہ قلعہ وہ ہے جہاں موت سے پناہ ملے

او بندہ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے
 حق شناسی کی حقیقت کو انہیں نے جانا
 بت پردہ میں پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے
 اے امیر اپنی حقیقت کو جو پہچان گئے
 سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے
 تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جاو

لے ثباتی و عبرت

پھولوں سے کہہ صبا یہ خوشی کی جگہ نہیں
 غنچے کہتے ہیں کہ کیا جلد گزرتی ہے بہار
 رونے کا ہے مقام منہسی کی جگہ نہیں
 مسکالینے کی فرصت بھی گلستاں میں نہیں
 انھیں کی خاک شریک آج ہے بلو انہیں
 اے باغباں بسنت کی تھک خبر بھی ہے
 کہیں عبرت برستی ہے کہیں حسرت برتی ہے
 آئے تھے دنیا میں اس دن کیلئے
 رخصت شمعوں سے ہو رہے ہیں
 تارے کہیں نام کو رہے ہیں
 وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں
 کچھ ہوش نہیں ہے سو رہے ہیں
 لاش پر عبرت یہ کہتی ہے میت
 محفل برخاست ہے پتنگے
 سے کوچ کا وقت آسمان پر
 ان کی بھی نمود ہے کوئی دم
 دنیا کا یہ رنگ اور ہم کو
 شوحی

مری صورت جو بدل فرط غم سے
 نوجواں لوگ کیا نہیں کرتے
 تو وہ بولے کہ اچھا روپ بدلا
 دل لگا یا تو کیا گناہ کیا
 کیجئے قتل کی خواہش تو ابھی حاضر ہے
 گلہبیں ہیں ہزاروں کسی گلہبیں کو جلاوے
 میں خار ہوں اے برق جلاتی ہی مجھے کیا

میں ہیں بیاہر محبت کوئی مجرم تو نہیں
 دشت میں گھبرا کے جانکے جو ہم
 مرا خط پھینک کر فاصد کے منہ پر طنز بولے
 کہتی ہے شب وصل یہ چتون کی شرارت
 پھر وہی میں ہوں ہی جامہ درمی دشت میں
 روز آنے کو جب کہا بولے
 پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عید کے دن
 قبر کھولی تو مگر یہ مری دشت سے ڈرا

حکمت - مقولہ - مسلمہ

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے
 سودا و تیر دونوں تھے کامل مگر تیر
 شاعر کو مست کرتی ہے تعریف شعر تیر
 زمانے بھر میں پڑی ہے پکار ماحم کی
 الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو
 غفلت میں نہ کھوش باب ایدل
 جو کسی کو بُرا بھلا نہ کہے
 امیر ایسے دیسے تو مضمون میں لاکھوں
 ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
 دنیا ہے طرفہ میسکہ نہ بخودی امیر

تب نظر آتی ہے اک مصرع ترک صورت
 ہے فرق واہ واہ میں اور آہ آہ میں
 سو بوتلوں کا نشہ ہے اک واہ واہ میں
 دیا ہے جس نے کہ حاتم کو اسکا نام نہیں
 ہر بات میں لذت ہے اگر دل میں مزاج ہو
 یہ رات ہے جانِ عمر بھر کی
 وہ کسی سے بُرا بھلا نہ سنے
 نئی بات کوئی کبھی سو جھتی ہے
 سادگی گہنا ہے اس سین کے لئے
 سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

اتھان دوست دشمن ہے عبت
جاری ہے لین دین یہ رسم زمانہ ہے
حسن کھلتا ہے حسینوں کا جیسے جتنی لگا ہ
یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہیے
دریا کا ابر۔ ابر کا دریا حسن زمانہ ہے
جس قدر دیکھو ابھر تباہ ہے بدن تصویر کا

طور موسیٰ

بھیڑ میں پڑ جائے تا آنکھ اس رخ پر نور
جو گھر میں پھر کے ہم ان کے حضور سے آؤ
ای برق حسن یار یہ اچھا نظر تھا
جمال یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں لکھا
موسیٰ کو یہ چیز صی ہے کہ برق جمال تھی
کیسی آرنی کہاں کے موسیٰ قطعہ
تھا پر وہ ظاہری جو منظور
اب عش میں کلیم کیوں پہنوا خائش
گر می شوق یہ کہتی ہے چلو دیکھیں تو
میں قائل آپ کے روضے کا ہوں قائل طور نعتیہ
کہاں ہیں جذبات کے دیکھنے والے کہاں ہیں تاثیر کے وصول کرنے والے
کہاں ہیں صائب کی جدت و شبیہات پر لوٹنے والے کہاں ہیں خنوائے حافظ
متوائے آمیں اور کلام اسیر کو دیکھیں اور انصاف کریں کہ اس میں کیا نہیں ہے
اور کس چیز کی کمی ہے۔ میرا خیال و ثوق کے ساتھ ہے کہ جس مذاق کا جس
رنگ کا جس پائے کا شعر مطلوب ہو آپ کو اس میر کے کلام میں مل جائے گا اور

ایک نہیں بہترے ملینگے
کون سا گل ہے جو اس گلزارِ معنی میں نہیں

کو نہا موتی ہے جو دامانِ دریا میں نہیں

میں نے صرف امیر کے تغزل سے بحث کی ہے قصائد کی بلندی و وسعت کی گویائی جو سحر و اعجاز کا نقشہ دکھاتی ہے وہ تعریف سے بالاتر ہے حق یہ ہے کہ امیر کی زبردست شاعری۔ انکا علم و فضل۔ انکی درویشی۔ انکے اخلاق و اوصاف۔ انکا زہد و ورع آپ غور سے دیکھیں گے تو اسکا اعتراف کرینگے کہ ہندوستان میں حضرت امیر کی ذات عظیم النظیر تھی۔ اور حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ باوجود خدمت سلاطین و باوجود عبادات و ریاضات انہوں نے ملک کیلئے اتنا بڑا کام کیا کہ تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں جنہیں نسخہ نسخہ اکیر کا حکم رکھتا ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوئی ہو خاص ملبوس ادیں ترنی نے پایا (امیر)

دین اللہ کی ہے اسیں اجارا کیا ہے

جنابِ جلیل کا ملک پر احسان ہے کہ انہوں نے یہ کتاب لکھ کر حجابات اٹھا دیے جس سے حضرت امیر کی ملائک و ملائک تصویر اور انکے فضائل و کمالات کا مرقع آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جزاء اللہ خیر الجزا

مولانا حالی مرحوم نے مرزا غالب کی سوانح عمری (یادگار غالب) بہت اہتمام سے لکھی ہے اور حق یہ ہے کہ سوانح نگاری میں مولانا کو یدِ طولیٰ حاصل تھا مگر اسکو وہ کیا کرتے کہ انتخابِ کلام اردو غالب کے شایانِ شان فرہم نہ ہو سکا

لہذا مولانا نے حصہ اول میں غالب کی اعلیٰ شخصیت کا جو وقار قائم کیا تھا وہ حصہ ثانی میں سرمایہ کلام کے ناکافی ہونے سے قائم نہیں رہ سکا۔ البتہ فارسی کا حصہ کلام بہت شاندار ہے جو مصنف کی پُرگوئی اور استعدادِ کامل کو ثابت کرتا ہے۔ لیکن نظیری و ظہوری کے کلام سے جو موازنہ کیا گیا ہے اُس میں کہیں غالب کا غلبہ نہیں پایا جاتا۔

ناسخ کا رنگ شاعری | سوانح عمری کے حصہ دوم میں جنابِ طلیل تحریر کرتے ہیں اور اسکا عالمگیر اثر | ناسخ نے جسطح زبان کی اصلاح کی تھی اُس طرح شاعری ہی بھی جدید بنیاد ڈالی تھی۔ اُنھوں نے اور اُن کے ہم عصروں نے صائب و کلیم و سلیم کی گویائی اختیار کی۔ تخیل کو بہت بلندی پر پہنچا دیا جس سے شعر میں زور اور لنگر پیدا ہو گیا۔ اور بندشیں چست ہو گئیں (اور اس کے ثبوت میں مولف نے ناسخ اور اُن کے ہم عصروں کے جو اشعار پیش کئے ہیں وہ قابلِ دید ہیں) اس جدت کا اثر لکھنؤ تک محدود نہیں رہا بلکہ عالمگیر ہو گیا۔ ہر قابلِ شاعر اسی جاچر گامزن ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ ملاحظہ ہو ناسخ اور ذوق کا ایک ایک مطلع

مرتبہ کم اوجِ رفعت سے ہمارا ہو گیا آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا (ناسخ)
نام یوں پستی سے بالا تر ہمارا ہو گیا جسطح پانی کنویں کی تہہ میں تارا ہو گیا (ذوق)
اس بیان کا منشا ناسخ کو اربابِ دہلی پر ترجیح دینا نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ ناسخ کا اگر کوئی پایہ نہوتا تو اکابرِ شعرا سے دہلی کلامِ ناسخ کے جواب دینے اور اُن کے رنگ میں شعر کہنے کی کوشش کیوں کرتے۔ اس مفاد کے مدِ نظر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اساتذہ دہلی کی چند غزلیں نقل کر دوں جو ناسخ کے رنگ میں

کہی گئی ہیں۔

ذوق

ہوا حمد خدا میں ل جو مصروفِ رقم میرا
صراطِ عشق پر از بسکہ ہے ثابت قدم میرا
ہوایہ سینہ یکسر خارزارِ دشتِ غم میرا
وہ ہوں میں کیو مچ محیطِ اعظمِ حُشّت
نشانِ بے رواجی گر دکھائے زور مٹ جا
وہ ہوں میں رہ نورِ ذوقِ سیرِ ساتھ جانا
نہو بے وقار ترکِ سجدہ البیس سے آدم
الف احمد کا سانگیا گویا تم میرا
دمِ شمشیرِ قاتل پر بھی خوں جالتا ہے مجھ میرا
کہ آیا پاسِ خوں آغشتہ ہو کر لبِ قدم میرا
کہ ہے گھیرے ہو روئے میں کو سچِ دُغم میرا
جھپک سہ دیدہ صراف کی نقشِ دم میرا
برنگِ سایہ مرغِ ہو نقشِ قدم میرا
عدو کی سرکشی سے ذوقِ کب تب ہو کم میرا

شوقِ نظارہ ہے جبے اس رخ پر نور کا
اے صنم گر پوچھتا ہے حالِ اس رنجور کا
واوی ظلمت میں اپنی ظلِ کبشہ نور کا
تیرے کوچے میں تنِ لاغر ترے رنجور کا
بانہ صغیر میں مضمونِ جوانیِ شوخِ بختی کا کوئی
نقشہ دل وہ ہوں کہ میرے دُغِ سوزاں کیلئے
دفن ہے جس جا پہ کشتہ سرِ دھری کا تری
عشہ ہے نے ڈالی تھی جب قہرِ محبت کی بنا
بلِ بے حُشّتِ آفتاب بھی شاخِ آہوں کی طرح

ہے مرا مرغِ نظر پر وہ شمعِ طور کا
دل نہ انگائے کہیں شد بے مقدمہ کا
ہر اک شعلہ سا ہے سو بھی پسِ راغِ طوبی کا
اک غبارِ ناتواں ہے کاروانِ ہوی کا
جو زمینِ شہر میں عالمِ زمینِ شور کا
گر می مرہم سے اڑ جائے اشر کا نور کا
بیشتر جوتا ہے پیدا و اش شب کا نور کا
لکھ دیا تھا کہ کہن بھی نام اک ضدِ نور کا
تیرے کھانا ہے دھواں میرے لچرِ عرگور کا

دیکھنا زہرا پیکانِ محبت کا اثر
ذوقِ راہِ عشق وہ کو چہ ہے حکمی خاک میں
چشمِ افنی بنگیا روزنِ مہراکِ ناسو کا
ہے دُرِ تلخِ سیماں ہمیتہ ہمیتہ مور کا

مومن

نہ کیونکر مطلعِ دیوان ہو مطلعِ مہر و حد کا
بچاؤں آبلہ پانی کو کیونکر غارِ ماہی سے
سرِ شکِ عترتِ عجز نے الماسِ ریزی کی
نہ دستِ جنوں ہی اور نہ یہ جلیبِ جنوں کی شل
نہ سے تیغِ زباں کیونکر شکستِ رنگ کو طعنے
نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتشِ افروزی
نہکِ تنہا محبتِ شورِ فکرِ خوانِ بیجِ شیرین
عنایتِ کریمہ آشوبِ گاہِ حشرِ عزمِ اکِ دل
جراحتِ زارِ اکِ جاں دہ کہ حکمی ہر جہت سے
زمانہ ہمدی موعود کا پایا اگر مومن

کہ ہاتھ آیا ہے روشنِ مصرعِ انجستِ شہاد کا
کہ بامِ عرش سے پھسلتا ہے یارب پاؤں کا
جگرِ صد پارہ ہر اندیشِ غلِ گشتِ طاقت کا
کہ ہر دستِ قرہ سی چاکِ پردہ چشمِ حیرت کا
کہ صفہا و خرد پر حملہ ہے فوجِ خیالت کا
بنا جاتا ہے دستِ عجزِ شعلہ شمعِ فکریت کا
کہ دندانِ طمع نے خون کیا ہر دستِ حشر کا
کہ جبکہ ہر نفسِ ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا
نہکداں شورِ الفت سے مزا آوے عیادت کا
تو سب سے پہلے تو کہیو سلامِ پاکِ حضرت کا

لے آری لاشہ ہولنا غزل بس تن ہو گیا
بن ترے ای شعلہ روا تشکدہ تن ہو گیا
تمی کہیں غارتِ بوس و من جہگامِ خواب
ایک ہی جنبش میں تمی صدرِ راحتِ خوابِ ہم
میرے جلنے پر جو یا غیبِ تیری بزم میں
فرہِ رنگِ بیا بان اپنا مدفن ہو گیا
شمعِ قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا
شب کی بیداری سحر کا خوابِ نہن ہو گیا
خفا ہلے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا
موزِ دل کو آبِ اشک آتشِ یہ رعون ہو گیا

پاؤں زنداں سے اٹھو کیا سہا سکتے نہیں
 شہر میں ہر شہرہ کس قدر قیامت رکا کیوں
 ہم یقینی جوشِ وحشت سے فلک پر پہنچتے
 آخر اشکوں کے بھرنے نے ڈوبنا ہے مجھے
 خاک اڑائی میں نے کیا طرزِ جنوں فیس کی
 داغِ سینہ سے دل جانِ جگر سب پھٹک گئے
 اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن بچر لیا
 حلقہ زنجیرِ آسمان طوقِ گردن ہو گیا
 جلوہ گاہِ حشر ہر کوئی برزن ہو گیا
 خارِ دامنگیرِ عیسیٰ کی سوزن ہو گیا
 چشم کا سورج تو کشتی کا روزن ہو گیا
 شا جہاں آباد سارا غیبِ دکان ہو گیا
 تھا چرخِ خانہ چکو برقِ حسن ہو گیا
 دو ہی دن میں یہ تو کیا ماہِ مہرِ فن ہو گیا

مرزا غالب

شائستگی گر ہے زاہدِ اسعد جس باغِ ضلوع کا
 بیاں کیا کیجے بیدار کاوشِ ہمای و شکر کا کل
 نہ آئی سطوتِ قاتل بھی مانعِ میرزاؤں کو
 دکھاؤ لنگا تا شادی اگر فرصت زمانے نے
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلو سے
 آگاہ ہے گھر میں ہر سوسنہ ویرانی نماشا کر
 خموشی میں نہاں غولِ گشتہ لاکھواں آرزوئیں
 بہنوڑا کہ بر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے
 نعل میں غیری کی آج آپ سوئے ہیں کہیں دہن
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہو گا
 نظر میں ہے جاری جاوہِ راہِ فنا غالب
 وہ اک گلہ ستم ہم بخود کے طاقِ نسیاں کا
 کہ ہر یک قطرہ خون نہ ہے تیجِ مہرباں کا
 لیا دانتوں میں جو تنکا ہوارِ شہِ نسیاں کا
 مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سروِ چراغاں کا
 کرے جو پر تو خورشیدِ عالم شہِ نسیاں کا
 مدار اب کھوونے پر گھاس کے ہی تیرے دریاں کا
 چراغِ مردہ ہو نہیں بیزباں گو غریباں کا
 دلِ افسردہ گویا حجر ہے یوسف کے زنداں کا
 سبب کیا خواب میں اگر تبسم ہاے پنہاں کا
 قیامت ہے سرشکِ لودہ ہونا تیری شرکاں کا
 کہ بیشیزازہ ہر عالم کے اجزائے پریشاں کا

نقش فریادی ہے کسکی شوخی تحریر کا کاغذی ہے پیرزن ہر پیکر تصویر کا
 کاؤ کا دھخت جانہلے تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوے شیر کا
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے سیدہ شمشیر سے باہر ہے دشم شیر کا
 آگہی دہم شنیدن جہد چاہی بچھای مدعا عنقا ہے اپنے عالم نقیر کا
 بسکہ ہوں غالب سیری میں بھی آتش زیریا موم آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

غالب کا یہ مقطع بھی قابل لحاظ ہے جس میں ناسخ کے مصرع پر مصرع لگا کر اُن کے
 پایہ اعتبار کا اعتراف کیا ہے۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو مستعد میر نہیں
 غالب نے اس ایک شعر پر اکتفا نہیں کی بلکہ عود ہندی اور نثر پنج آہنگ میں
 جو کچھ لکھا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے۔ عود ہندی صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں۔

شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی
 ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔

نثر پنج آہنگ میں غالب کے کئی خط ناسخ کے نام ہیں ایک خط میں اپنے
 کلام کا ذکر لکھا ہے جو محقق ناسخ کو بھیجا ہے اور آرزو کی ہے کہ اُنکی نظر
 پر جائے۔ عبارت یہ ہے ملاحظہ ہو صفحہ (۷۲)

ایں در قہماے بخون جگر نگاربتہ ارمغانیت از غالب
 جگر تہ حضرت خدام والا مقام سخن سنج معنی پناہاں
 امید گاہ نظامی نظام و ظہوری ظہور نظری نظیر فیضی فیض صمیمی صمیم

شانی شان فوائی نوار فضائی فغان در علم صائب و در عمل
 راسخ مخدوم معظم و مطلع مکرم مولانا نسخ کہ در سخن طرح نوی ریختہ
 اوست و در ریختہ نقش بدیع انگلیختہ او فرستادن این فہرست
 نادانی بدای وانا آموزگار نہ از ان رست کہ طبع آہنگ نہایش
 و ہمت بعض تحمل گرایش وار و بلکہ نامہ نگار و میں پر دہ سنگاں است
 کنیرہ بخت این تیر و سر انجا ماں قلم و تحریر بلحاظ نگارہ قبول ہونا رشتہ
 اندوز و و آنچه بہ کز لک انصاف قیال ازین اوراق بستردہ
 رسیدہ است بفازہ تحسین مخدوم رخ امتیاز افزو و۔
 صفحہ ۱۱۳ میں لکھتے ہیں۔

سبحان اللہ سخن بر وزیر کار مخدوم بیایہ بلند رسید و اردو و
 رونق دیگر دید پید آند۔ اینکہ نارسیدن نامہ من بخاطر ماطر جالے
 گرفت و شکوہ آن بزبان قلم رفت مرا آبر و افزو و وارزش ط
 در نظم جلوہ گر ساخت خوشامں کہ در آن چشم و دلم جائے باشد الخ
شعراے لکھنؤ کی قادرا کلامی۔ شکاری پرند جب بڑے بڑے شکار مارنے کا خوگر
 ہو جاتا ہے تو چھوٹے جانوروں کا شکار اسکے نزدیک کوئی بات نہیں ہوتی اسلحہ شاعر کے
 شہساز فکر کو جب عقلمند پر داز معانی کے صید پر قدرت ہو جاتی ہے تو ان کے
 ساتھ معمولی مضامین جو عصافیر کا درجہ رکھتے ہیں خود بخود آکر اسیرِ رام ہو جاتے ہیں
 تلاش کی حاجت نہیں ہوتی بقول حضرت امیرؒ
 کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توں ڈالے خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

تشبیہات میں فکرِ صائب کی فلک پیمائی سب پر ظاہر ہے ان کے بلند و پرورد
مضامین پہاڑوں کی چوٹیوں سے رفیع تر ہیں جیسے یہ اشعار
دامن کشیدن از کفِ عشاقِ ہل نیست
یوسف ازین گناہ بزدانِ نشستہ ہست

صائب ز ملائک مطلب رتبہ انساں
صائب خجالتِ سائل بزمینم در کرد
دست سوال پیش کساں کردہ دراز
سینہا را خامشی گنجینہ گوہر کند
دیدم ز رگ و ریشہ درختِ خبر
صریح را نکلند نفست و دو عالم سیر
مگر باوجود اسکے ذیل کا رنگ بھی جگنو نہ کہنا چاہئے ان کے یہاں بکثرت ہے
ہر دم آرزوئی غییبِ راجہ علاج
فرض کروم کہ بیاد تو دلم خرسند است
می توان کرد نہاں عشق ز مردم میکن
زباں ز گفتہ بیجا بجاں رساند مرا
ز بیکسی چہ شکایت کنم بہ پیش کسے
بہی حال شعراے کلبہنو کا تھا کہ وہ عالی نیاں ہی تھے اور حرمِ مقال بھی بلکہ
ناسخ کو اردو کا صائب کہتے ہیں۔ ۱۲۔ پیر فکر میں قوتِ معنی آفرینی پیدا کرنی ہے
وہ لوگ کسی رنگ میں بند نہ تھے ریختی کوی تو انشاء اور رنگیں کو طاقِ لسیاں پر

بٹھا دیا۔ واسوخت کی طرف توجہ کی تو صبا باغ لگا دیئے۔ مرثیہ گوئی پر آئے تو دریا بہا دیا۔ یہ سب اسی قوتِ فکر یہ کائناتِ تجاہد جو اُس دور نے ہر طبیعت میں پیدا کر دی تھی۔ ایک وقت میں رعایتِ نقلی کا بھی وہاں چرچا ہو گیا تھا چنانچہ امانت نے اُسی رعایت کیساتھ تین سوسات بند کا واسوخت کہا جسکی مقبولیت کے نقوش دلوں سے آج تک محو نہیں ہوئے۔ نواب فردوس مکاں کے ایک واسوخت میں بہار کا مضمون تھا اسکی اصلاح میں حضرت امیر نے وہ وہ گل کہلائے کہ پورا واسوخت تختہ گل بن گیا جو لفظ ہے سدا بہار بھول ہے جو حرف ہے گلاب کی پنکھر ہی ہے۔ مرزا دبیر سے لوگوں نے غیر منقوط مرثیہ کہنے کی فرمائش کی انہوں نے پورا مرثیہ غیر منقوط لیکر نذرِ عالی کا اعجاز دکھا دیا اس مرثیے میں تخلص عطار و منوروں کیا ہے۔

معتبر ذرائع سے یہ حیات مجھ تک پہنچی ہے کہ مرزا غالب کو ان کے احباب نے مرثیہ کہنے پر مجبور کیا دو ایک بند اور کچھ مصرع کہے تھے کہ اس اشار میں ایک شخص نے آکر مرزا دبیر کا یہ مصرع پڑھ دیا۔

آہو کعبہ مت ربانی داور ہے حسین

اس پر مرزا غالب لوٹ گئے جو کچھ لکھا تھا پھاڑ کے پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ انہیں لوگوں کا حصہ ہے۔

شعراے لکھنؤ کے وہ اشعار جو مقبول ہو کر زبانِ زدِ خاص و عام ہو گئے ہیں ان میں سے چند شعر میں اس جگہ لکھ دوں تو لطف سے خالی نہ ہوگا۔

تھتے تھتے تھینکے آنسو روناسی ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

شاید رہو تو اسے شب ہجر
 حسرت پہ اس مسافر بکس کی روئے
 اے مصحفی میں رُوؤں کیا اگلی صحبتوں
 دعویٰ کیا تھا گل نے اس گل سرنگ بڑکا
 نہ اکی دیں کا رسی سے پونچے احوال
 مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ ہجر کا
 پھر ہمارا آئی چمن میں زخمِ دل آنے ہوئے
 یہ اُسکے ہوسا دہ کل عالم کہ جسے دیکھا ہوا وہیم
 مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے
 شیریں زباں ہوئی ہے فرما دے دہن میں
 یہ کس رشابِ سیاح کا مکاں ہے
 خدا سر دے تو سروا دے تری زلف پر نشان
 بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
 دل کو نالوں کی دم نزع ہوں باقی ہے
 روح کے ساتھ ہی قالب میں قضا ہی آئی
 خدا جانے یہ کسکی جلوہ گاہِ نایاب ہے دنیا
 آکے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
 تیز رکھنا سہرہ رخا کو اسے دشتِ جنوں
 چلا ہے او دل راحت طلب کیا تھا ہو کر

جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی
 جو تھک گیا ہو بھیکے منزل کے سامنے
 بن بنکے کھیل لیتے لاکھوں بگڑ گئے ہیں
 دھولیں صبا نے ماریں شبنم نے منہ پہ تھوکا
 کہ آگ لینے کو جا میں پیس بری مل طے
 طلوع صبح محشر چاک ہو میرے گریباں کا
 پھر مرے داغ جگر آتش کے پرکاتے ہوئے
 نیا تیغ قضاے نیم لب و قال فی تیرکا
 تماشا ہے تہہ آتش دھواں ہے
 لبلی پکارتی ہے محنوں کے بیر میں
 زمیں جسکی چہارم آسمان ہے
 جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہوا کیسے بے ملتان
 جو چیرا تو اک قطرہ خون نہ نکلا
 منزل آخر ہوئی فرما دیو جس باقی ہے
 شمع آئی مرے گھر میں تو ہوا بھی آئی
 ہزاروں اٹھکے پھر بھی ہی رونق تو محفل کی
 نہ رہی دشت میں خالی مری جامیرے بعد
 شاید آج بکے کوئی آبلہ پا میرے بعد
 زمین کو سے جاناں رنج وے گی آسمان کی

سچا حاصل

خوش نصیب

اسی باعث تو قتل عاشقان سے منع کرتے تھے
 نہ کیا فوج کیا چھوڑ کے بس قاتل
 مڑ بھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق و لگیر کو
 جو خامن بندے ہیں وہ بندہ عوام نہیں
 آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ہے
 لگانہ رہنے سے جھلکے کو یار تو باقی
 آنکھیں نہ جینے دیگی تری بیوفا مجھے
 خدا پناہ میں رکھے تمہاری مڑگاں سے
 کہا کسی نے نہ اتنا ہمارے دفن کے وقت
 کو چہ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
 سانس بھی تن بسل میں جو آتے جاتے
 دکھایا کچھ نفس جھکوا ب دانے نے
 آغوش لیب تلکے کریں آہ و زاریاں
 بہاؤ شیش ہوتی ہے خزاں پری ہوائے کو
 اداسے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
 اگر نشتے رہے فتنہ نہ بخشتے تو شکایت کیا
 کیا لطف جو غیہ پر وہ کھولے
 دونوں کی رہی نہ جان تن میں
 کچھ جوانی ہے ابھی کچھ ہے لڑکپن ان کا

کیلے پھر رہے ہو یوسف۔ لہکارا۔ ان ہونکر خواتین
 دہن زخم پکارا کیا تال تال
 کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کرلو تیر کو
 ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں
 فتنہ تو سو رہا ہے درخت نہ باز ہے
 رُکے نہ ہاتھ ابھی ہے رگ گلو باقی
 ان کھڑکیوں سے جھانک ہی ہو قضا مجھے
 ستم کی فوج کھڑی ہے پراجا ہے ہوئے
 کہ ان پہ خاک نہ ڈالو یہ میں نہاے ہوئے
 خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے دے
 اور چرکا دیا جلا دے جاتے جاتے
 دگر نہ دام کہاں ہیں کہاں کہاں صبا
 تو ہائے گل پکاریں چلاؤں ہاؤ دل
 جوانی روٹھی جاتی ہے کہیں کس سے سنائے کو
 بس اک نگاہ پہ ٹھہر رہے فیصلہ دل کا
 سہلیم خم ہے جو مخرج یار میں آئے
 جادو وہ جو سر پہ چڑھ گئے ہوئے
 کاٹو تو لہو نہ صفا بدن میں
 وہو خاں بازوں کے قبضے میں ہے جو بن لگا

ذریعہ بیار و فرختر چیمے کا کشتو کٹا خون نیکر
 کباب سنج ہیں ہم کرٹیں ہر سودا لیتے ہیں
 گزشتہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
 تیر پر تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
 ناوک ناز سے مشکل ہے بچا نادل کا
 ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
 جو بن اُبھار پر ہے چمن کو نہ جانیے
 اسے برق حسن یار یہ اچھا ظہور تھا
 وہ مزادیا تڑپ لے کر یہ آرزو یار ب
 فنا کیسی بقا کیسی جب اسکے آشنا ٹھہرے
 ذیل کے اشعار بھی زبانِ زوِ خاص و عام ہیں لیکن مصنفین کے نام یاد نہیں ہے۔
 چرخ کو کب یہ بلیقہ ہے سنگاری میں
 تن کی عزائی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
 محبت ہو کسی سے یا عداوت
 غم صیاد و خوفِ باغباں ہے
 و ر بارِ را مپور۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امیر کے دیوانِ دوم کا جو رنگ ہے
 وہ پہلے دیوان کا نہیں ہے۔ اور اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ دربارِ رامپور میں
 اجتماعِ شعرا ہونے سے اہلِ دہلی کا اثر لکھنؤ والوں پر پڑا اور حضرت امیر نے داغ کا
 رنگ اختیار کیا۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ واقعہ اسکے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ

جو چپ رہی زبانِ خیر لہو پکارے گا آتین کا
 جل اٹھتا ہے جو یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
 سنا ہوا شانِ سرِ مزار ہوں میں
 سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے
 درد اٹھ اٹھ کے بتاتا ہے نہ کانا دل کا
 سادگی گہنا ہے اس سن کے لئے
 بادِ صبا لگاے گی چوری انار کی
 دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا
 مرے دونوں پہلوؤں میں دل بیقرار ہوتا
 کبھی اس گھر میں نکلتے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے
 کوئی معشوق ہے اس پر وہ زنگاری میں
 یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہیں سید ہا اُلٹا
 مزاد یہ جامے گی جو دل سے ہوگی
 دو حملے میں ہمارا آشیان ہے
 اور بارِ را مپور۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امیر کے دیوانِ دوم کا جو رنگ ہے
 وہ پہلے دیوان کا نہیں ہے۔ اور اسکی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ دربارِ رامپور میں
 اجتماعِ شعرا ہونے سے اہلِ دہلی کا اثر لکھنؤ والوں پر پڑا اور حضرت امیر نے داغ کا
 رنگ اختیار کیا۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ واقعہ اسکے برعکس ہے اور وہ یہ ہے کہ

در بارِ رامپور میں بعدِ نواب خلد آشیاں لکھنؤ کے شعرِ بکثرت تھے اسیرِ امیر
جلال۔ بحر۔ قلق۔ مہر۔ ذکی۔ عروج۔ تسلیم۔ شرف۔ جان صاحب وغیرہ اور
دہلی کے صرف نصیح الملک داغ تھے۔ اور ایک صاحبِ عالم مرزا رحیم الدین حیات
جنگی کوئی نمود نہ تھی۔ فطرت کا مقتضی ہے کہ انسان جس سوسائٹی میں رہتا ہے
اُسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ نسیم دہلوی کا رنگِ شاعری اسکا شاہد ہے جو
لکھنؤ میں جا کر رہے تھے۔ یہی طرح رامپور کی زبردست سوسائٹی کا اثر داغ پر ہونا
لازم تھا اور ہو کر رہا۔ خصوصاً حضرت امیر کی صحبت سے جنابِ داغ نے معتد بہ
فائدہ اٹھایا۔ زبان کی صفائی کلام کی چستی اُسی کا نتیجہ ہے۔ دہلی کی شاعری
قابلِ تعریف مسلم مگر اس میں صفائی نہیں ہے۔ مضامین اندھیری رات میں جگنو کی طرح
چمک جاتے ہیں بخلاف اسکے لکھنؤ کی شاعری ایسی ہے جہاں روشنی ہی روشنی ہے
جس میں شاید معنی کے خط وخال صاف نظر آتے ہیں۔ داغ نے جو اس صاف اور
روشن شاعری کو دیکھا تو اُس تاریکی سے کھل آئے اور صاف شعر کہنے لگے۔
”تلذذہ ذوق کے کلام اور خود ذوق اور مومن اور غالب وغیرہ شعر کے
دہلی کے دواویں میں ذیل کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔

چلون (چلن) بنھانا (بنا ہنا) نہوری نظر (نیچی نظر) پیار بروزن ہلار
آوے جاوے۔ کیوئے کیوئے۔ کشتن عاشق۔ آن پڑی۔ بیداد سوا (بیداو کے سوا)
ٹھور (مے ٹھور) ولے (مگر) کیونکہ (کیونکر) جاے ہے۔ آے ہے۔ لائے ہے۔
کے ہے۔ وغیرہ نیک (ایک) کہوے (کہے) دیکھو (دیکھکر) مت (نہ) ٹک
اس رنگ (اس طرح) نے (نہ) پیاس بروزن ہر اس کو کے (کسی کے)

چاہیے ہے (چاہیے) قلم مونث (خامہ)۔ شرابی والے (شرابی) (پس چلین۔ حسرت ارمان۔ فخر جہاں۔ اٹ کھٹ۔ (نازخرو) (اعلان نون) (اعلان نون) داغ کا کلام ان الفاظ اور ترکیبوں سے بالکل پاک ہے۔

ظہیر دہلوی تلمیذ ذوق جب حیدر آباد آئے اور حضرت داغ سے ملے ہیں اس وقت موجود تھا جناب ظہیر نے اپنی ایک تازہ غزل بنائی سنتے کے بعد حضرت داغ نے ظہیر سے فرمایا کہ تم نے غزل بڑی فکر سے کہی ہے اور معلوم ہوتا ہے بہت زور لگایا ہے مگر قسم لوجو میں ایک شعر بھی سمجھا ہوں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر لیں کہ ظہیر دہلوی کی شاعری سے جو دنی کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی داغ کو کس قدر بیگانگی تھی۔ حضرت امیر کی شہرت و مقبولیت ان کے دیوان اول ہی سے ہو چکی تھی اسی شاعری کی بدولت راہپور طلب کیے گئے اور اسی کی بدولت نواب فردوس مکان نے اپنے کلام میں اصلاح لی۔ اور اسی کی بدولت نواب خلد آشتیاں نے اپنی استاد کیلئے تمام شعرائے دہلی و لکھنؤ میں امیر کو انتخاب فرمایا اس کے بعد کون سی ضرورت مجبور کر سکتی تھی کہ امیر اپنا طرز سخن چھوڑ کر داغ کا رنگ اختیار کرتے۔

نواب خلد آشتیاں لکھنؤ کی زبان ادب شاعری کے صرف دلداد وہی نہ تھے بلکہ اس میں ان کو انتہا کا خلوت تھا۔ سوا شعرائے لکھنؤ کے کسی کو شاعر نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے دربار میں دلی کی شاعری کا ذکر نہ تھا۔

مہرزا داغ کو زمرہ شعرا میں نہیں رکھا بلکہ ریاست کے بعض کارخانوں پر
 مامور بنایا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ نواب صاحب نے حضرت امیر ایسے بے نفس
 اور صلح مشرب کو یہ شہر کہنے پر مجبور کیا۔

دعویٰ زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے
 انہارِ بُوے مشک غزالوں کے سامنے

اب رہی یہ بات کہ حضرت امیر کے اول و دوم دیوان میں فرق
 کیوں نظر آتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ دیوان دوم محض ایک رنگ میں
 ہے اور دیوان اول میں بمقتضائے دو رنگ اور رنگ کے اشار بھی
 ہیں۔ اگر وہ اشار دیوان اول سے نکال دیے جائیں تو اول و آخر کے
 دیوان میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ جناب جلیل نے اس کے متعلق تفصیل سے
 بحث کی ہے۔ اور دیوان اول کے بیشتر اشعار نقل کر کے ثابت کر دیے
 کہ دیوان دوم کا یہی رنگ ہے دونوں ایک ترکش کے تیر ہیں۔ اس تفصیل کو
 حصہ دوم سوانح عمری کے صفحہ ۴۸ تا ۵۸ میں ملاحظہ فرمائیے۔

اختر مینائی

معمد و ناظم امور مذہبی کٹر

۴۴ مینا نظم و محبت کا ایک لفظ ہے جو اُس زمانے میں استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانہ میں یہاں لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

خادم شاہ میرا رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت نظام الدین اولیا محمود علیہ الرحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا ہے۔
اس طور سے کہ خادم شاہ میرا مرید ہیں حضرت شیخ سارگم کہ اور وہ مرید ہیں حضرت شیخ قوام الدین مکنوی کے اور وہ
مرید ہیں خادم جہانیاں جہاں گشت کے اور وہ مرید ہیں حضرت شیخ فیصل الدین جیراغ دلی کے اور وہ مرید ہیں حضرت محمد علی علیہ السلام اولیاء

مولوی شیخ کرم محمد مینائی کے چھوٹے صاحبزادے حضرت منشی امیر احمد امیر مینائی ہیں۔
جنگلی مختصر سوانح عمری اس وقت میں لکھ رہا ہوں۔

امیر کے مورث اعلیٰ شیخ عثمان عرب سے ہندوستان آئے اور دارالخلافہ دہلی میں رہے
وہاں سے جوہنپور اور قصبہ دلو میں قیام کرتے ہوئے لکھنؤ آئے اور اقامت پذیر ہوئے
انہوں نے اپنے فرزند شیخ قطب کو یادگار چھوڑا جنگلی پشت سے ایک آفتابِ لایت طالع ہوا
جس کے انوار سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں یعنی شیخ محمد عرف مخدوم شاہ مینا رحمت علیہ
سلسلہ نسب کی ترتیب یہ ہے، امیر احمد ابن شیخ کرم محمد ابن شیخ محمد معظّم ابن شیخ محمد عظیم
ابن شیخ خواجہ احمد ابن شیخ صالح ابن شیخ خواجہ ابن شیخ مبارک ابن شیخ حسین ابن شیخ گدائی
ابن شیخ نظام ابن شیخ الہد او ابن شیخ ابراہیم ابن شیخ قطب الدین جانشین و برادر زادہ
مخدوم شاہ مینا رحمتہ اللہ علیہ ابن شیخ نصیر الدین ابن شیخ قطب ابن شیخ عثمان۔

مولوی شیخ کرم محمد اپنے خاندان کی قابلِ فخر یادگار اور جانشین تھے۔ یہ خاندان علم و فضل
اور درویشی کی حیثیت سے معزز و محترم تھا۔ علاوہ عوام الناس کے شاہی خاندان میں بھی وہ
موقر تھا۔ اطمینان اور آزادی کے ساتھ علوم و فنون۔ مجاہدہ اور مشاہدہ میں مصروف تھے۔
مولوی شیخ کرم محمد نے تین بیٹوں اور تین بیٹیاں چھوڑ کر انتقال فرمایا اور لکھنؤ ہی میں دفن ہوئے۔
امیر مرحوم اپنی ایک بہن سے بڑے باقی سب بہائی بہنوں سے چھوٹے تھے۔

بہائیوں میں سب سے بڑے مفتی طالب حسن مرحوم تھے پہلے یہ عدالت دیوانی لکھنؤ میں
ملازم رہے پھر وہیں کی نظامتوں میں میر منشی ہوئے۔ جب عذرا کا طوفان اٹھا تو یہ رامپور
چلے آئے اور انیس برس عدالت دیوانی کے اعلیٰ احکام رہے، چہتر سال کی عمر میں بمقام پیر
رحلت کی اور وہیں دفن ہوئے۔ بہت ہی کریم النفس اور عمدہ صفات کے بزرگ اور منشی

بے بدل تھے۔

شیخ عنایت حسین منجھلے بھائی کا نام تھا۔ یہ جید عالم تھے تمام عمر درسِ تدریس میں بسر کر دی اُن کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ قرآن مجید ایک مہینے میں حفظ کر کے سنا دیا تھا۔ لکھنؤ میں ان کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تعلیم و تربیت

حضرت امیر کی ولادت ۱۶ شبان روزِ دوشنبہ ۱۲۸۷ھ میں بعدِ دولت نصیر الدین حیدر بادشاہ ہوئی۔ بہت ہی کم عمری میں ابتدائی تعلیم شروع کی گئی اور جیسا کہ دستور ہے ایک مولوی صاحب نے ابتدائی تعلیم کا آغاز کرایا، عام لڑکوں کے خلاف مستعدی اور تعلیمی شوق و ذوق ایک طرف تو قدرت نے عطا کیا ہی تھا دوسری طرف اُس موثر تربیت کا نتیجہ تھا جو مولوی شیخ کرم محمد اپنے ہونہار فرزند کو دے رہے تھے۔ اُس زمانے میں عربی علوم و فنون کی تکمیل ضروری سمجھی جاتی تھی خصوصاً اس نامور اہل علم کے خاندان میں تو عربی کی تعلیم لازمی تھی جس کے اکثر افراد عربی علوم و فنون کے ماہر تھے گیارہویں برس امیر مرحوم نے عربی زبان کی ابتدائی کتابیں اپنے منجھلے بھائی مولوی حافظ عنایت حسین سے شروع کیں جو اپنی آبائی مسند پر مکن ہو چکے تھے۔ اور فیضِ تعلیم اُن سے جاری تھا۔

امیر مرحوم کی عمر ابھی نو برس چھ مہینے کی تھی کہ اُن کو تیمی کا دلغ نصیب ہوا یعنی اُن کے والد شیخ کرم محمد نے دنیا سے نا پائدار سے رحلت کی۔ یہ ایسا سخت حادثہ تھا جس سے غالباً امیر مرحوم کی آئندہ تعلیم و تربیت پر خراب اثر پڑنا مگر خوش نصیبی سے اُن کے بڑے

بہائی مفتی طائب بن مرحوم جو اُس وقت میٹری نظامت اور برسرِ عروج تھے کچھوٹے
بہائی کی پرورش اور تربیت میں شفیق باپ کی طرح مصروف رہے چنانچہ امیر مرحوم
خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ

” بڑے بہائی کے تادمِ حیات مجھے کبھی اسکا موقع نہیں ملا کہ میں اپنے والد ماجد

سایہ شفقت سر سے اٹھ جانے کا اثر محسوس کرتا“

الغرض مفتی طائب بن مرحوم کے حُسنِ توجہ سے امیر کا سلسلہ تعلیم ٹوٹنے نہ پایا بلکہ ہوتا
بیش از بیش اُن کی تربیت و تعلیم پر توجہ کی۔ عربی صرف و نحو کی تکمیل امیر نے اپنے
منجملہ بہائی سے کی اسکے بعد دیگر اساتذہ سے مختلف علوم عربیہ کی تکمیل کا قصد کیا۔

فرنگی محل میں علم و فضل کے چشے اہل رہے تھے۔ حضرت امیر کو بھی اس آبِ حیات
سیراب ہونے کا موقع ملا۔ مفتی محمد یوسف صاحب اور مولانا عبدالحکیم صاحب سے آپ نے
منقولات کی تحصیل کی اور معقولات مفتی سعد اللہ صاحب سے پڑھے۔ اور مولوی تریب
صاحب لکھنؤی سے ادب کی تکمیل کی۔ یہ بات اُس وقت خواصِ شہر میں مشہور ہو گئی تھی
کہ ادب کی طرف مولوی امیر احمد مینائی کا رجحان زیادہ ہے اور یہ معانی و بیان کی کتابیں
نہایت صفائی سے طلبہ کو پڑھاتے ہیں۔ جامع العلوم ہو کر اور سندِ فضیلت حاصل کر نیکی
بعد آپ نے علمِ طب کی طرف توجہ کی اور نواب حکیم محمد حسن خاں بریلوی سے اس
فن کو بھی حاصل کیا۔ نواب صاحب حکیم مرزا محمد علی صاحب کے شاگردِ رشید تھے اور
اُس وقت مرزا محمد علی سے زیادہ مہرِ طبیب کوئی دوسرا نہ تھا اُن کے قصے زبانوں پر
آج تک ہیں۔ گو علمِ جفر امیر نے کسی سے پڑھا نہیں مگر مطالعہ کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ علمِ جفر
کے ماہر ہو گئے تھے۔ اس علم میں آپ نے دو کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔ رمز الغیب

اور رموزِ غیبیہ۔ ان دونوں کا نام ہے غرضکہ جملہ علوم پر آپ کی نظر عالمانہ و فاضلانہ تھی انیل بیل برس کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔

سلوک و درویشی

فقیر و درویشی آپ کی گھٹی میں پڑی تھی کیونکہ وہ خاندان ہی درویشوں کا تھا۔ زہد و تقویٰ کے دامن میں انھوں نے پرورش پائی۔ ریاضت و عبادت کے آغوش میں تربیب ہوئی ہوش بہالا آنکھ کھول کر دیکھا تو گھر سب کو اسی رنگِ درویشی میں ڈوبا ہوا پایا۔ امیر مرحوم نے مزار حضرت شاہ مینار سے فیض باطن حاصل کرنا شروع کیا۔ بیشتر اوقات مزار پر بیٹھے مراقب رہا کرتے تھے اور ذکر و اشغال طریقہ آبائی میں مشغول رہ کر بطور خود ریاضت کرتے تھے۔ مخدوم شاہ مینار کی روحِ رفیعہ تعلیم باطنی کی طرف متوجہ تھی اور اُسی سبب عنایت الہی امیر کی تربیت ہوتی رہی۔

مبنیٰ کسی شیخ سے بیعت ظاہری کی فوجت نہ آئی تھی کہ ایک دن مراقبہ میں معلوم ہوا کہ حضرت شاہ مینار نے ایک درویش کی صورت اُن کو دکھا کر ارشاد فرمایا کہ تم ان کے ہاتھ پر بیعت کر لو بعد ازاں خواب میں بھی اس واقعہ کو کوئی بار دیکھا اور منتظر رہے کہ وہ درویش جن کی صورت دکھائی گئی ہے مل جائے اور ارشاد فرمادے صاحب کی تمہیل کیا ہے۔ مزار پر کثرت سے درویش نزدیک دور کے حاضر ہوا کرتے تھے اور ہر ایک نئے آنیوالے سے امیر مرحوم ملتے تھے اور اپنے مقصود کے جو یا رہتے تھے۔ اسی اثناء میں اسی صورت کے ایک بزرگ جنگی تلاش تھی مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔ یہ درویش

امیر شاہ نام ریاست راہپور کے رہنے والے سلسلہ چشتیہ صابریہ کے شیخ تھے۔ امیر مرحوم نے انکو پہچان لیا اور بے اختیار اُن کی طرف متوجہ ہونے میں پیشوا بھی اُن کو دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب وقت تمہاری بیعت کا آگیا ہے غرض اُن کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ صابریہ کے اشغال میں حسب ہدایت شیخ مشغول ہوئے امیر شاہ صاحب آستانہ مبارک پر بہت عرصے تک مقیم رہے اور حسن اتفاق دیکھئے کہ جب لکھنؤ ٹ گیا تو امیر راہپور ہی میں جا کے مقیم ہوئے جو اُن کے شیخ کا مسکن تھا۔ گویا یہ کشش شیخ ہی کی طرف سے ہوئی جب تک شیخ زندہ رہے دونوں یکجا رہے اور امیر نے تمام مدارج سلوک طے کر کے خلافت نامہ شیخ سے حاصل کر لیا۔ آپ نے مخصوص اشخاص کو مرید کیا اور سلوک کی تعلیم دی لیکن بوجہ مشغولی خدمتِ سلاطین سلسلہ پیری مریدی بڑھایا نہیں۔

ابتداءً سلوک میں امیر پر ایسی محویت طاری ہوئی اور ایسا استغراق ہوا کہ دنیا کے سب کام کاج سے معطل ہو گئے یہ حال دیکھ کے اُن کی والدہ ماجدہ نے شیخ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ایسی توجہ فرمائے کہ اس حالت میں سکون ہو اور عہد امیر شاہ صاحب علم و فضل میں اور بانخصوص درویشی میں بڑا متمیز رہتے تھے، ان کے تصانیف میں ایک بڑی کتاب تعلیم النواص ہے جو سلوک میں نہایت بسیط اور جامع اور بالکل نیکلے عرغ ہدایت ہے کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے فارسی میں وزن کے شمار زیادہ ہیں۔ اردو میں کم۔ ایک مشہور غزل اکثر سماع کی مجلسوں میں گائی جاتی ہے جسکے چند شعر یہ ہیں۔

یہ جو صورت ہے تری صورتِ جانانِ تنہی	یہی نقش ہے یہی رنگ ہر ماں ہے یہی
بسترِ ناٹ کا دو پار ہے محل کی کلاہ	تاجِ خسرو ہے یہی تختِ سلیمان ہے یہی
اپنی ہستی کے سوا غیر کو سجدہ ہے حرام	مشرابِ یزیدان ہے ہر زنداں ہے یہی

دنیاوی امور کی طرف بھی امیر متوجہ ہوں شیخ نے اپنی کلاہ سر سے اُتار کے بھیجی اور کہا کہ اس کو امیر کے سر پر رکھو۔ اُس کلاہ کے رکھنے سے اُس حالت سے افاقہ ہو گیا اور استغراقی کیفیت میں جو شدت تھی وہ جاتی رہی۔ امیر کو اُس کیفیت کے جانے کا صدمہ ہوا کیونکہ اس میں لذت ہی اور تھی۔ اپنے پیر سے اس بارے میں عرض کیا۔ پیر نے فرمایا کہ تمہارا لطف جاتا نہیں ہے اس وقت مصلحت ایسی ہی تھی آئندہ یہ کیفیت پھر عود کر آئے گی چنانچہ آخر وقت میں شیخ کے ارشاد کا ظہور اچھی طرح دیکھا گیا۔

مخدوم صاحب کے مزار پر سماع کا جلسہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور اب تک طریقی امیر مرحوم سماع کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے مگر رامپور میں کبھی نہیں دیکھا کہ سماع میں شرکت کی ہوبات یہ ہے کہ درویش دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ارباب تلون کہلاتے ہیں اور ایک ارباب تمکین حضرت امیر کو لکھنؤ میں ارباب تلون کی صحبت حاصل رہی لہذا سماع کے جلسوں سے فائدہ اٹھانے میں کچھ تامل نہیں کیا۔ بخلاف اس کے رامپور میں زیادہ تر صحبت ارباب تمکین کے ساتھ ہی مشلا میاں سید حسن شاہ صاحب محدث۔ میاں سید محمد شاہ صاحب محدث حضرت شاہ محمد معصوم صاحب نقشبندی وغیرہ سے مجاورت اور رات دن ملنا جلنا رہا لہذا زہد و ورع اور عزلت نشینی کے ساتھ ریاضاتِ ظاہری باطنی اور مراقبات و عبادات اور اتباعِ سنت و تلاوتِ قرآن میں مصروف رہی۔ سماع کی طرف جانیکی ضرورت نہیں ہوئی۔

لذتِ سماع کی اس قدر تھی کہ جہاں کسی خوش گلو کو کچھ پڑھتے سن لیتے تھے بے اختیار ہو جاتے تھے۔ نعتیہ کلام اکثر لحن کے ساتھ پڑھواتے تھے اور بجائے خود وجد کرتے تھے۔

حفاظ و قراء کے پڑھنے پر خاص کیفیت ہوتی تھی کہ بیان میں نہیں آسکتی جو حافظ مل جاتا تھا اُس سے فرمائش قرآن سنان کی ہوتی تھی اور سفر و حضر میں ہر جگہ ہمیشہ یہی معمول رہا اور یہ لذت اُن کی روحانی قوت کا نتیجہ تھی۔

امیر مرحوم میں ایک معصومیت کی شان پائی جاتی تھی جو اعلیٰ درجہ کی درویشی اور فقر کی حالت میں علی العموم پائی جاتی ہے یعنی دنیا کی چالوں اور ترکیبوں اور دنیا سازی سے وہ بالکل نا آشنا تھے باوجودیکہ فراست ظاہری و باطنی اعلیٰ درجہ کی رکھتے تھے اور یہ معصومیت فطری تھی بعض اوقات کے بیان میں بسیل تذکرہ اُن کی زبان سے سنا گیا کہ میں نے مدت تک نہیں جانا کہ روپیے پیسے کی لوگ کیوں بہت قدر کرتے ہیں اور کیوں اُس کے تحفظ کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ میں ذی ہوش تھا۔ ایک مرتبہ میں نے بیرونی مکان کے طاق پر جہاں میری کتابیں رکھی تھیں زیادہ مقدار میں روپیے رکھ دئے تھے ایک شخص کو معلوم ہوا تو اُس نے روپیہ چھپا کر لے لیا چاہا اسے میں میں باہر سے آگیا۔ وہ شخص روپیے لیکر بھاگا اور کچھ روپیے زمین پر گر بھی گئے۔ میں نے جو یہ واقعہ دیکھا تو مجھ کو حیرت ہوئی کہ اس نے روپیے لینے تو چھپا یا کیوں اور پھر بھاگا کیوں۔ کہتے تھے کہ مجھ کو بہت دنوں تک اس پر استعجاب اور تحیر رہا اور یہ بھی اُن کی زبان سے سنا کہ مدت تک مجھے اس بات کا یقین نہیں ہوا کہ لوگ فریب بھی کرتے ہیں اور جھوٹ بھی بولتے ہیں۔

حصول سلوک کے اثنا میں ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ اُن کی قوت خیالی بہت بڑی ہوئی تھی یعنی جس بات کا تصور جزم کے ساتھ کر لیتے تھے اُس کا ظہور فوراً ہو جاتا تھا ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ گہریں بہت عسرت تھی جو درویشی کی خاص شان ہے۔

اُس زمانے میں کبھی کبھی اُن کی والدہ کہتی تھیں کہ امیر آج نہایت تنگی ہے۔ یہ کہتے
فلاں طاق پر روپیے رکھے ہیں۔ وہ اُس طاق سے روپیے لے لیتی تھیں۔ یہ واقعہ
میں نے اُن کی زبان سے سنا ہے۔

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت خواجہ بزرگ تک اس طرح پہنچتا ہے کہ امیر منیائی مرید
اور خلیفہ میاں امیر شاہ چشتی صابری کے ہیں اور وہ خلیفہ غلام شاہ کے ہیں اور وہ شاہ
عبد الکریم کے اور وہ شیخ عنایت جی کے اور وہ حضرت شاہ بھیک کے اور وہ شاہ
ابو المعالی کے اور وہ شیخ داؤد کے اور وہ شیخ محمد صادق کے اور وہ شاہ ابوسعید کے
اور وہ شیخ نظام الدین بلخی کے اور وہ شیخ جلال الدین تہانیری کے اور وہ شیخ عبد القدوس
گنگوہی کے اور وہ شیخ محمد جی کے اور وہ شیخ عارف جی کے اور وہ حضرت شیخ احمد علی
رؤوی کے اور وہ شیخ جلال الدین کے اور وہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے اور
وہ حضرت شیخ علاء الدین علی احمد صابر کے اور وہ بابا فرید گنج شکر کے اور وہ خواجہ
قطب الدین بختیار کاکی کے اور وہ خلیفہ غریب نواز حضرت خواجہ عیسیٰ الدین چشتی حمیری
رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

شاعری

قدرت نے یہ طے کر دیا تھا کہ ہونہار اور فاضل اجل امیر ایک زمانے میں ملک سخن
کے بادشاہ ہوں گے اور امیر اشعار کہلائیں گے اس لیے امیر کی طبیعت بہت کم سنی ہی
شعور سخن کی طرف مائل تھی ان کا زمانہ طالب علمی بھی شعر گوئی سے خالی نہ تھا اور اگرچہ
انہوں نے ظاہر طور پر اشعار نہیں کہے لیکن اندر ہی اندر وہ شاعری کے فرے لے رہے تھے۔

علوم عربیہ کی تعلیم کے اثنائے علم سنی و بیان اور ادب کی تحصیل اور اس کے
 نیکات کے حل کرنے اور موٹنگا فیاں کرنے میں زیادہ نام پایا۔ علم ادب کے استاد مولوی
 تراب علی صاحب کہتے تھے کہ ادب کا امیر مامور کامل ہے، کچھ شک نہیں کہ شاعر کی طبیعت
 قدرت الہی کا منظر ہوتی ہے اور اس پر انوارِ قدس کے تجلیات روشن ہو کر ایک خاص
 قسم کا سوز و گداز پیدا کر دیتے ہیں جبکہ وہ جسے جذبات باطنی کا اظہار شعر گوئی کی طرف
 کھینچ لیتا ہے۔ پہر اس پر طرہ یہ کہ لکھنؤ کی آب و گل میں مذاق سخن پڑا ہوا تھا احمد شاہی
 شاعری بھی ہر وغیرہ اور اوج کمال پر تھی اور نظم میں دیا بہا بنو الے چاروں طرف نظر آتے
 تھے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کو یکساں مذاق تھا اور بادشاہ سے لیکر معمولی شخص تک شعر گوئی کا
 والد و شیدا تھا۔ مرید براں حکومت کی قدر دانی اور سونے پر سہاگے کا کام کر رہی تھی
 اور استیر۔ وزیر۔ انیس و دبیر وغیرہ کی موجودگی نے شاعری کے جسم میں تازہ روح
 پہونک دی تھی خود امیر مرحوم کے والد اور بہائی شعر کہتے تھے ایسی حالت میں امیر کا
 اس کم عمری میں شعر کہنا کچھ تعجب کی بات نہ تھی۔

اگرچہ امیر پوشیدہ طور پر ابتدا میں شعر کہتے تھے اور کسی کو سناتے نہ تھے لیکن یہ بتا
 پوشیدہ کیونکر رہ سکتی تھی۔ شدہ شدہ ان کے والد ماجد کو خبر ہو گئی چنانچہ ایک رات
 جبکہ گرمیوں کا زمانہ تھا اور چاندنی کھلی ہوئی تھی ان کے پیرانہ سال والد عشا کی نماز
 پڑھ کر نماز پر لیٹ گئے۔ سعادتمند بنیا پاؤں دبار ہا تھا۔ والد نے شفقت سے پوچھا کہ
 میاں امیر میں نے سنا ہے کہ تم شعر کہتے ہو میں بھی تو سنوں کہ کیسے شعر کہتے ہو۔ امیر نے
 شرم سے انکار کیا مگر اوسر سے اصرار ہوا۔ بالآخر صبر ادب یہ شعر پڑھا اس وقت آپ کی
 عمر نو بیس کی تھی۔

ابرا آتا ہے ہر بار برستا نہیں پانی
اس غم سے مرے آنسوؤں کی ہے یہ دانی

والد بزرگوار ہونہار بیٹے کی طباعی کا اندازہ کر کے دل میں تو ضرور خوش ہوئی ہونگے
مگر بہت دیر تک نصیحت کرتے رہے کہ بیٹا ابھی پڑھنے لکھنے کا وقت ہے علم و فضل
حاصل کرو تاکہ خاندان کی عظمت قائم رہے۔ بعد فراغ تحصیل جیب جی چاہے شعر
کہہ لینا۔ سعادتمند بیٹے نے سکوت اختیار کیا مگر فطرتی جوش کہیں روکے ہوئے نہ تھا
زمانہ تحصیل علم ہی میں انہوں نے اس فن میں بڑی حد تک ترقی حاصل کی اور اس قدر ترقی
ذوق کا یہ نتیجہ تھا کہ ایک طرف تو امیر مرحوم تحصیل علم میں مصروف تھے دوسری طرف شعر گوئی
کا مشغلہ ترقی استعداد کے ساتھ بڑھتا گیا مولوی فضل حسین فتحپوری کے مشاعروں میں
آزادی کے ساتھ شریک ہونے لگے۔ مشاعروں میں امیر کے کلام نے بڑا نام پایا اور
مہر و لغزینی حاصل کی۔ اس مشاعرہ میں اکثر ذی استعداد اور کالین فن شریک ہوا کرتے تھے
درحقیقت امیر مرحوم کی شاعری کی ترقی کا آغاز یہیں سے ہوا اور ان کے اشعار کی
چاروں طرف سے تعریفیں ہونے لگیں اور میں پچیس شاعر ان سے کلام میں اصلاح
لینے لگے۔ آپ نے اپنا تخلص اپنے نام کے ایک جز کو کیا تھا جسکو وہ بہت پسند کرتے
تھے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نام کا نام تخلص کا تخلص ہے امیر یہ بڑا حسنِ خدا و امرے نام میں
ایک غزل کے مقطع میں حضرت نے اپنا پورا نام نظم کیا ہے۔
پیاں اسکی جو سمجھ گی تو منے کوثر سے ظرف عالی ہے امیر جسے دنیا کی
ایک اور شعر میں بطور سجع کے اپنا نام موزوں فرمایا ہے۔

اے امیر احمد مرسل کے جو ہیں چار وزیر چار یاری ہوں مجھے ہیں یہ برابر چال
 اتیر کی یہ خدا داد ذہانت اور فطرتی موزونیت تھی کہ وہ اس وقت تک بغیر کسی استاد
 اصلاح لئے مشاعرے میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اب تک انہوں نے کوئی اتنا منتخب کیا تھا
 لیکن شوقِ ترقی سخن نے انہیں ترغیب دلائی کہ کسی استاد سے اصلاح کلام کی درخواست
 کرنا چاہئے۔ چنانچہ قدیر الدولہ مدبر الملک سید مظفر علی خاں بہادر اسیر کے سامنے اپنا
 کلام اصلاح کیلئے پیش کیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اسیر نے استاد کا کلام اور ان کی
 قابلیت اور ان کے طریقِ اصلاح کو دیکھ کر اپنی استادی کے لئے انہیں منتخب کیا تھا
 جیسے جیسے وہ اپنے کلام میں اصلاح لیتے گئے یہ انتخاب قابلِ قدر ثابت ہوتا گیا۔

حضرت اسیر نے ہونہار شاگرد کی طرف نہایت توجہ کی اور ان کی ذہانت اور
 طباعی کے گرویدہ ہو کر بزرگانہ شفقت کے ساتھ اصلاح دینے لگے جب اسیر سا
 قابل شاگرد ملے اور حضرت اسیر سا استاد جو مراتب تحقیق میں کمال رکھتا ہو تو شاگرد
 کے کلام میں استاد کی اصلاح ایسی ہوتی ہے جیسے سر و صنوبر کی پیرائش کے لئے
 باغیاں کی دالانظر ہی۔ یا چمن شاداب کی نشوونما کے واسطے ابر بہاری کا ترشح یا
 آئینے کی جلو کے لئے عقیق چنانچہ روز بروز کلام میں فرق نظر آئے لگا پہلی غزل جو
 استاد کے سامنے بضر اصلاح پیش کی گئی اس کا مطلع یہ ہے۔

دل میں اپنے جب خیال زلفِ ہماں ہو گیا

آنکھ میں خواب پریشاں سنبھلتاں ہو گیا

اسی مروجہ بیان کرتے تھے کہ جناب اسیر نے غزل دیکھ کر فرمایا کہ سب شعر
 اچھے ہیں۔ اصلاح کی حاجت نہیں مجھے ان کے فرمانے سے بجائے خود یہ گمان ہوا کہ

ان اشعار میں تصرف کی گنجائش نہیں ہے مگر اس پر بھی میں نے استاد سے اصرار کیا تھا کہا کہ آپ اس میں اصلاح دیں۔ وہ میرے خیال کو سمجھ گئے اور اکثر شعروں میں ایسا تصرف کیا جسکی امید مجھے ہرگز نہ تھی۔

اس موقع پر امیر مرحوم کو ایسا خیال جو پیدا ہوا اسکی دو وجہیں تیار کیا جاسکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ غزل پیش کرنے سے پہلے اہل سخن سے اپنے کلام کی داد پا چکے تھے دوسرے یہ کہ استاد کا فرمانا کہ اصلاح کی حاجت نہیں دال تھا کہ کلام میں سقم نہیں مگر استاد کی نظر تحقیق نے شاگرد کے اصرار سے اپنا پایہ استاد کی دکھا ہی دیا۔

امیر کی استاد کی اصلاح سے امیر کا کلام بقدر چمکا اُس کے بیان کرنے کی مطلق حاجت نہیں مگر چونکہ وہ پہلے پہل اصلاح کے لیے آمادہ ہوئے تھے اور کبھی کسی استاد سے مشورہ نہیں کیا تھا اسلئے اصلاح کلام کے حسن و قبح سے ماہر نہ ہوئے تھے۔ جوش طبیعت سے جو کچھ کہتے تھے۔ اُنکے الفاظ اور معانی کی صحت کا اندازہ علمی مہلوس کرتے تھے مگر نشست الفاظ۔ ایک لفظ کی ترقی اور دوسرے لفظ کا تنزل ترکیب کی خوبی وغیرہ کے اندازہ کرنے کا موقع نہ آیا تھا اور جیسا کہ ایک ذہین اور لائق شاگرد کا طریقہ ہوتا ہے استاد کی ہر بات پر بجائے خود غور کرتے اور اُنہیں باریکیاں نکالتے تھے۔ چنانچہ امیر نے استاد کی اصلاح اور اصلی اشعار کو اپنے طور پر جانچا۔ جس میں کسی جگہ امیر کے تصرفات کو ناپسند کیا۔ اس بارے میں امیر مرحوم کا بیان حسب ذیل تھا۔

”میری پہلی غزل میں جو اصلاح ہوئی سب تصرفات مجھے پسند نہ آئے

میں بخوبی تصرف کی نسبت کچھ کہنا چاہا اس پر جناب امیر نے فرمایا کہ تم اصلاح کلام جمع کرتے جاؤ چند روز کے بعد اس پر نظر دینا

اور کوئی مشبہ پیدا ہو تو مجھ سے دریافت کر لینا میں نے اسی پر عمل کیا
اصلاح لیتا رہا۔ اور اُس کو رکھنا گیا۔ ایک عرصہ کے بعد اُن تصنیفات
دیکھا تو ایک ایک لفظ پر جی لوٹ گیا۔“

اُس زمانے میں جو لوگ ممتاز اور سربراہانِ شاعرانہ جاتے تھے اُن میں خواجہ
وزیر نہایت موقر تھے۔ قاعدہ ہے کہ ہم فن اور ہم مذاق ہی کی صحبت پسند کی جاتی ہے
امیر مرحوم بھی ابتدا ہی سے خواجہ وزیر کے پاس اکثر نشست برخواست رکھتے تھے
اول تو خواجہ وزیر یا کمال شاعر تھے دوسرے یہ کہ اُن کا مکان بھی قریب ہی تھا
یعنی ہم محلہ تھے۔

کبھی کبھی امیر مرحوم خواجہ صاحب کے سامنے اپنا کلام بھی پڑھتے تھے۔ خواجہ صاحب
اُن کی ذکاوت اور طباعی کے دلدادہ ہو گئے۔ بعض اوقات بطور پیشین گوئی کہتے تھے
کہ یہ تھوڑے ہی زمانے میں شاعری کی دنیا کو آباد کریں گے اور اپنے انخوان پر گویے
سبقت یجائیں گے۔

خواجہ وزیر کی خواہش تھی کہ امیر مجھ سے تلمذ اختیار کریں۔ مگر خواجہ صاحب کا
طریقہ اصلاح اچھا نہ تھا۔ وہ بجائے اشعار درست کر نیکی بیشتر خود اشعار کہنے
غزل میں شامل کر دیتے تھے۔ اس طریقہ اصلاح کو امیر مرحوم نے پسند نہ کیا۔
امیر جب حضرت امیر کے شاگرد ہوئے تو خواجہ وزیر نے بزرگانہ شکایت کی کہ
تم نے جو گرم طبیعت اور بلند خیال پائی ہے اُس کا مقتضی یہ نہ تھا کہ تم امیر کو
اپنا کلام بغرض اصلاح دکھاؤ مگر امیر مرحوم تو بجائے خود پہلے ہی اس کا فیصلہ کر چکے تھے۔
اس گفتگو سے اُن کا خیال کیوں کر پلٹ سکتا تھا وہ اس کا امتحان کر چکے تھے کہ امیر کا

مرتبہ شاعری کیسا ہے۔ علمی سرمایہ اور فضل و کمال کی کیا شان ہے اور استاد کی محققانہ شعرو سخن میں کہاں تک بڑھی ہوئی ہے۔

ایک مشاعرہ میں خواجہ وزیر اور حضرت امیر بھی موجود تھے امیر نے یہ شعر پڑھا
دل ہی نہ رہا امیر کیسی
جرگٹ گئی محفل آرزو کی

اس شعر پر امید سے بڑھ کر امیر مرحوم کو داہلی خواجہ وزیر اس شعر کو سن کر بے انیتانہ بول اٹھے ”امیر بڑے خوش نصیب ہو خوب اسیر کیا“

استاد نے ڈیڑھ دو برس کے بعد اصلاح کی قید اٹھادی تھی مگر امیر مرحوم باصرار برابر اپنا کلام دکھاتے رہے۔ اور جب تک حضرت امیر زندہ رہے یہی عمل جاری رہا۔

تدبیر الدولہ حضرت امیر شاہ اودہ کے میرنشی خاص یا پرایوٹ سکریٹری تھے۔

اور مصاحب بھی تھے۔ اب امیر مرحوم اکثر اوقات انہیں کی خدمت میں رہنے لگے

جتنی فرصت بڑھی اتنی ہی مشق سخن میں ترقی ہوئی بہت سادقت تحقیق رموز فن میں

صرف ہونے لگا اور استاد کے ساتھ فتح الدولہ برقی۔ آفتاب الدولہ قلق مقبول الدولہ

مقبول سے بھی صحبتیں گرم ہونے لگیں۔ یہ سب شعراے نامور خوش لیاقت خوش فکر۔

بالانشین دربار و اجد علی شاد تھے۔ اب امیر کی شرکت مشاعروں میں حوصلے اور دعوے

کیساتھ ہونے لگی۔ ہر باہمی ارادہ ہوتا تھا کہ مشاعرہ ہمارے ہاتھ رہے۔

طہر الدولہ نواب علی اصغر خاں کے مکان واقع سرائے موالی خاں پر جلسہ شعرا

اکثر رہتا تھا۔ حضرت امیر اکثر وہاں بیٹھا کرتے تھے اور اپنی غزلیں پڑھ کر مورد تحسین و

آفریں ہوتے تھے، اسی جلسہ میں پڑھی ہوئی ایک غزل کی بید تعریف کی گئی جس کا مطلع یہ ہے۔

بہار آئی عجب حالت ہے ان روزوں مکرمل کی
جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منبت ایں غنادل کی

دوسرا مشاعرہ نہایت اہتمام اور دہوم و ہام سے نواب غضنفر الدولہ بہار
داماد نواب محمد علی شاہ کے مکان پر منعقد ہوتا تھا اور اس میں بھی اکثر شہر کا بیک
طرحی غزلیں سناتے تھے۔ اُسی مشاعرے کی غزل کا مصرع طرچ یہ ہے
بڑی سکڑ میں پہونچے بڑے دربار میں آئے۔

امیر کی طباعی۔ ناز کنیالی۔ معنی آفرینی اور قدرتِ کلام نے اُس وقت کے نامور
شعر کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور شعر کے حلقہ میں انکی قدر بڑھتی گئی۔
مرزا رجب علی بیگ سرور مصنف فسانہ عجائب امیر کے گہرے دوست تھے۔
اکثر مرزا صاحب کے مکان پر امیر کی نشست و برخاست رہتی تھی بنشی سلیم ازہا
صاحب خواہر زادہ امیر منیائی بیان کرتے تھے کہ میری عمر اُس وقت گیارہ برس کی ہوگی
میں بھی اکثر حضرت امیر کے ہمراہ سرور کے مکان پر جاتا تھا اور شعر و سخن کے تذکرے
ہوتے تھے۔ رجب علی بیگ سرور اُسی زمانہ میں فسانہ عجائب کی تالیف میں مصروف
چنانچہ جس قدر وہ روزانہ لکھتے تھے امیر صاحب کو سنایا کرتے تھے۔

مشاعرے میں امیر کا معمول تھا کہ طرحی غزل کے علاوہ ایک غزل غیر طرچ پیش خوانی
میں پڑھتے تھے۔ نسیم دہلوی کے فرزند نے یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ جس زمین میں امیر
پیش خوانی کی غزل پڑھتے اُسی زمین میں وہ بھی غزل کہتے اور آئندہ مشاعرے میں
پڑھتے۔ دیر تک یہ سلسلہ قائم رہا امیر کو ناگوار ہوا اور ناگوار ہونے کی بات ہی تھی
آپ نے اپنے استاد سے اس کا ذکر کیا انہوں نے رُے دی کہ تم ایک ہی زمین میں

مسلل غزل پڑھتے جاؤ دیکھو وہ کہاں تک چلتے ہیں غرض امیر نے ایک طرح میں کئی ہوشمر کھ لیے اور ہر مشاعرے میں ایک ایک غزل پڑھنی شروع کی دو تین مشاعرے تک تو نسیم کے صاحبزادے نے بدقت و ضعداری کو نبایا۔ آخر معذرت کی اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ شیخ ناسخ انتقال کر چکے تھے۔ آتش موجود تھے لیکن انہوں نے گوش نشینی اختیار کر کے شاعری ترک کر دی تھی۔ البتہ شیخ ناسخ اور آتش کے نامور شاگرد چمنستان سخن کی آبیاری کر رہے تھے۔ دوسری طرف مرزا دبیر اور میر انیس کی مقابلتہ مرثیہ گوئی تمام اہل سخن کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے تھی۔ انیس دبیر کی معرکہ آرائیاں شہر موجودہ کے شوق سخن کو اور تیز کر رہی تھیں۔ اُس وقت اکثر غزل گو شعرا نے مرثیہ میں تو قدم نہیں رکھا مگر واسوخت کی تصنیف میں طبع آزمائی کی ان میں سے ہر کے کئی داستانِ خوب خاص طور پر پسند کئے گئے۔ حضرت اسیر نے لوگوں کی فرمائش سے مرثیہ کی طرف توجہ کی۔ بہت سے مرثیہ کھ ڈالے مگر رکھا ایک بھی نہیں۔ امیر نے بھی نہایت دہوم کے واسوخت تصنیف کئے چنانچہ سات واسوخت یکے بعد دیگرے انھوں نے کہے جن میں سے چھ واسوخت مطبع نو لکھنؤ میں طبع ہوئے ہیں۔ پانچویں واسوخت میں امیر نے سراپا لکھنے میں کمال دکھایا ہے اور ایک بندوبنی و ابرو کی تشبیہیں ایسا کہا کہ تمام معاصرین حسین مرجا کھ اٹھے۔

اس اُست کے قبل صرف لہجہ بیہی مینی و ابرو کی کہی گئی تھیں ایک تو مرزا دبیر نے کہی تھی اور دوسری میر انیس نے۔

مرزا دبیر کا مضمون یہ ہے کہ ایک علم ہے اور اُس کے ادب و دولواریں آویزاں ہیں۔ قاعدہ ہے کہ بعض بڑے علم جو نکالے جاتے ہیں اُن کے سرے پر دو جانب دولواریں

آویزاں کیجاتی ہیں اور میر انیس نے کہا ہے کہ بینی ایک روشن شمع ہے اور کوہِ زلف ہے جب ہوا آتی ہے تو اس سے شمع کی لوکھی ادھر جھک جاتی ہے اور کبھی ادھر یعنی شمع کی لوکا دو جانب جھکنا ابرو کی صورت پیدا کرتا ہے۔ بہت ہی ناز کنیالی کی گئی ہے۔

ان دونوں شبیہوں سے جدا گانہ پہلو امیر نے نکالا ہے۔

چاندنی رات ہر افشاں سی دکھائی دیا
دیکھنے ہوں جسے تارے وہ کرے خوب نگاہ

ایسا مضمون بند ہے ابرو بینی کا کدواہ
زوتیں بجنے لگیں سب کہیں جہاں لند

واہ کیا شکلیں ہیں قابل ہیں یہ تصویر رک
دیکھو نکلی ہے زچہ سائیں شیشیوں کے

یہ ایک قدیمی رسم ہے کہ زچہ جب اول اول زچہ خانے سے تاروں کی چھاؤنیں باہر نکالی جاتی ہے تو دونوں طرف سے اسپر برہنہ تلواروں کا سایہ کیا جاتا ہے۔

گویا بینی ایک زچہ ہے اور دونوں ابرو تلواریں ہیں کہ بینی کو اپنے سائے میں لئے ہوئے ہیں۔

اس عجیب و غریب تشبیہ کی ہر طرف سے داد دی گئی۔ چنانچہ میر انیس تک جب یہ بند پہونچا تو وہ امیر کی طباعی اور نازک خیالی کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوئے کہ پھر ایک عزیز کو امیر کے مکان پر بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ اب تک صرف دو تشبیہیں ہوئی تھیں ایک مرزا دیر نے کہی تھی اور ایک میں نے مگر آپ نے جو جدید اور نازک تشبیہ پیدا کی ہے اس پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس سیر مرحوم واجد علی بادشاہ کے سکرٹری اور ان کے مصداق خاص تھے۔ امیر کی گرما گرم طبیعت کو دیکھ کر انھوں نے خیال کیا کہ دربار شاہی میں امیر کو لیجانا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے امیر سے اس کا ذکر کیا کہ کوئی قصیدہ مدحیہ تیار کر لو تو

میں تم کو بادشاہ کے پاس لے چلوں گا۔ امیر نے اس گفتگو کے قبل بھی چند قصاید اور مسدسات مدح میں کہے تھے اور ایک فارسی کی نہایت لطیف اور عجیب صنعت کی مثنوی بھی تھی کہ کہیں الفاظ کے نیچے نقطے ہیں اور ہیں سلسل اور پری نقطے ہیں کہیں ہر صبح یارِ خج پرستل ہے کہیں اشعار منقوط ہیں کہیں غیر منقوط۔ مگر کسی کے پیش کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔

اس موقع پر امیر نے بجائے قصیدہ کہنے کے کبوتر نامہ لکھا کیونکہ وابد علی شاہ کو کبوتروں کا نہایت شوق تھا۔ الغرض امیر اپنے لایق شاگرد کو ایک روز قیصر باغ میں کہ شاہی جلوہ گاہ تھا لیکے یہ واقعہ ۱۱۹۹ھ کا ہے۔ امیر مرحوم بیان کرتے تھے کہ یہ گریسوں کا جہینا تھا دیوان عام میں جس کو مصاحب منزل کہتے تھے پہونچ کر استادا اور میں دونوں ٹھہر گئے اور استاد نے شاہی خواجہ سرا کو بلوا کر کچھ کہا تھوڑی دیر کے بعد خواجہ سرا پھر آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ چلئے جہاں پناہ یاد فرماتے ہیں۔ میں کچھ خوف زدہ کچھ متحیر کہ یہ پہلا موقع ہے ایسا نہو آداب شاہی کے خلاف کوئی بات نہ بجا خواجہ سرا کے ساتھ چلا۔ امیر اُسی جگہ ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد کئی درجے طر کر کے میں ایک نہایت عالیشان کمرے میں پہونچا جہاں کہ شاہ اودہ با جاہ و جلال جلوہ افروز تھے وہ ایوان فلک نشان ساون بہادون کے نام سے موسوم تھا؛ اس کی چھت سے ننھی ننھی پھوہار پڑتی تھی۔ برسات کا سماں تھا اور تمام مکان سرد ہو رہا تھا۔ سلطانی جلوہ گاہ کی آرائش و زیبائش ہل کا سامان اور ٹھاٹھ اور چمک دمک اور خدام ذکور و اناث کے زرق برق لباس غرض ایک ایسے برق سوز نظارے سے دفعۃً سابقہ پڑا کہ میری نگاہ خیرہ ہو گئی میں متحیر ہو گیا کہ کیا کروں اسنے میں خواجہ سرا آگے بڑھ کر باوا از بلند پکارا

”آداب بجالاؤ“ میں ہوشِ محاسن درست کر کے باقاعدہ آداب بجالایا اور بڑھ کر نذر پیش کی۔

بادشاہ نے ارشاد کیا کہ تمہارا ہی نام امیر ہے۔ میں نے دست بستہ عرض کیا جہاں پناہ فقیر ہی کو امیر کہتے ہیں اسکے بعد کبوتر نامہ جو خوشخط لکھا ہوا پاس موجود تھا ادب سے پیش کیا بادشاہ کبوتر نامے کو لے کر نہایت خوش ہوئے اور کچھ دیر تک اس کو ملاحظہ فرماتے رہے اور حکم دیا کہ محلے میں خلعتِ فاخرہ عطا کیا جائے چنانچہ مجھ کو خلعتِ محبت عطا ہوئی جس میں ایک پالکی بھی تھی اس آداب بجالا کر رخصت ہوا۔

اس وقت امیر کی عمر پچیس برس کی تھی اور یہ دربار میں حاضر ہونے کا پہلا موقع تھا۔ اس باریابی کے چند دن بعد بادشاہ نے امیر کی لیاقت اور شاعری سے خوش ہو کر فرمایا کہ شہزادہ نادر مرزا کو تعلیم دیں۔ چنانچہ منشی سلیم الزماں صاحب بیان کرتے تھے کہ شہزادہ کی تعلیم کے لئے عشقِ منزل میں قیام تجویز ہوا تھا۔ میں بھی دس پانچ مرتبہ ساتھ گیا ہوں۔ امیر نے شہزادہ کو پڑھانے کے لئے انشائے نادر کی لکھی تھی۔

واجد علی شاہ کے دربار کی رسانی اور شاہی تعلقات نے ان کی شہرت اور نامور کی اور چار چاند لگا دیے۔ ان کی وقت تمام مقربان شاہی اور امراء ملک میں بڑھ گئی اور ہر جگہ وہ عزت و توقیر کے ساتھ لئے جانے لگے۔

عشقِ منزل میں شہزادہ کو تعلیم دینا شروع کیا تھا کہ امیر کو شاہی فرمان ملا کہ جاں پکھری (عدالت دیوانی) تمہارے متعلق کی گئی۔ چنانچہ وقت معینہ پر تعلیم دینے میں مصروف رہے اور عدالت کا کام بھی انجام دیتے تھے۔

اگرچہ امیر منیائی نے اب دنیا کے کاروبار میں قدم رکھا تھا اور ملازمت مٹا کر

اُن کو بہت کچھ سیدم الفرصت کر دیا تھا لیکن تصنیف و تالیف اور شعر گوئی کا مشغلہ اُنکی ذوق و شوق اور سرگرمی کے ساتھ جاری رہا جیسا کہ پہلے تھا۔

اس کے علاوہ انھوں نے شاہ اودہ کی ایک کتاب مہر مہوم بہ موت المبارک کی شرح لکھی اور اس کا نام نمونہ قدسی رکھا۔ یہ گراں بہا تالیف پیشاہ شاہی میں بہت پسند کی گئی۔

مطالعہ کتب میں امیر کا بیشتر وقت صرف ہوتا تھا وہ ان تمام کاموں کے ساتھ سنکرت کا مطالعہ بھی کرتے تھے اور اس میں اس قدر معلومات مہیا کی تھی کہ سنکرت کے استادوں کے کلام کی ایک شرح بھی انھوں نے اردو میں تالیف کی۔ ساتھ ہی ساتھ شعر و سخن کا مشغلہ بھی جاری رکھا اور اب کہ دربار شاہی کے متہملین میں شمار ہوتے تھے کوئی مشاعرہ لکھنے کا ایسا نہ تھا جس میں وہ نہ بلائے جاتے ہوں۔

باوجود اس اعزاز کے امیر کے درویشانہ عادات و خصائل میں جو انہیں درویشین طے تھے کوئی فرق نہیں آیا۔ اور ریاضات روحانی کی مشق بھی جاری تھی۔ وہ اکثر متعابر اولیا پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ ردولی شریف میں سالانہ عرس حضرت شیخ احمد عابد الحق قدس سرہ کا نہایت دہوم و ہام سے ہوتا تھا وہاں امیر بنیالی بھی پابندی کے ساتھ ہفتہ عشرہ کیلئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ردولی کے مخدوم زادے شاہ محمود صاحب بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ امیر کی آمد کے نہایت مشتاق رہتے تھے اور عرس کے قریب آتے ہی اُن کے قیام کا عمدہ انتظام کرتے تھے جب وہ تشریف لاتے تو ہمارے اصرار سے شعر و سخن کا مشغلہ بھی ہوتا تھا اور ہمیں مصرع طبع بخیر کیا جاتا اور مشاعرہ ہوتا۔ اور ہم چند لوگ جو شاعری سے شوق رکھتے تھے امیر سے اصلاح لیتے تھے۔ امیر کی عزیزین

جگہ کس کا ہے اثر کس کا ہے اور نہ ہل جاتے چل جاتے رد و نی ہی کے مشاعرے کی ہیں
اور شاہ صاحب موصوف یہ بھی فرماتے تھے کہ امیر کی بہت سی غزلیں جو ہمارے سامنے
کہی تھیں دیوان میں نظر نہیں آتی غالباً وہ ہنگامہ غدر کے نذر ہوئیں چنانچہ غزل
انہیں کی ہے جو زبانوں پر ہے ۔

جتنا جی چاہے ستائے تم ایسا مجھے صریح تصویر ہوں آتی نہیں فرماؤ مجھے
مئے تربت پہ بہت روئے کیا یاد مجھے خاک اڑانے لگے جب کر چکے برباد مجھے
۱۷۱۲ء میں حسب الحکم شاہ ادوہ دو کتابیں امیر نے تصنیف کیں جن کا نام ہدایتہ السلطان
اور ارشاد السلطان ہے۔ جب یہ دونوں کتابیں بادشاہ کے روبرو پیش ہوئیں تو خوش ہو کر
شاہانہ نوازش مبذول فرمائی اور خلعت فاخرہ عطا فرمایا ۔

ایک دن بادشاہ نے سہ دربار امیر سے فرمایا کہ اس مضمون کا شعر فی البدیہہ کہو :
” معشوق نے میری تواضع حق سے کی اور

رتیب کو جوہر دیا کیا بے انصافی ہے“

امیر نے اسی وقت فکر کی اور یہ قطعہ موزوں کر کے سنایا یا جس پر بڑی
تحسین و آفرین ہوئی ۔

قطعہ

مجھ کو حشہ دیکے ٹالا غیر کو جوہر دیا دیکھتا جاؤ مہر سے دہم باز اپنی طہر کو
کس کا حصہ دیدیا کس کو ذرا انصاف کر دو دو بے حلوا مجھے حلوا سے بے دوداد کو

بادشاہ ایک روز کئی (ایک قسم کا حق) پی رہے تھے۔ امیر سے ارشاد ہوا کہ کلی کی تعریف
یہ کہہ کر بے شعر ہونا چاہیے۔ امیر نے فی الفور تمہیل ارشاد کی اور یہ قطعہ پیش کیا۔

قطعہ

ساتھ پھول سے کیا کام لگے ہیں جسکی بومہری نشہ مل کر ہے
 دیکھنے میں تو ہر اک شاخ گروہ و کشاخ دہن تنگ کو غنچہ کبھی گل کرتی ہے
 امیر مینائی کے لئے اب پریشانی کا وقت آتا ہے یعنی انتراج سلطنت اودہ کی
 کارروائی اسی سال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے عمل میں لائی گئی اور اس کا نتیجہ
 ہوا کہ تمام مقربان و متوسلان شاہی شہر ہو گئے۔ بہت سے لوگ تو مغول شاہ کے ساتھ
 کلکتہ چلے گئے اور بہت رنگے۔ اس واقعہ قیامت خیز سے امیر بھی بہت متاثر ہوئے
 اسکے بعد ہی ۱۷۵۷ء کا غدر شروع ہوا اور اسکی چنگاریوں نے تمام ہندوستان میں
 آگ لگا دی۔ لکھنؤ بھی کہ اس وقت واجد علی شاہ کی معزولی پر ماتم کدہ تھا بانیوں کے
 زیر اثر آگیا اور اس کا نتیجہ لکھنؤ کی عام بربادی اور تباہی ہوا۔
 اس طوفان غدر کے برپا ہوتے ہی لکھنؤ کے باشندے متفرق ہونے لگے اور
 اکثر اپنی حفاظت کے لئے جدھر موقع ملا چلے گئے۔ چنانچہ امیر مینائی نے بھی سرسنگی
 کی حالت میں مکان اور اثاثا البیت کو چھوڑا۔ اور سب مرد و زن کسی گاؤں میں
 چلے گئے اور غدر کے فرو ہونے تک وہیں قیام پذیر رہے۔
 جب غدر کا انداد اور قیام امن کی خبریں چاروں طرف پھیل گئیں تو بھاگے ہوئے
 لوگ اپنے اپنے مکانات کو واپس آنے لگے۔ مگر امیر مینائی سید ہے کا کوری گئے اور
 وہیں ٹھہر گئے کا کوری سے ایک دن اپنے مکان کی حالت دیکھنے لکھنؤ آ کر دیکھا
 ہیں کہ تمام محلہ مینا بازار میں آگ لگی ہوئی ہے اور مکانات جل رہے ہیں۔ ان کا مکان
 بھی جل کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ امیر کا بیان حسب ذیل ہے۔

” اُس مام تباہی اور بربادی میں خاص اپنی مصیبت اور گھر کے جل جانے کا “
 ” خیال میں نے نہیں کیا۔ البتہ مجھے اس کا جہد قلق ہوا کہ یہ ایک قلی دیوان جو بہت “
 ” خوشخط اور مطلقاً و مذہب تھا اور متعدد تصانیف کے قلمی نسخے ضائع ہو گئے گا اس امید پر “
 ” کہ شاید کوئی صندوق محفوظ رہا ہو تلاش کرنے لگا۔ ایک ذمیر کے نیچے چند سودا گنا “
 ” پلندہ ہاتھ آیا جو بالکل منتشر اور خراب ہو گیا تھا۔ اُسی کو لے کر کفن افوسس لے آیا “
 ” در کا کوری واپس ہوا۔“

کا کوری میں ایک برس قیام رہا اور یہاں شاہ تراب علی صاحب شیخ وقت اور ان کے
 صاحبزادے مولانا تقی علی صاحب سے کہ فاضل اجل اور عالم باطل تھے صحبت رہی۔ ان کے
 علاوہ مولوی محمد محسن صاحب کا کوری مرحوم لغت گوئی میں بڑی انہارت رکھتے تھے اور شعر و سخن کا
 آنکھ نہایت شوق تھا ان کے ساتھ مشغلہ شاعری ہوتا رہا۔ مولوی محمد محسن صاحب کی صحبت سے
 امیر کو بہت لطف آیا اور امیر کی صحبت سے مولوی صاحب موصوف کو دلچسپی رہی۔

مولوی محمد محسن صاحب صرف لغت شریف کہتے تھے جس میں تباہی دہلی و فیض حضرت
 رسالت پناہی ایسی ناز کنیالی اور بلندی دکھائی کہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی تھی
 اسی زمانہ میں محسن مرحوم نے شہیدی کے اس مشہور قصیدے پر سحر عجب ڈھب یاد تھا
 روح الامین کو بھی خوشامد کا۔ بڑے زور کا قصیدہ کہا کہ زمین شعر کو عرش پر پہنچا دیا۔ امیر نے
 اُس قصیدے پر مصرع لگا کے محسن کیا اور حق یہ ہے کہ ایسے بلند قصیدہ نعتیہ پر مصرع لگانا
 امیر ہی کا کام تھا مولوی محمد محسن صاحب امیر کی قوت فکر پر پاش پاش کر گئے اور کہا کہ
 آپ کے مصرعوں سے میرے قصیدے کی شان دو بالا ہوگی یہ قصیدہ (۱۰۵) شعر کا ہے
 اس کے بعد امیر نے اُس قصیدے پر خود قصیدہ کہا۔ ظاہر ہے کہ شہید سدی اور مولوی

محمد محسن کی فکر کے بعد اس زمین میں گنجائش ہی کیا رہی تھی مگر امیر کی طبع رسا نے ایسی خواہی کی کہ بحرِ معانی سے اپنے حصے کے موتی نکال ہی لیے امیر کا قصیدہ (۱۲۸) شعر کا ہے۔ اور پھر اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ ایک دو غزل بھی اسی زمین میں کہا۔ مولوی صاحب موصوف کہتے تھے کہ امیر صرف شاعر ہی نہیں ہیں بلکہ موبدِ من الشدیں اور یہی قول مولوی محمد محسن کی نسبت امیر کا تھا۔

امیر مینائی کا کوری میں تقسیم تھے کہ راجپور سے منجانب نواب یوسف علی خاں بہادر اُن کی طلب ہوئی اور وہ راجپور کو روانہ ہوئے اس طلبی کے وجہ یہ تھے کہ جنت آرا مگاہ نواب محمد سعید خاں والی راجپور ایک زمانہ میں عرصہ تک لکھنؤ میں رہے تھے اور اُن کے ساتھ اُن کے صاحبزادے نواب یوسف علی خاں بھی تھے جنکی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی مولوی کرم محمد صاحب والد ماجد امیر مینائی اُن کے استاد تھے اور انہیں نے کتبِ درسیہ کی تعلیم دی تھی جب نواب یوسف علی خاں بہادر سالہ میں سربراہِ آراء حکومت ہوئے تو اُن کو شاعری کی طرف رجحان پیدا ہوا اُستادی کے لئے مرزا غالب کو انتخاب کیا مرزا غالب کبھی دلی میں رہتے تھے اور کبھی راجپور آتے تھے۔ ایک وقت مومن مرحوم بھی راجپور میں وارد ہوئے تھے اُن کی شاعری کو بھی نواب یوسف علی خاں بہادر نے بہت پسند کیا اور انکو بھی کچھ کلام دکھایا۔ غالب کو اس کے بعد منتخب کیا تھا۔

اسی اثناء میں امیر کی شاعری کا غلغلہ راجپور تک پہنچا۔ نواب صاحب کو تفتیش ہوئی کہ یہ امیر کون ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ امیر مولوی شیخ کرم محمد صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ نواب صاحب نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تو ہمارے استاد زاد ہیں۔ بھلو انہیں کے والد بزرگوار نے تعلیم دی ہے۔ ہمارا اُن پر حق ہے اور اُن کا حق

ہم پر ہے۔ العرض نواب صاحب موصوف کا طلب کرنا امیر کے لئے بشارتِ غیبی ہوا اور یہ بڑی خوشی کے ساتھ رامپور شریف لے گئے اسوقت امیر کی عمر تیس سال کی تھی اور ۱۲۵۵ھ آ کر تھا۔

جب امیر مرحوم وارد رامپور ہوئے اور شرف باریابی بندگانِ حضورِ محال کیا تو نواب صاحب نہایت مخطوط ہوئے اور فرمایا کہ آپ کیا ملے گویا میرے استاد ملے یہ اشارہ تھا امیر کے والد مغفور کی طرف۔ امیر نے مدح میں ایک قصیدہ سنایا۔ نواب صاحب بہت تعریف کی اور فرمایا کہ میں کج ہی سے اس کے صلہ میں عدالت دیوانی کا حاکم اعلیٰ یعنی مفتی مقرر کرتا ہوں۔ علاوہ اس مغزِ عہدہ کے اپنا مصاحب بھی بنایا۔ العرض نواب صاحب کی طرف سے اس قدر معامات اور الطاف و عنایات ظہور میں آئے کہ انتزاعِ سلطنت لکھنؤ کے بعد جس قدر پریشانیاں امیر نے اٹھائی تھیں ان کی تلافی ہو گئی سرکاری مکان رہنے کو دیا گیا اور خدام و سپاہی مقرر کر دئے گئے مقصود یہ تھا کہ امیر لکھنؤ کو فراموش کر کے رامپور ہی کو اپنا مسکن بنائیں۔ اور یہی ہوا۔ امیر بنیادی عدالت دیوانی کے انفصالِ مقدمات میں نہایت تندہی کے ساتھ مصروف رہتے تھے اور وقتِ معینہ پر نواب صاحب کی مصاحبت بھی کرتے تھے۔

امیر نے دربار رامپور میں باریاب ہوتے ہی اپنے استاد امیر کو یاد کیا۔ یعنی نواب صاحب کی خدمت میں ایسی تحریک کی کہ انھوں نے امیر کی طلبی کا حکم فوراً جاری کر دیا۔ یہ گویا امیر نے حق شاگردی اپنے استاد کے ساتھ ادا کیا۔ اب کیا تھا امیر بھی رامپور آ گئے۔ شاعری کی صحبتیں گرم جوشی کے ساتھ ہونے لگیں۔ نواب صاحب نے اپنے کلام میں امیر سے اصلاح بھی لی۔ چنانچہ امیر مرحوم تذکرہ انتخاب یادگار میں

لکھتے ہیں۔

منشی مظفر علی صاحب اسیر کو آج لکھنؤ میں سجان جھراور دیکھتے دہریں
نواب موصوف کلام دکھانے لگے۔ پائیہ تاعری کو ایسا بلند کیا کہ روح القدس نے
بھی پسند کیا دو بار آپ کے تلخ افکار مطیع حسنی راہپور میں طبع ہوئے ہیں۔
اول مرتبہ دیوان مختصر جو صرف مرزا اسد اللہ خاں غالب دیکھا ہوا تھا چھپا ہوا
اور دوسری مرتبہ وہ کلام جو منشی مظفر علی صاحب اسیر کی نظر سے گزرا تھا
بھلاؤ اولین میں شریک ہو کر طبع ہوا ہے۔“

اسیر تو بالاستقلال مع متعلقین راہپور میں مقیم ہو گئے مگر اسیر مثل غالب کے کبھی راہپور میں
رہتے تھے اور کبھی لکھنؤ میں۔ چونکہ اسیر کا قیام راہپور میں مسلسل نہیں رہتا تھا لہذا کچھ دنوں کے
بعد نواب صاحب نے اپنے کلام میں اسیر سے مشورہ کرنا شروع کیا اس کا ذکر امیل اللغات
کے دیباچہ میں اسیر نے کیا ہے۔

”اس زمانے میں راہپور کی عدالت دیوانی مجھ سے متعلق تھی اور نواب“

”فردوس مکان اپنے کلام میں مشورہ بھی فرماتے تھے۔“

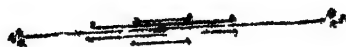
اسیر کے واسوخت ملاحظہ کر کے نواب صاحب کو بھی واسوخت کہنے کا شوق ہوا چنانچہ ایک
واسوخت بہاریہ انھوں نے کہا اور اسیر کو دکھایا۔ اس واسوخت میں اول بحر آخر گٹ
بہار کا تلازمہ باندھا ہے اور خوب بنا ہا ہے۔ حق یہ ہے کہ اسیر نے بھی اصلاح میں ایسی
توجہ کی کہ پورا واسوخت بہار کے سانچے میں ڈل گیا۔ نواب کا شوق اس سے اور
بڑھا۔ متواتر چار واسوخت کہے اور وہ چاروں مطبع نول ٹور لکھنؤ میں مجموعہ واسوخت
موسوم بہ شعلہ جو الہ میں طبع ہوئے جو قابل دید ہیں اور اسیر کے رنگ کی جھلک دکھاتے ہیں۔

نواب صاحب ممدوح سالہ ۱۲۸۱ء میں بجائے سلطان علیل ہوئے شوال کے مہینے میں
نوروز کے دن غسلِ صحت کیا اور باغ بے نظیر میں جشن منایا گیا۔ حضرت امیر نے غسلِ صحت
کے موقع پر یہ قطعہ پڑھا۔

شرفِ دہاں محرومِ بیاں عروجِ ماہِ دولت ہے عجب صحت عجب طبع عجیب شادی کی ساعت ہے
کے سالِ ہایوں ہاتھ آتا ہے امیرِ اسیا ہمینہ عید کا نوروز کا دن غسلِ صحت ہے
افسوس ہے کہ مرض کا استیصال اچھی طرح نہ ہوا تھا طبیعت پھر ناساز ہو گئی اور
۲۲ ذیقعدہ سالہ ۱۲۸۱ء مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء جمعہ کے دن ٹھیک بارہ بجے انتقال فرمایا۔
حضرت امیر پراس واقعہ کا جو اثر ہوا ظاہر ہے اور آپ نے اپنے جذبہ باتِ دلی کو
اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

در فراقِ ناظمِ معجز بیاں یوسف تھا جوشِ زرد سیلابِ غولِ از دیدہ گریبانِ من
تا بکِ دلِ فتنِ دولِ از دستِ دستِ نگار فتنِ او جملہ جسمِ زرد سر و سامانِ من
تیر و شد چو شامِ تا دمِ در نظائیں خالِ کلاں چاک شد مانند داماںِ بجِ دولابانِ من
شکرِ منتہائے ادایاں خود دانستہ ام ذکرِ اوتا بودہ ام بودستِ کند جانِ من
بسکہ از شو قناعمِ محشرے برپا شد است می شود شورِ قیامتِ ہر نفسِ زبانِ من
گریہ ام در ماتمِ تنگِ فراوانی گرفت می چکد طوفانِ نوح از گوشہ داماںِ من

بہر سالِ آن عزیزِ مصدّر لہا گفت امیر
مند آرائے جہاں شد یوسفِ دورانِ من



نواب کلب علیخان کی مسند آرائی

نواب یوسف علیخان نے وفات سے پہلے نواب کلب علیخان بہادر کو نصیحت کی تھی کہ اپنے دادا کے انتظامات کو بحال رکھنا جس کو ہم نے بحال رکھا ہے اور انکی وصیت کو پیش نظر رکھ کر نظم و نسق ریاست میں دخل دینا جس وقت میرا دم نکلے لاش چھوٹے صاحب (کاظم علیخان) کے سپرد کرنا اور تم فوراً مسند حکومت پر بیٹھ جانا۔ نواب کلب علیخان نے ایسا ہی کیا کہ جنازہ چھوٹے صاحب کے سپرد کیا خود مسند نشین ہو گئے اور چونکہ جمعہ کا دن تھا مسجد میں نماز پڑھنے چلے گئے، سید رحم علیہ صاحب پیش امام بنے ایسا عجرت انگیز خطبہ پڑھا کہ نواب کلب علیخان رو دئے، بعد ختم نماز جب ایوان حکومت میں تشریف لائے تو تمام اہلکاروں اور ملازموں کو جمع کر کے سب کی تشفی کی اور کوٹلیاں دلایا تاکہ کوئی پریشان نہ ہو۔ ۱۰ جون ۱۸۶۵ء کو مسٹر جان انگلس کیمینٹ نے رام پور آکر دیوان خاص میں گورنمنٹ کی جانب سے باضابطہ مسند نشین کیا اور حضرت امیر نے یہ قطعہ پڑھا۔

قطعہ تاج مسند آرائی

آفتاب سپہرِ حشمت نے تخت پر جب جلوس فرمایا
فرطِ بالیدگی سے وقتِ جلوس پایہ عرشِ تخت نے پایا

عرشیوں نے کہا مبارک ہو
 سایہ اس سایہ الہی کا
 تختِ دولت پہ ماہِ دولت نے
 مہر کا رنگ ہو گیا پھیکا
 نذر کو آسماں درِ انجم
 نور سے طور ہو گئی... کوٹھی
 کیوں نہ خوش ہوں محری مشرب
 اس سلیمان نے خلق سے اپنے
 جی اٹھا جس سے چار باتیں کہیں
 چھک گئے میکشانِ بزمِ سوال
 نئے سرے جواں ہوا اقبال
 بے یہ سرتاج تا جدِ ازل کا
 واقعی ہے ایسے سالِ جلوس
 فرشیوں کے سروں پہ یہ سایا
 ابرِ رحمت کی طرح سے چھایا
 مہر ہو کر جلوس مندرایا
 ماہِ کامل فلک پہ شربایا
 طبقِ ماہتاب میں لایا
 پر تو حسن نے یہ چہ کھایا
 عہدِ خلقِ محمدی آیا
 خاتمِ دلپہ نقش بٹھلایا
 رنگِ اعجازِ تازہ دکھلایا
 جامِ جو دو کرم جو چھلکایا
 نخلِ دولت مُراد پر آیا
 اس پہ اللہ کا رہے سایا
 دُورِ دُورِ فلاحِ خلقِ آیا
 ۱۲



نوابِ کلبِ علیاں بہادر کی مسندِ آرائی اور ملکِ موطنہ کے حضور سے جو خلعت
 گورنر جنرل کی معرفت آیا اُن دونوں موقعوں پر دو قصیدے حضرت امیر کے
 قابلِ ملاحظہ ہیں جو مرآۃ الغیب میں چھپ گئے ہیں۔

اب یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ نوابِ کلبِ علیاں بہادر نے اپنی ولی عہدی کے
 زمانے میں مفتی امیر احمد صاحب سے اپنے باورچی کے لئے سفارش کی تھی جس پر عدائیں



مقدمہ حاضر حضرت امیر نے بلحاظ روئداد مقدمہ فیصلہ بادرجی کے خلاف کیا اور دلی عہد صاحب نے سنا تو فرمایا کہ اچھا دیکھا جائے گا۔

حضرت امیر کو اس بات کا خیال رہا مندرجہ ذیل کے بعد حضرت امیر نے رام پور سے روانگی کی تیاری کی کہ یہاں قیام مناسب نہیں ہے۔ اسکی خبر کسی طرح نواب کلب غلغاں کو ہو گئی۔ حضرت امیر کو بعد مغرب بلا کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے آپ یہاں سے جارہے ہیں اس کا کیا سبب ہے حضرت نے عرض کیا ”مجھے حضور کی ناخوشی کا علم اپنی نسبت ہے“ نواب صاحب نے فرمایا ”واقعی اُس وقت مجھ کو ناخوشی ہوئی تھی مگر اب آپ کی اُس کارروائی کا مجھ سے زیادہ کوئی قدر شناس نہیں ہے۔ جب آپ نے میرا اثر نہ مانا تو اسید ہے کہ آپ انصاف کے جاری کرنے میں کسی کا لحاظ نکلیں گے اطمینان سے یہاں رہئے“ حضرت امیر نے ارادہ منقطع کر دیا اور سمجھ گئے کہ نواب کلب علی خان اعلیٰ مراتب صوری و معنوی حاصل کرنے والے ہیں۔ دلی عہدی کے زمانہ سے نواب صاحب کو شعور سخن سے رغبت تھی اب آزادی ملی تو اس طرف انہماک بڑھ گیا۔

دلی اور لکھنؤ کے اہل کمال کو بلا کر اپنی مصائب منزل کی رونق بڑھائی لکھنؤ اور دہلی کی سلطنتوں کا خاتمہ ہو ہی چکا تھا اور اہل کمال کی صورت حال گویا تھی یہ یوں پھر اہل کمال اٹھنے حال افسوس ہے اہل کمال افسوس ہے تہہ پیر کمال افسوس ہے امیر۔ امیر۔ جلال۔ بحر۔ عروج۔ تعلق۔ تسلیم۔ زکی۔ شرف۔ جان صاحب شعرا لکھنؤ اور حیا و داغ دہلوی کا مجمع رامپور میں ایک عالم پیدا کر رہا تھا جسکی نظیر اُس وقت کہیں نہیں ملتی تھی صحبتیں رام پور کے فرماں فرما کو اپنے وقت کا مامون الرشید بنائے ہوئے تھے۔

نواب صاحب نے حضرت امیر کو اپنی استادی کے لئے منتخب فرمایا۔
 شروع سخن کی شمع روشن ہو گئی اور انجمن ادب میں گلشنِ انسانی اس طرح شروع ہوئی
 کہ نواب صاحب نظم و نسق ملکی میں جس طرح نئے نئے قانون اور ضابطے جاری کرتے تھے
 اسی طرح قلم و سخن میں بھی سکہ جاری کر دیا۔ اب حضرت امیر کو مسندِ افتخار کا بہنا لانا
 دشوار ہو گیا۔ حکمرانوں کی شاعری لڑکوں کی شاعری نہیں ہوتی آخر نواب صاحب کچھ بگڑ
 کہ امیر جس ذمہ داری سے عدالت کی مسند پر کام کرتے ہیں اب وہ ناممکن ہے۔ آپ کو
 عہدہ مفتی سے سبکدوش فرما کر آپ کے بڑے بہائی مفتی طالبین صاحب کو مفتی عدالت
 کر دیا سب سے زیادہ خدمت خاص شعر و سخن کی تھی اور اس کے ساتھ حضرت امیر ہی۔
 وہ اہم خدمت بھی تعلق تھی جو ایک فارن سکیٹری اور پرایٹ سکیٹری انجام دیا کرتا ہے
 مذکر کے کوشش تمام ہندوستان میں نظر آتے تھے۔ رامپور بھی مستثنیٰ نہ تھا مگر خدا کی مہربانی
 شامل حال تھی کہ جو خط و کتابت برٹش گورنمنٹ اور دربارِ رامپور میں ہوتی تھی وہ دونوں
 میں مرطیہ تاج اور اس حکام کا سبب ہوتی گئی۔

نواب کلب علی خان بہادر کا ذوق و شوق سخن نواب یوسف علی خان بہادر کے
 بھی بڑا ہوا تھا اور بادیہ و کثرت مشاغل ملکی و انتظامات ریاست وہ شاعری
 کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ روزانہ شعر کہتے تھے اور اصلاح لیتے تھے۔ اکثر
 رات کو بارہ بجے اور ایک بجے تک جستہ جستہ اُن کا کلام امیر کے پاس آتا تھا
 اور اُسی وقت اصلاح کے بعد واپس ہوتا تھا۔ اس محنت اور متفرق طور پر اصلاح
 کو دیکھ کر حضرت امیر فرماتے تھے کہ امیر نواب کی استادی درحقیقت ہمیں سے
 ہو سکتی ہے۔

رازداری کے امور کی انجام دہی کے واسطے ایک خاص وقت مقرر تھا اس وقت
نواب اور امیر کے سوا دوسرا کوئی موجود نہ رہتا تھا اور دوسری ملاقات عام دربار
میں ہوتی تھی۔

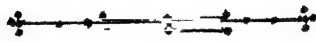
نواب اُن کی رایوں اور رازداری سے بغایت درجہ مخلوط اور مطمئن تھے۔

دربار نواب کلب علیخان بہا

مصاحب منزل آراستہ ہے۔ فرش بکلف بچھا ہے اور اس پر وہ لوگ
رونق افروز ہیں جو انتخاب روزگار سمجھے جاتے ہیں اور فی الواقع ہیں۔ ایک جانب
فضلا اور حکماء عصر کی نشست ہے ایک طرف شعراء نامدار کی جماعت بیٹھی ہے
آپس میں مزے مزے کی مکالمات ہو رہی ہے۔ خصوصاً علمی تذکرہ وہ لطف دیر ہے
کہ روح کو بالیدگی ہوتی ہے اور دل تروتازہ ہوتا ہے کبھی شاعری چھیڑ جاتی ہے۔
اشعار ابدار پڑھے جاتے ہیں کبھی سایل علمی و ادبی پر بحث ہوتی ہے۔ الفاظ و محاورات
کی تنقید ہوتی ہے غرض یہ وہ پاکیزہ صحبت ہے جو بہت کم نصیب ہوتی ہے نوابنا مدار
کلب علیخان بہادر جوان باکمالوں کے جامع ہیں ایوان خاص میں تشریف رکھتے ہیں۔
کچھ دیر کے بعد ایک چوہدار مصاحب منزل میں داخل ہوتا ہے اور وہ یہ الفاظ زبان
پر لاتا ہے ”سکلمہ یاد فرماتے ہیں“ اس کے سنتے ہی وہ جمع مصاحب منزل سے
اُٹھ کر ایوان خاص میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں نواب صاحب جلوہ فرما ہیں۔ ہر روز صبح
پہوتے ہی مصاحب منزل میں اہل دربار آ جاتے تھے وہاں بیٹھ کے نواب صاحب کے

یاد فرمایا کہ انتظار کرتے اور علمی مباحث میں وقت گزارتے تھے۔ نواب صاحب ضروریات سے فلاح ہو کر ان سب کو اپنے سامنے طلب کرتے تھے اور دیر تک دربار گرم رہتا تھا۔ اُس دربار میں بھی یہی مباحث اور یہی مشاغل رہتے تھے تحقیق لغات اور تنقید زبان کا بھی نواب صاحب کو بہت شوق تھا۔ اکثر نواب صاحب اپنا کلام حضار دربار کو سنانے کا حکم دیتے تھے اور ان کا کلام امیر پڑھا کرتے تھے۔

مشاعرہ رامپور



اس زمانے میں مشاعرے نہایت سرگرمی اور اہتمام سے ہوتے تھے۔ ہندوستان کے تمام مشہور اور مستند شعرا کی موجودگی نے عام طبائع میں شاعری کا اثر پیدا کر دیا تھا۔ شہر میں یوں تو اکثر مشاعرے ہو کرتے تھے مگر ایک مشاعرہ خاص صاحبزادہ جہدی علیا کے یہاں سلسل ہوتا تھا۔ یہ مشاعرہ سکڑی کہا جاتا تھا جو خاص امیر کی نگارانی میں منعقد کیا جاتا تھا۔ تمام دیگر مشاعروں سے یہ مشاعرہ اس بات میں امتیاز رکھتا تھا کہ اس کے سامعین میں علما اور فضلا اور صلحا بھی ہوتے تھے چنانچہ مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی حضرت شاہ محمد معصوم صاحب نقشبندی اور اسی طرح دیگر حضرات اکثر شامل ہو کرتے تھے۔

ان مشاعروں میں حضرت امیر بھی جب وہ رامپور میں ہوتے تو شریک ہوتے اور صدر مشاعرہ وہی ہوتے تھے کیونکہ شعرا میں ہر اعتبار سے امیر کا مرتبہ سب سے اعلیٰ تھا اور نواب کلب علی خاں بہادر کے استاد الامستاد تھے سب کے آخر میں فخر

پڑھتے تھے اور انہیں کی غزل پر شاعرے کا خاتمہ ہوتا تھا۔
اکثر شاعروں میں ردیف و اطرع ہوتی تھی اور کبھی یہ التزام نہیں بھی ہوتا تھا۔
نواب صاحب کی غزل بھی شاعرے میں آتی تھی اور امیر جی پڑھتے تھے۔ شاعرے
کے بعد نواب صاحب موصوف امیر کی غزل طلب فرماتے تھے خود دیکھ کر لطف اٹھا
تھے اور پڑھ کر حاضرین دربار کو سنایا کرتے تھے چنانچہ امیر کی یہ غزل جو شاعرے میں
پڑھی جا چکی تھی۔

جس غنچہ لب کو چھٹو دیا خندہ زن ہوا
جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا پسمن ہوا
نواب مدوح نے طلب کر کے ملاحظہ کی تو استاد سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے غزل
کے کہنے میں آپ کا جی نہیں لگا حضرت امیر کو خیال ہوا کہ نواب صاحب کو غزل
پسند نہیں آئی۔ امیر نے پھر فکر کی اور دوسرے وقت دوسری غزل پیش کی
نواب صاحب نے دیکھا اور کہا کہ آپ نے یہ غزل بھی توجہ سے نہیں کی۔ اس پر
امیر نے تیسری غزل تیسری دفعہ پیش کی۔ نواب صاحب نے تیسری غزل دیکھ کر
فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین ہی اچھی نہیں ہے اس پر امیر کو پھر وہی خیال ہوا اور
پھر فکر کر کے چوتھی غزل چوتھی بار پیش کی یعنی چار غزلیں کہیں۔ پھر تو نواب صاحب
رہا نہ گیا بے اختیار ہو کر فرمایا کہ میں نے محض آپ کی فکر کا اندازہ کرنے کے لئے
ایسا کہا تھا پہلی غزل دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ اب امین گنجائش نہیں ہے مگر آپ ہی
خدا نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ اس زمین میں اتنا ترچا غزلین ایک سے ایک بھر
کھیں۔ میرے خیال میں نواب صاحب نے جاری کی کہ چار ہی غزل پر اپنا نشان

ظاہر کر دیا اگر زیادہ دیر تک یہ سلسلہ قائم رکھتے تو البتہ امیر کی قوتِ منکر یہ کا
پورا پورا اندازہ ہو جاتا۔ ان غزلوں کے مطالع حسب ذیل ہیں۔

یہ رفتہ رفتہ ضعف سے احوال تن ہوا	سائے کی بھی نگاہ سے غائب بن ہوا
جس غنچہ لب کو چہیرہ داخندہ زن ہوا	جس گل پر ہم نے رنگ جایا چمن ہوا
انگل کی طرح نیست بتدیج تن ہوا	تن پیر میں تو پیر میں اپنا کفن ہوا
وہ مست ہوں بضیع تجھے تب کفن ہوا	جب رہن مے فروش کے گھر پیر میں ہوا
چہیرہ اج میں نے یار کو گرم سخن ہوا	پیدا مری زبان سے اُس کا دہن ہوا
ظالم بدل کے بھیس سوار بہن ہوا	پتھر بنا چو شیشہ تو تو بہ شکن ہوا
سو رنگ سے میں مست بہار میں ہوا	جو گل نیا تھا جامِ شرب کہن ہوا
باہم جو ذکر زلف شکن و شکن ہوا	برجم تمام سلسلہ انجمن ہوا
مگر ملوے قدر سے عریاں بدن ہوا	حوروں میں قد سیوں میں فکر کفن ہوا
دل عشق میں یہ جاذبِ رخ و خم ہوا	مانندِ داغ در و بھی جزو بدن ہوا
کس کا رخ صبح یہ پر تو فگن ہوا	آئینہ دار مالکِ نہر لبن ہوا

مشاعرہ لکھنؤ

سن ۱۳۱۱ھ میں حضرت امیر لکھنؤ گئے ہوئے تھے۔ حضرت امیر کی رحلت کو
تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا فرزندِ ان حضرت امیر مرحوم ہمعصر شعرائے لکھنؤ میں

ممتاز تھے جنکی نسبت حضرت امیر نے فرمایا ہے۔

خدا رکھے کیا ہے نام کیا استاد کا روشن

امیر استادِ اداوں پر ہم اپنے فخر کرتے ہیں

حضرت امیر کے ورود سے شعراء لکھنؤ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مدت کے بعد انکا یہاں آنا ہوا ہے اس موقع پر ایک مشاعرہ کیا جائے چنانچہ یہ طرح دی گئی۔

جادو بھرا ہوا ہے کسی کی نگاہ میں

اس مشاعرے کی اطلاع دینے جناب حکیم و جناب افضل حضرت امیر کے پاس

اسوقت آئے جبکہ مشاعرے میں بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ حضرت امیر نے کئی وقت

اور ناسازی مزاج کا عذر کیا تو کہا گیا کہ آپ کے فکر کی ضرورت نہیں ہے اس زمین میں

آپ کی تین غزلیں چھپی ہوئی مرآۃ الغیب میں موجود ہیں چند شعراں میں سے آپ پڑھیں

تو مشاعرے کی عزت افزائی ہوگی۔ یہ سنکر حضرت امیر رضا مند ہو گئے مگر شاگردان

امیر نے اطلاع پا کر اصرار کیا کہ اگر حضرت مشاعرے میں شرکت فرمائیں تو نئی غزل

ہونی چاہئے۔

غرض حضرت نے تھوڑے وقت میں صرف ایک نیا باقی رہ گیا تھا فکر کی اور نئی

دو غزلیں لکھ کر اس جلسے کے ساتھ مشاعرے میں شرکت فرمائی کہ میں بوجہ نادستی مزاج

مشاعرہ ختم ہونے کا انتظار نہ کر سکو تھا۔ امیر کی وجہ سے مجمع بہت بڑھ گیا تھا یہ مشاعرہ

لکھنؤ میں ایک یادگار مشاعرہ تھا پھر ایسا مشاعرہ کوئی نہیں ہوا جس میں وہ صورتیں

نظر آئیں جو چالیس برس پہلے موجود تھیں۔

بعض لوگوں کو یہ گمان تھا کہ امیر اپنی ان غزل زہینگی مگر جب مجمع حضرت کے

سامنے آئی اور حضرت نے غزل تازہ کا یہ مطلع پڑھا ہے
اس شان سے ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
مشعل دکھائی برقی تجلی نے راہ میں

لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور مشاعرے کا رنگ بد لگیا۔ ایک ایک شعر نے
بجلی کا کام کیا۔ حضرت کے بعد کسی شاعر کو غزل پڑھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کئی
شاعروں نے اپنی اپنی غزلیں چاک کر کے شمع کے نذر کر دیں کہ اب غزل پڑھنا بیکار
اور اسی وجہ سے مشاعرے میں تھوڑی دیر تک سکوت رہا کچھ وقفہ کے
بعد مشاعرے کا سلسلہ پھر شروع ہوا اور یہ مشاعرہ دوسرے دن ختم ہوا۔

منشی عبدالرحمن صاحب بٹل کا بیان ہے کہ حضرت امیر ہنوز مشاعرے میں
تھے کہ اُن کے اشعار مشاعرے سے باہر نکل گئے اور لوگوں کی زبانوں پر دور تک
پہنچے یہاں تک کہ میں نے چوک میں لوگوں کو حضرت کے شعر پڑھتے اپنے
کانوں سے سنا۔

استاد کی عظمت

حضرت امیر نے امیر کے کلام پر دیرہ دو برس سے زیادہ اصلاح نہیں دی مگر
امیر کی سعادت و عقیدت کا یہ حال تھا کہ جب تک جناب امیر زندہ رہے امیر
حتی الوسع کلام دکھاتے رہے چاہے اصلاح ہو یا نہ ہو۔ جس وقت جناب امیر کا
انتقال ہوا حضرت امیر کے بیچ و تعب کی انتہا نہ تھی اسی پریشانی اور غم میں

قطعہ تاریخ تصنیف فرما کر دل کی کلفت نکالی جس کے ہر شعر سے جذباتِ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔

افسوس کہ از گردشِ این چرخ کُہن
ما زادہ کس از مادرِ ایام کہ مرگ
نا آمدہ کس ز نیستی در بستی
نشا گفت گلے بہ فروریں اند باغ
خوش بود زمانِ گل و ایام بہار
این طرفہ کہ چوں خزانِ آید در باغ
نما زادہ کس از خاک کہ گلشن گرفت
گر چہ بجا کیاں شود دشمنِ خاک
خوں سزیز ترا ز چسبِ نبا شد بِلاد
ہر روز غمے زاید و ہر شب الے
ہر شام چو کہ شد سرازِ جیبِ افق
رہم ستے تازہ نہ ہد سیرِ نجوم
ما تملکہ است سطحِ این خاکِ درم
فارغ نبود سچِ دل از سوگِ جہاں
شاہنشاہِ اقلیمِ معانی کہ میاں
تا میہ مظفر علی از این ہنہ گاہ
اوج گرفت و فضل و دانش پستی

حاصلِ ز حیات نیست جز رنج و محن
آمادہ نکر و بھبر او گور و کفن
کو را ننمودند تختیں مدفن
کافرہ و پشمرہ نشد و بہن
گر با چہ خنداں نیامدے در گلشن
اول فلکند بجا کہ سوری و سن
از کینہ دہرا خوش و نیشروش تن
نوباوہ خویش را چرا شد دشمن
خونخوار ترا ز خاک نہ باشد بہرن
تا مادرِ ایام بود در زادن
ہر صبح کشد چو روز از شب دامن
طرح مخنے نو فلکند چرخِ کُہن
کز سوگِ بزرگاں ہما ندیشون
خاصہ دلِ من ز سوگِ آن فخرِ زن
قاصر بود از وصفِ کمالش چوں من
بر بستہ بک خستِ گراں گشت خن
او زندہ جاوید شد و مرد سخن

استادِ جہاں بود بش اگر دی او
زیرِ باست اگر فخر گشتند اہل زمین
جز راہِ حق نداشت پیدا و نہاں
جز روئے با و نداشت در سترِ وطن
از بعدِ ہزار و اندرِ زیں سال گہرے
از نسلِ علی آمدہ با خلقِ حسن
عمرے باید بلے بلا بلے ز جوش
پیدا شود و او ایس آید بقرن
تا زیت چنان لذت کمی بایست
چوں رفت چنان رفت کہ باید فتن
چوں دید در پنجاں خرب است و را
باشد وطن دیگر و دیگر مامن
بگذاشت مرا بغربت اندر بلے یار
اور خست بروں بُرد ازیں دارِ فنا
چوں رفت پے تیغ و فاش گویم
دیدم بفتاں و نالہ میگفت امیر
سلطان سخن امام من قبلہ من

۹۹ ۱۲ ھ

نواب کلب علیاں کی حلت

نواب صاحب کی امارت و قیادت اور ریاست کی بہت شہرت تھی اور رامپور مجموعہ تھا ایسے اصحاب کا جن کی قابلیت اور علمیت اپنی اپنی جگہ خاص پر بہت زیادہ شہرت رکھتی تھی باوجود فارغ البانی اور اطمینانِ کامل کے نواب صاحب کی صحت اچھی نہ تھی اور یہ اُن کی کمالِ خوش نصیبی تھی کہ باوجود خرابی صحت مکہ منظر کو تشریف لے گئے اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک خیر و خیراتیں

اس قدر روپیہ صرف فرمایا کہ آج تک وہاں کے لوگ اُن کو یاد کرتے ہیں۔
 نواب صاحب کی رحلت ۲۷ جمادی الثانی سن ۱۲۸۰ھ بروز چہارشنبہ کو ہوئی
 اور وہ جیسے نیک اور کامل الاوصاف تھے خدا نے ویسا ہی انجام کیا یعنی نزع
 میں دم آخر تک اسم ذات کا ورد جاری تھا۔ رامپور کیا ہندوستان سے عرب
 ان کی موت کل بخ و الم سب کو ہوا ظاہر ہے کہ حضرت امیر سے زیادہ کس پر
 راسخ ہوش رُبا کا اثر ہوا ہوگا۔ حضرت امیر نے جو قطعہ تاریخ اس حادثہ جافرسا
 پر لکھا ہے اُس کے ہر شعر سے ان کے ولی کیفیات ظاہر ہوتے ہیں۔ اسکو پڑھ کر بھی
 پڑھنے والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو جاتا ہے۔ اب وہ نواب
 خلد آشیاں کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

نواب صاحب کی وفات کی تاریخ جن جذبات اور درد دل کے زیر اثر
 حضرت نے کہی ہے اُس کو پڑھ کر کوئی سنگدل بھی آنسوؤں کی چادر قبر پر چڑھائے
 بغیر نہیں رہ سکتا۔ قبر گورامپور میں ہے مگر جس جگہ کوئی ہوگا اس تاریخ کو پڑھ کر روگا
 اسکی وجہ یہی ہے کہ یہ شعر دل سے نکلے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ امیر سے زیادہ دوسرے
 اس حادثے کا اثر کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا۔

قطعہ تاریخ وفاتِ نواب خلد آشیاں

الامان از برقِ نازِ پہلے چرخِ چنبریں اُحفیظ از فتنہ سازِ پہلے ایں آفت میں
 جاسے عبرت باشد ایں شوبِ گاہِ برفتن چشمِ بکشا ددِ مے نیرنگِ دنیا را بین

کا فتاب آسمان شوکت جاہ و جلال
 ماہ چرخ دولت اقبال فیض داؤدیں
 فخر باب سلف سرمایہ ناز خلف
 افتخار اولین و اعتبارِ آخریں
 حق پرست حق پذیر حق پتوہ و حق شنو
 حق شناس حق پسند حق گذار و حق گزین
 شافل کرو نماز و عامل حج و زکوٰۃ
 پیرو شرع حبیب خاص رب العالمین
 خوش مذاق خوش بیان خوش خصال خوش حال
 خوش خط و خوش گوئے خوش گفتار و خوش چہرہ
 وارث بے وازمان و چاہ بے چارگان
 میہماں پرور مسافر دوست غمخوارِ جزیں
 از در فیضِ عالی چوں ادنی بہرہ یاب
 اغنیاء از خرمش چھوٹ گدایاں خوشیہ صین
 دوست دشمن ہر دو منتقاد و مطیعِ حکم او
 زانکہ رایا تاش مظفر بود و آیتش میں
 پیش قدمش آسمان انداختہ رفت بنجاک
 باوقارش کوہ تمکین ساختہ نذر زین
 چوں نشستی بر سر تخت از پئے جوہ و نوال
 حم بڈے بر آستان دیم بڈے در آستیں
 شیر دل کلب علی خان بہادر نامور
 مالکِ طبل و علم رونق دہ تاج و نگین
 آنکہ بایک کلاں از تابانِ خوش گشت
 زارِ بیتِ اکرام و روضہ سلطان میں
 آنکہ اندر عہد او شد رام پور آرام پور
 مصطفیٰ آباد شد در دورِ ادایں سہریں
 در ہزار و دو صد و پنجاہ پیدائش شد
 در ہزار و سہ صد و چار از جہادی الآخرہ
 بست ہفتم چار شنبہ بود و ساعت چار میں
 ناگہاں ز کوکسِ حلت سوئے دارِ آخرت
 ذوق میں میداشت از دنیا برافشانہ تیں
 چشم حق نہیں نیکنندے نظر جز سوئے حق
 حق چو او تامل باخوش تن دیدایں جنیں
 خواند و پیشِ خوشنِ امور و رحمت کند
 حق پرستی روحِ ابراہیم و ناعرش بریں
 شد یہ پوش از پوش کبریاں دیر نہیں
 بیہوش تر شد از فرقتش بھر زوشن چھو شب

جہر دم بے نور گشت جان دہا بے سُرور آسمان شد پر غبار و خاک بر سر زواریں
 رفتہ رفتہ تا حرم چوں رفت ازیں ماتم جز در حرم ہر دے چوں محروماں غم شد کیوں
 دلے قسمت ناز بردارم ز دنیا رفت من زندہ ام اند صفت ماتم ز سر تا باغیں
 بدترم از مُردگان امانی میرم ازاں رہ نمی یا بداجل سوئے من اند و کیوں
 ہر نفس در سیمہ از پیر مرد گہائے ظلم می کشد تصویر حسرت چوں رنگا و پس
 عہد پیری راحت افزون خا ہد حست کجا میکند راحت رساں آرام در زریں
 تا پہ کے افسانہاں در دنیا لہا سیر تا کجا اظہار سوز دل بہ آتشیں
 دست زن درد من حست با خلاص نایز تا دہد جائے بر زنی حق بفرودن یں
 و نہ پے سال فات آں شرہ خلد آشیان محو دیدار جمال رحمتہ للعالمین
 نقش کن از خامہ حسرت بر لوح مزار خواہ گاہ حامی اسلام سپاہ المومنین
 ۱۳۰۲ھ

نواب مشتاق علی خاں بہادر

گورنمنٹ ہند کی طرف سے مسٹر کولنگ کشن زسیکھنڈو پولیسکل ایجنٹ ریاست نے
 ۲۵ مارچ کو یہ اعلان کیا کہ ۲۳ مارچ کو نواب کلب علی خاں نے وفات پائی اُن کی جگہ
 ان کے صاحبزادہ ولیعہد نواب مشتاق علی خاں کو گورنمنٹ ہند نے ریاست رام پور کو
 مالک اور رئیس تسلیم کیا ہے۔ جنرل اعظم الدین خاں نے ایک تقریر میں انتظام برقرار رکھنے
 پر کی اور نظم و مندرجہ تہنیت نامے پیش کئے گئے۔

حضرت امیر نے مندرجہ مذکورہ پر جو قصیدہ پڑھا وہ قابلِ دید ہے۔ قصائد میں

اسکو دیکھئے گا۔

افسوس کہ نواب مشتاق علیاں عوارضِ صعب کی وجہ سے دو سال تین مہینے حکمرانی فرما کر ۲۵ دسمبر ۱۹۱۵ء کو شبِ بد کے دن ظہر کے وقت رحلت فرما گئے۔

آپ کا لقب بعد وفات نواب عرشِ آشیاں ہوا۔
حضرت امیر نے ذیل کی تاریخ جس درد اور جوش میں لکھی ہے اس کو ایک مختصر خاکہ ہی لکھ سکتا تھا۔

قطعہ تاریخ رحلت نوابش آشیاں

دنیا ہے عجب مقامِ عبرت	یہ حسرت و یاس کا مکان ہے
اس گھر میں کہاں ثبات کو دخل	اس گھر میں جو ہے وہ یہاں ہے
اس گھر میں ہے ایک شبِ بیدار	آیا ہے جو آتشِ دل رواں ہے
وہ دوازے ہیں جسہ توں کی میٹھک	دیواروں سے یکسی عیاں ہے
جواہلِ زمیں کو ناکِ راحت	گردش میں ہمیشہ آسمان ہے
فانی سے یہاں کا ہمیشہ آرام	ہے آج بہارِ گلِ خستہ ان ہے
دیکھو کہ جہاوی لاخسہ کی	چو بیسویں کی یہ دستاں ہے
نواب وہ جن کا نام نامی	مشتاق علی کے ساتھ خاں ہے
رحلت فرما ہے یہ بہار	بہارِ اس سخن سے یہ اک بہار ہے
یہ رنگ و آسماں کا نیند	آہوں کا کھٹکا جواہر ہواں ہے
مانند زمیں ہے بہارِ خاک ہے سر	اس وجہ سے کہ یہ سہاں ہے

ہے ماتیوں کا دودل . وہ
 بیٹیں برس کی عمر پائی
 انصاف و سخا و خلق سب کا
 احساں جو کئے ہیں حد سے باہر
 احسان کا بندہ ہے ہر انسان
 جانتے سلوک راہیگاں کب
 صبر آئے اسیر دل کو کیونکہ
 اس غم میں چلا میں سوئے صحرا
 ہر دم تھا یہی مری زباں پر
 عبرت ہوئی راہبر اُدھر کو
 دکھلا کے بہت سی کہنت قبریں
 ہیں ملکِ عدم کے سب مسافر
 شیخ ان میں ہے کوئی کوئی سید
 دارا دسکت درو سنریدوں
 پوچھ ان سے کہاں وہ شانِ شوکت
 پوچھ ان سے کہاں ہے وہ چہر گھٹ
 کیوں دیو پ میں خاک پر پڑے ہیں
 یہ دیکھ کے چیخ اٹھائیں بے تاب
 پھرتا تھا اِدھر اُدھر تڑپتا
 جس پر کہ حساب کا گماں ہے
 مرجانے کی عمر یہ کہاں ہے
 شاہد ہر پیر و ہر حوالا ہے
 باہر مکان سے بیاں ہے
 تعریف سے خلق تر زباں ہے
 اب ساتھ وہ جود و اتناں ہے
 یہ ماتم مرگِ نوجواں ہے
 جو خاص مقامِ وحشیاں ہے
 آقا مرے ہائے تو کہاں ہے
 حسرت کا خاص جو مکاں ہے
 بولی یہ نشانِ رفت گماں ہے
 ہے پیر کوئی کوئی جواں ہے
 کوئی ہے منغل تو کوئی خاں ہے
 سب مرثوں کا یہی نشان ہے
 پوچھ ان سے کہاں وہ غر و شان ہے
 پوچھ ان سے کہاں وہ سائبان ہے
 ہے پتھر نہ تخت کا نشان ہے
 ہے یہ عدم کا کارواں ہے
 کہتا ہوا ہائے وہ کہاں ہے

میں جس کی تلاش میں ہوں برباد جس کے لئے دل مرادیاں ہے
 آیا نظرِ راکِ زمیں کا تختہ سمجھائیں کہ تختہ جہاں ہے
 فردوس کے پھول ہیں سرِ قبر ابرِ رحمت کا سا بٹاں ہے
 دو لبہا سا بنا ہے کوئی لیٹا تربت پر سیج کا سماں ہے
 دوڑاپے فاختہ سوئے قبر سمجھا کہ یہی وہ آستیاں ہے
 آئی یہ ندا ادب سے آنا یہ مرقہ عرشِ آشیاں ہے

— ۱۳ ۰۶ —

نواب حامد علی خاں بہادر

آپ کی ولادت باسعادت ۲۹ رجب ۱۲۹۲ء مطابق ۳۱ اگست ۱۸۷۵ء
 کو ہوئی اور منائشیں ریاست ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۲۷ء ۲۷ فروری ۱۸۸۹ء
 کو ہوئے اور مسٹر نیل، ایجنٹ ریاست نے منجانب گورنمنٹ دربار کر کے آپ کو
 تخت نشین کیا۔ نواب صاحب نے مسٹر نیل کے جواب میں فرمایا کہ خدا نے چاہا تو
 اُسی طرح عمل درآمد ہو گا جس طرح میرے آباؤ اجداد اس بارِ عظیم کو اٹھاتے رہے ہیں۔
 حضرت امیر نے نواب صاحب کی خدمت میں یہ قطعہ تاریخِ مسند آرائی پیش کیا۔

قطعہ تاریخِ جلوس

بارک اللہ علوہ گرشہ بر سرِ سردری نامور حامد علی خاں سردری راستی

آنکہ باشد حق پر مین حق پسند چون شد
فیض باشد از کتاب خلق او یک صفہ
تخم ہر امید را باشد چون گندم سبب
مردم از نا آگہی خوانندش از نام شفق
داع گرد و شمع و ستر پا شو غرق
ناخن نکندش کند حل ہر محلے اوق
صورت لا میکہ باشد در دوا قافل
رشتہ شیرازہ ہو و فتر نظم و نق

سال ہجری و سیمی نورسم کلک امیر

گو بہر تاج ریاست امیر حمیت ظل حق

علامہ اس قطعہ تاریخ کے حضرت امیر نے تہنیت مسند نشینی میں ایک زبردست
قصیدہ بھی کہہ کر پیش کیا جسکی تشبیہ میں بہار و جنراں کا قابل دید معرکہ ہے قسیدہ
حصہ دوم میں ناظرین کے مدح و ثناء سے گزر چکا۔

اس سچ میں اب تک بفضلِ مہاراجت امیر کا خاندان راہپور میں زیر سایہ
نواب صاحب دعا گوئی میں مصروف ہے اور حضرت کے بڑے صاحبزادے جناب
مولوی محمد احمد صاحب صریح بینی حق راز داری و خیر خواہی اسی طرح ادا کر رہے ہیں
جس طرح ان کے والد مرحوم حضرت امیر ادا کرتے تھے اور نواب صاحب کا اس قدر
بروسہ ان کی ذات ستودہ صفات پر ہے کہ شاید کسی اور پر ہوا ہوا استادمین شہر بھی
ان کو کیا ہے اور حضرت امیر کے رنگ سخن کی اکثر تعریف فرمایا کرتے ہیں۔

حضرت امیر نے جو قصاید سنڈیشی اور جشن میں کہے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ریاست کے ساتھ حضرت کے خیالات و فادارانہ کیا تھے۔

سفر بھوپال

امیر کی شہرت کمال نے تمام ملک سے اون کو روشناس کر دیا تھا حتیٰ کہ بیشتر روسائے ہند بھی انکی اعلیٰ شخصیت سے بخوبی واقف تھے اور جس رئیس کو شعر و سخن کی لذت تھی اسکا میلان خاطر امیر کی جانب تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال نور اللہ مرقدہا مشاعرہ بھی تھیں تاجور تخلص تھا انکی صحبت میں امیر کا ذکر اکثر آیا کرتا تھا۔ جسوقت انھوں نے اپنا دیواں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپوایا ہے اسکا ایک نسخہ تحفہً امیر کو بھیجیا حضرت امیر نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ امیر اللغات کی دونوں مطبوعہ جلدیں بمطبع منشی امتیاز علی صاحب دزیر بھوپال کلہر عالیہ کی خدمت میں گزرائی گئیں انھوں نے اس عظیم الشان تالیف کو بنظرِ قدر دانی ملاحظہ فرمایا۔ اس سلسلہ میں رسم خط و کتابت جاری رہی۔

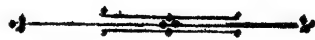
حضرت امیر کے بھانجے شیخ حافظ علی عذر کے بعد بھوپال چلے گئے تھے اور پھر پلٹ کر وطن نہیں آئے یہ امیر کی بڑی بہن کے فرزند اور انکے تقریباً ہمسن تھے انے ملنے کا خیال حضرت امیر کو مدت دراز سے تھا۔

اتفاق سے شہرہ میں حضرت امیر نواب سید بنیا وحسین خاں جاہ کے

اصرار پر کانپور تشریف لے گئے جو حضرت امین کے عمدہ تلامذہ میں ہیں۔
 استاد کی تواضع و تکریم میں نواب صاحب موصوف نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔
 چار پانچ روز وہاں قیام فرما کر بعض اعزہ کی راس سے حضرت نے سرکار عالیہ کو
 تیار دیا کہ میں بھوپال کا قصد رکھتا ہوں سرکار عالیہ نے اسپر اظہارِ مسرت فرمایا۔
 اور اُنکے قیام کے لئے باغِ فرحت افزا تجویز کیا گیا۔ جو وقت حضرت کی گاڑی بھوپال
 کے اسٹیشن پر پہنچی ہے کلمہ کی گاڑیاں اور ارکانِ دولت پیشوائی کے لئے وہاں
 موجود تھے۔ اور حضرت کے اعزاء و اشخاص بھی ہجوم تھا۔ اعزاز کے ساتھ فرحت
 افزا میں مہمانِ سرکار کئے گئے۔ سرکار عالیہ کی طرف سے روزانہ جو مدارات بھی
 وہ بہت ہی قابلِ قدر اور پریشان و شکوہ تھی۔ زیادہ دن تک قیام رہا اور ایک
 ملاقات سرکار عالیہ سے لطف کے ساتھ ہوئی۔

سرکار عالیہ نے عبد الجبار خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ وزیر ریاست کو ایما فرمایا
 کہ امیر مینائی ہمارے مہمان ہیں آپ اُن سے ملے۔ چنانچہ وزیر صاحب موصوف
 فرحت افزا میں آکر ملے جو علاوہ اور قابلیتوں کے بہت باخدا بزرگ تھے۔
 حضرت امیر سے ملکر اُنکے گرویدہ ہوئے۔ بار بار ملاقات ہوتی رہی۔

عیدِ اضحیٰ کا موقع آگیا۔ امیر صاحب نے مسجدِ فرحت افزا میں دو گانہ عید
 ادا کیا۔ وہاں شعر کہنے کا بھی سلسلہ رہا بعض مواقع پر کچھ اشعار بھی ملاحظہ سرکار
 عالیہ سے گزرنے گئے۔ چنانچہ فرحت افزا میں فروکش ہوتے ہی یہ قطعہ
 تصنیف فرمایا۔



قطعہ

پاز سر کردہ بہ طوفِ حرمت آمدہ ام
جاں بکف بھرتا رِ قَدَمِ آمدہ ام
من ہم اسے ابر کرم ہیچو صدف برد تو
یاسید رِ شحاتِ کرمِ آمدہ ام

رباعی تہنیتِ عیدِ ضحیٰ

عیدِ قربان تھی سال بھر شہ سے بعید
تھی زیت سے قطعاً اُسے قطعِ عید
عیدی اُسے دی گلے لگا کر شہ نے
کہنے لگی عید آج ہوئی میری عید

آم عطا ہونی کا شکریہ

آم آئے ہیں سزا سے کیا تازہ و تر
ہیں شیر و جان سے میری حق میں بہتر
نظام ہے ایران کی سہ سبزی سے
یہ آم ہیں فیضِ عام کے خاص شہر

شکریہ مہمان نوازی

پامالوں نے کب یہ سرفرازی دیکھی
بیچاروں نے کب یہ چاہ و سازش دیکھی
مجھ ہے تو ملائکہ آنکھ کھدے کوئی
کس آنکھ نے یہ بندہ نوازی دیکھی

رباعی

از سوسے بہت یاس و بہت آسناہ
وز جانبِ تو نویدِ صد عزت و جاہ
من غرقِ ندامتِ ز تقصیرِ سپاس
بجرِ کرمِت بگوشِ سبحانِ اللہ

باریابی کے موقع کو سرکار عالیہ ٹالتی تھیں اس سے کہ باریا بسہ ہوتے ہی
ایسر صاحب چلے جائینگے۔ اس موقع پر آپ نے یہ رباعی بہکے پیش کی۔

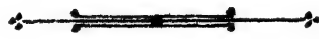
رباعی

مخروجی بخت کی شکایت نہ ہے آئینہ دل میں گردِ کلفت نہ ہے
حاضر ہو سلام کو درِ دولت پر ہے عمر اخیر یہ بھی حسرت نہ ہے
باریابی ہونے پر حضرت ایسر نے ایک مسکس تازہ پڑھا اور سرکار عالیہ نے
بہ تعریف فرمائی۔

باریابی کے بعد بھی پھر اسی کی اجازت نہیں ملتی تھی اسکے لئے حضرت ایسر نے
یہ رباعی گذرائی۔ جسکے ملاحظے کے بعد اجازت ملی اور باعزاز رخصت کئے گئے۔

رباعی

اس در پہ مسافر جو پہنچ جاتا ہے بھولے سے بھی گھریا نہ نہیں آتا ہے
ہمان جو دیکھتا ہے یہ شانِ کرم رخصت کا نام لیتے شرماتا ہے



سفر بنارس

حضرت خضران مکان نظام الملک آصفیہ سادوں نواب میر محبوب علی شاہ کا
تخلص آصف تھا جنہیں شاعری کا خاص ذوق تھا۔ ایسر کے تصانیف مطبوعہ
اکثر ملاحظہ فرماتے تھے۔ سنا گیا کہ داغ جب استادِ حضور ہوئے اور خطابِ منصب

سرفراز کئے گئے تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کیا امیر اب بھی یہاں نہ آئینگے جہاں
میں بعض لوگ مثلاً جناب داغ و نواب دا اور الملک و نواب محبوب یا ر جنگ بہادر
و غیرہ حضرت امیر سے رسم خط و کتابت رکھتے تھے حضرت کے لئے تصانیف جو سرکار
میں نہ تھے جناب داغ نے حسبِ ایما طلب کر کے پیش کیے اور حضرت امیر کو
یہ بھی لکھا تھا کہ یہاں میری اور آپ کی غزلیں ملائی جاتی ہیں اور کائنات میں قوی
جاتی ہیں خصوصاً یہ غزل ع کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا۔
پورا مطلع حضرت امیر کا یوں ہے۔

ان شوخ حسینوں پہ جو مال نہیں ہوتا کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا
ایک مرتبہ سرکار کے ایما سے جناب داغ نے یہ مصرع سرکاری
”یہ چوٹی کسلے پیچھے پڑی ہے“

امیر صاحب کو بھیجا اور لکھا کہ فوراً اس طرح میں غزل کہنے بھیجئے اور تلامذہ سے
بھی کہلو اے پنا نچہ حضرت نے اس فرمایش کو فی الفور پورا کیا۔

یہ غزل صنم خانہ عشق میں چھپی ہے اس جگہ پسند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔
غضب کی پھوٹ الفت میں پڑی ہے ملا ہے دل جو آنکھ اُس سے لڑی ہے
نظر کس چشمِ فغان سے لڑی ہے کہ آنکھوں کو لئے زگس پڑی ہے
شبِ غم مجھ سے بٹھا جائے کیونکہ تری تصویر تو آگے کھڑی ہے
فلک کو چھونکتی ہے آہ دل کی ذرا سی شمع کو اتنی بڑی ہے
بڑی جھگڑا لو ہے انکی جیا بھی کہ اک اک ہوتی پر پہروں لڑی ہے
نلا کر خاک میں آئے ہو کس کو یہ کیسی گرد و اس پر پڑی ہے

لکھا ناز ہوتی ہے برآمد سلامی کو صف شرکاں کھڑی ہے
 میری سیت کو ٹھکرا کر وہ بولے کہاں کی نیند تھک چھٹ پڑی ہے
 نہیں پلوں کی اوچھل میں وہ تکی دھن چلن میں شرماں کھڑی ہے

جب یہ تازہ افکار ملاحظے سے گزرے تو حضرت غفران مکان کو حضرت
 امیر کی جانب جو توجہ تھی انہیں بہت اضافہ ہو گیا۔ اور مصاحبین جو حضرت امیر کو
 یہاں آنے پر مجبور کر رہے تھے انکو اس امر میں اور بھی اصرار کا موقع ملا مگر امیر کے
 یہاں آنے کی بظاہر کوئی صورت نہ تھی ایک تو پیرانہ سال دوسرے یک دیگر
 محکم گیر پانکا عمل تھا۔ ذاب کلب علیاں خلد آشیان کی رحلت سے اہل کمال کا
 شیرازہ منتشر ہو گیا تھا بعض شعرا بھی راہپور چھوڑ کر اپنی اپنی طرف راہی ہو گئے
 تھے داغ صاحب حیدر آباد چلے آئے تھے مگر امیر کی وضعداری نے ریاست کو
 اور ریاست کے تعلقات نے امیر کو نہ چھوڑا۔ البتہ امیر کو جس بات کی خواہش تھی
 وہ یہ تھی کہ امیر اللغات کی تخیل ہو جائے۔ اور اُسکے ساتھ یہ بھی خیال رہتا تھا کہ
 لڑکے جو خدمت کے قابل ہیں انکا ہمیں ٹھکانا ہو جائے۔

۱۳۱۱ء میں حضرت غفران مکان مع اسٹاف و خدمت حشم کلکتہ تشریف
 لیگئے۔ امیر صاحب کو اطلاع دی گئی کہ کلکتہ سے واپس ہو کے بنارس میں اعلیٰ حضرت
 قیام فرما ہونگے آپ اس موقع پر بنارس آکر لالچھے چونکہ یہ موقع حسن اتفاق سے ہوا تھا۔
 حضرت امیر چند اعزہ و احباب کو لیکر بنارس تشریف لیگئے حضور اقدس اعلیٰ
 جب ہر ہائمنس ہمارا جہ بنارس کی کوٹھی میں نزو کش ہوئے تھے مصاحبین نے
 عرض کیا کہ امیر مینائی حاضر ہیں۔ یہ سنکر اعلیٰ حضرت اندر سے باہر آگئے اور فرمایا

کہاں ہیں امیر صاحب حضرت حاضر ہوئے تو حضور والا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے
 اس موقع پر حضرت امیر نے سرکار کے ارشاد سے ایک مسدس پڑھا جو اسی مفہوم
 کہا تھا۔ بہ شعر پر انحضرت بید تعریف فرماتے تھے۔ جب مسدس ختم ہوا تو فرمایا
 کہ آپ ہمارے ساتھ حیدر آباد چلئے۔ حضرت نے عرض کیا کہ میں قدیم نمکچور اریت
 رامپور کا ہوں وہاں سے اجازت لینا ضروری ہے معذرا میں اس وقت حیدر آباد
 کیلئے تیار ہو کر نہیں آیا۔ مصاحبین نے عرض کیا کہ بیشک امیر صاحب کو چلنا
 چاہئے اور ضرور چلینگے۔ اسکے بعد دربار برخواست ہوا سب باہر آئے اور مصاحبین
 کے ذریعے میں محفل احباب گرم ہوئی۔

داع صاحب نے اپنی غزل سنائی شروع کی جسکے چند شعر یہ ہیں۔

خار حشرت بیان سے نکلا	دل کا کانتا زبان سے نکلا
عذر انکی زبان سے نکلا	تیر گویا کمان سے نکلا
فتنہ گر کیا مکان سے نکلا	آسمان آسمان نکلا
کھا گئے تھے وفا کا دھوکا ہم	جھوٹ سچ امتحان سے نکلا
تم برسے رہے سبر محفل	کچھ بھی میری زبان سے نکلا
پڑ گیا جو زبان سے تیری حرف	پھر نہ وہ اپنے کان سے نکلا
مر گئے ہم مگر ترا رماں	دل سے نکلا نہ جان سے نکلا
وہ پہلے لب تمہارے وعدے پر	وہ مختاری زبان سے نکلا
میرے آنسو کی تسنن کی توہین	خوب موتی یہ کان سے نکلا
ذکر اہل وفا کا جب آیا	داع ان کی زبان سے نکلا

حضرت نے تعریف کی اور سب حاضرین نے داد دی بعد ازاں امیر صاحب
فرمایش کیگئی کہ آپ بھی کچھ فرمائیں۔
امیر نے ایک مطلع اور چند شعر ایک دوسری زمین کے پڑھے۔ اور سائیں کی
بسل کر دیا۔

زبان صنعت پیری میں چلتی رہی سحر ہوگی شمع چلتی رہی

پہلو بچاؤں اس سے جو دل کو سنبھال	مارے چھری وہ بات میں پہلو نکال کے
آئے ہیں سر میں عطر دھن کا وہ ڈال کے	کیا کیا سہاگ ہیں مرے روز وصال کے
مشکل بہت پڑیگی برابر کی چوٹ ہے	آئینہ دیکھیے گا ذرا دیکھ بھال کے
دست اجل سے عشق میں گلبازیاں ہیں	سر رکھ دیا ہے دار پہ ہمنے اچھال کے
ایرجان اپنے غم سے کو تم روکتے نہیں	بیدر دیچا ہے کلجائیکال کے
میرے تمہارے بیچ میں آتا ہے بار بار	بکھت پاؤں بھی نہیں تھکتے ملال کے
دل آپ کا کہ دل میں ہو کچھ سب آپ کا	دل لیجئے مگر مرے ارماں نکال کے
آئی سحر اُدھر کہ اُدھر شام ہو گئی	دود و گھڑی کے ہونے لگے دن وصال کے
راہِ فنا نہ گرد و زوئیں سے بھی طے ہوئی	شعلے بھی سگئے ہیں زبائیں نکال کے

اعلیٰ حضرت کا اسپیشل حیدر آباد روانہ ہوا اور گلبرگہ شریف پہنچ کر حضرت امیر
کی یاد ہوئی۔ مصاحبین نے عرض کیا کہ وہ بنارس میں حیدر آباد کیلئے تیار ہو کر
نہیں آئے تھے اب جلد حاضر ہونگے۔

مس جس جو پڑھا گنیا تھا اکیس بند کا تھا۔ اس جگہ تہمید کے چند بند
درج کئے جاتے ہیں۔

مس

اللہ اللہ نیا رنگ ہوا عالم کا پر تو مہر سے دزے کا ستارہ چمکا
بڑے قطر سے ملا بحر کرم جامع کا آئندہ دل کا بنا جام بہان میں جمنا
آسمانوں نے دہنچ و ظفر کھولنے
سر پہ نسیرں جہاں گئے پر کھولنے
چتر اقباس نے پاناں پر سایہ ڈالا فخر کا تاج ہوا پائے طلب کا چھالا
بن کے داغ جگہ چھل کھل گئی لالا ہو گیا نالہ موزوں قدر سر دہالا
شہ جو پائی نگہ شاہ ظفر پیکر کی
آبرو چہیں نی شگہ رخ مرے گوہر کی
مثل گل آج ہوا خواہ کیلے جائے ہیں حبیب سے گوہر قصود ملے جاتے ہیں
شکر آتا ہے زبانوں پہ کلمے جاتے ہیں حسرتیں دل سے کہتی ہیں کہ نہ جاتے ہیں
دل بڑھا جاتا ہے مر کا کی ہمت کی طرح
غم گہنا جاتا ہے بدواہ کی نیت کی طرح
کچھ عجب رنگ ہر زیر فلک مینائی جھوٹی آتی ہے سستی ہے گھٹاپہ چھپائی
غنجی دل جو کھلا پھول کی خوشبو آئی ڈوب کر عطر سرت میں صبا اتر آئی

خم بھرے شیشے کھلے دویر سا آنا
 فرخ کھتا ہے کہ لینا مجھے پکڑ آیا
 اٹھ گئے آج در دل سودہ پر دے گھرے جیکے ہر طرح کی امید کے بیٹھے پھرے
 موجیں آہوں کی بنیں سا: طریقے پھرے باتیں کی یہ کھان عدو کے بھرے
 کھل گیا غیب و بطل مع مسود کا آج
 سامنا ہو ہی گیا شاہ مقصود کا آج
 بن کے پیشانی محبوب نصیباً چمکا رہ گیا دُوب کے تارِ اشبِ رُغم کا
 چشمہ ہمسرہ ہوا دیدہ تر شبنم کا اب ہے سر اور در امید گہ عالم کا
 بخت جاگے ہوئے میں عالم ہشیار کی
 خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ بیدار کی
 اللہ اللہ یہ وہی ہار گہ عالی ہے سرگردوں کو جہاں حسرت پامال کی
 عیش و عشرت سی بھری کلفتوں کی خالی ہے ہاتھ باندھے ہوئے استاد و خوش تقبال کی
 سطوتِ رعب و اب اپنی ہوا باندھ کر ہو
 لشکرِ لطف غنایات پر اباندھے ہو
 ۱۰ غمِ ہم سے ملا درد و اکت پہونچا ذرہ اس درجہ بڑھا اوج سما تک پہونچا
 دامنِ عجزِ کد دستِ عطا تک پہونچا تھا جو ناکام و اب کام رو تک پہونچا
 لب پر آتے ہی دعا باب اثر کی پہونچی
 نخل سے چھوٹتے ہی شاخِ ثمر تک پہونچی
 ہوشیار و دل ستانہ صہما و حضو تاکجا جو مستش دریا قناتے حضور

سفر حیدر آباد کن

حضرت امیر کے بعض فرزند جو ملازمت کے خواہاں تھے اور حضرت کو بھی انکی بے ہادوشی گراں تھی انکی کوشش و ترغیب بار بار حضرت کو اس جانب مائل کرتی تھی کہ سفر و کن اختیار کیا جائے زمانہ دراز سے اس خاندان کے بیشتر افراد سلطنت کے منہجہ اور ممتاز عہدوں پر فائز تھے ایسے سلطنت آصفیہ فرزند ان امیر کے لئے

کوئی بیگانہ مقام نہ تھا مگر یا اینہمہ حضرت کو پیرانہ سالی اور نادوستی خراج ملنے رہتی تھی اب جبکہ بنارس میں علحضرت سے ملنے کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا اور ارکان دولت ایماء خسروی سے مقرر تھے کہ سفر دکن کیا جائے حضرت امیر کو تامل کا موقع نہ رہا۔ فرزندوں کی خواہش کے ساتھ تکمیل امیر اللغات کا خیال بھی حضرت کو کچھ کم نہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ زیارتِ روضہ مبارک حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا اشتیاق حضرت امیر کو ایک عمر سے تھا کیونکہ ارادت و عقیدت بزرگانِ ملت سے حضرت امیر کو پیدائشی تھی۔ اور حضرت بندہ نواز تو حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے چشم و چراغ ہیں جن سے مخدوم شاہ مینا کا سلسلہ طریقت منور ہے۔ اس غرض سے ریاست رامپور سے رخصت لیکر حضرت دوسری بار بھوپال گئے کیونکہ راہ میں بوجہ بُعد مسافت کسی نہ کسی جگہ توقف کرنے کی ضرورت تھی۔ مہکار عالیہ نے حضرت امیر کو حسب سابق باعزاز تمام مہمان کیا اور ایک ماہ کے بعد رخصت فرمایا۔ حضرت مع دو فرزندوں لطیف احمد صاحب اختر مینائی۔ مسعود احمد صاحب ضمیر مینائی اور برادر زادہ لیاقت حسین صاحب مینائی۔ اور خادم راقم الحروف کے گلبرگہ تشریف لا کر فاتحہ و زیارت سے مشرف ہوئے۔ دکن سے احباب امیر کے خطوط اور طلب کے تار بھوپال ہی میں آنے لگے تھے اور اب گلبرگہ تشریف پہنچنے پر تو خطوط اور تاروں کا تانتا بندہ گیا دو روز قیام کرنے کے بعد حیدرآباد کی جانب روانگی میں آئی۔ علحضرت کے مقربانِ خاص میں کئی صاحب حضرت سے ارادت و عقیدت

رکتے تھے جو نصر تھے کہ حضرت کا قیام ہمارے یہاں ہو نواب مشرف جنگ بہا
 المتخلص بہ فیاض نے حضرت کو اپنے یہاں ٹھہرانے کا بطور خاص اہتمام کیا تھا
 اور جناب داغ کا اصرار تھا کہ میرے تعلقات قدیم ہیں یہ کیونکر ممکن ہے
 کہ امیر حیدر آباد آئیں اور کہیں اور ٹھہریں۔ آخر میں جناب داغ کا ایک خط پہنچا
 کہ آج حضرت اقدس واعلیٰ نے یہ طے فرما دیا ہے کہ امیر داغ کے مکان
 پر فرودکش ہوں جناب داغ سے اور ان سے بہت دیرینہ خصوصیات تھے
 جسکا اندازہ عام طور پر نہیں کیا جاسکتا تھا۔

۱۰۔ ارجاوی الاول ۱۳۱۸ھ پنخشبہ کو اسٹیشن حیدر آباد پر حضرت کا خیر مقدم
 بہت شان سے کیا گیا۔ اسٹیشن پر اسقدر جمع تھا کہ پلٹ فارم پر جگہ نہیں
 ملتی تھی سب کے پہلے مولوی عبدالجبار خان صاحب آصفی اور حضرت کے
 شاگرد رشید پنڈت رتن ناتھ صاحب سرشار مصنف فسانہ آزاد بڑا ہر دست
 بوس ہوئے حضرت سرشار کے ملنے سے بہت مسرور ہوئے جنکو تیس برس کے بعد
 دیکھا تھا۔ سرکاری گاڑیاں موجود تھیں حضرت امیر سب احباب سے مصافحہ
 و معانقہ کے بعد سوار ہو کر جناب داغ کے مکان پر تشریف لائے۔ دو سہ دن
 جمعہ تھا افضل گنج کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی گئی اور خیال تھا کہ ایک دو دن کے
 بعد بارگاہ خسروئی میں باریابی ہوگی کہ حضرت امیر کو شبہ ہی کے روز صبح سے
 صفرے کا ہیجان ہوا اور آخر کار شدید پیشپس ہو گئی اس زمانہ بیماری میں حضرت
 امیر کی عیادت سرزمین السلطنہ بہاراجہ پیشکار و وزیر اعظم کی جانب سے جو اس
 زمانہ میں وزیر افواج سرکار عالی تھے قریب قریب روزانہ کیجاتی تھی۔

حضور اقدس اعلیٰ کے ایمان سے محمد ابراہیم صاحب ہر روز مزاج پر سی
کیلئے آتے تھے اور یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ میں نے مصرعِ طرح تجویز کیا ہے
آپ کی طبیعت درست ہو جائے تو بہو گنا۔ محمد ابراہیم صاحب کا بیان تھا
کہ میں نے عرض کیا کہ سرکار مصرعِ طبع غایت فرما دیں ارشاد ہوا کہ نہیں امیر صاحب کی
طبیعت پر بار پڑنا مضر ہوگا۔ جنابِ دلغ نے تیمارداری اور علاج میں دلسوزی کا
کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

ایک ہمینہ تک جب مرض میں افاقہ نہ ہوا تو اطباء کی رائے سے مکان تبدیل
کیا گیا تو پ کے سانچے پر نواب متہور الملک بہادر کے بنگلہ کے قریب ایک بنگلہ
میں اٹھ گئے۔ علاج میں بہت کوشش کی گئی مگر مشیتِ الہی کے آگے کوئی
تدبیر کیا کام آ سکتی ہے الغرض ایک ہمینہ آٹھ روز علیل رہ کر ۱۱ جمادی الثانی
۱۳۱۸ھ گزرنے کے بعد نصف شب کو واصلِ جنت ہوئے۔

افسوس تک جو رحم نہ آیا کچھ اے اہل
مارا کہاں امیرِ غریب الدیار کو
نماز جنازہ مولوی فضل حق صاحب فرزند مولوی عنایت علی صاحب بلوچی
پڑھائی۔ درگاہِ حضرت یوسف صاحب شریف صاحب میں نہ فون ہوئے۔
لوہ مزار پر یہ تیاریں کس نہ کی گئی

امیرِ کشور معنی امیرِ مینائی خدا کے عاشق صادق دیناری کے فقیر
گئے جو خلد بریں کو تو انکی تربت پر جلیل نے یہ لکھا روضہ جناب امیر
جس پتھر پر تیاریں کس نہ ہے انکی پشت پر جو بیرونی جانب ہے صاحبِ مزار کا

یہ شعر جلی حروف میں نقش ہے اور دُور سے پڑھا جاتا ہے۔

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں
پھر اس قدر بھی ہمارا نشان ہے نہ رہے
ایمیر

مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث راہپوری کو جنہیں حضرت امیر سے
ایسا اتحاد تھا کہ یک جان و دو قالب تھے جو وقت اس واقعہ کی خبر پہنچی
راقم الحروف کو تحریر فرمایا کہ امیر کے مزار پر جا کر میری طرف سے سلام کہو
اور یہ شعر پڑھو۔

دیدہ سعدی و دل بہار دست تانہ پنداری کہ تنہا میروی
حضرت امیر کا ماتم تمام اخبارات و رسائل میں بہت دنوں تک
کیا گیا۔

امیر مغفور کا یہ سفر آخرت تھا قضا و قدر کے عجیب کرشمے ہیں کہاں
پیدا ہوئے کہاں عمر بسر کی اور کہاں موت آئی بآئیں امراض و کموت کے
یہی معنی ہیں سوا خداوند علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا کہ کس زمیں پر مرے گا۔
حالت مرض میں ایک دن حضرت نے فرمایا تھا کہ یہاں مرنے کے لئے آنا ہوا ہے
اٹھائے راہ میں ایک مُدس مدحیہ سرکار کہا تھا اُسیں بعض مصرع ایسے
ہیں جن سے سفر آخرت کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

آپ کا ایک مشہور شعر یہ بھی ہے جو دیوانِ نعتیہ میں چھپا ہے۔

اب نہ ٹھہروں جو کرے میری خوشا بد بھی ملن
کہ پکارا ہے غریب الوطنی نے مجھ کو

لفظِ غریب الوطنی میں تاریخِ رحلت لکھتی ہے یعنی ۱۳۱۸ھ میں جو انکی وفات کا سال ہے۔ بعض شاعروں کی اس پر نظر پڑی اور اخباروں میں یہ شہر بار بار چھایا گیا کیونکہ غربت میں موت آنے کی اس سے زیادہ کیا صراحت ہوگی اور یہ عجیب پیشین گوئی تھی۔

حضرت امیر کی موت ویسی ہی ہوئی جیسی اہل اللہ کی ہوتی ہے آخر دم تک نہایت بیدار رہے انکے ایمان سے قرآنِ پاک کی سورتیں پڑھی جاتی تھیں اور وہ خود ذکر میں مشغول تھے۔ دیر تک یہ حالت رہی اسی حالت میں ایک بار آنکھیں کھول کے کسی کو غور سے دیکھا اور روح پر واکہ کر گئی معلوم نہیں کہ کیا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ انکے مراتبِ قربِ اختصاص بلند کرے اور انکی رحمت سے بطفیل حضرت رحمۃ اللعالمین ہم سب کی مغفرت فرمائے۔ حضرت پہلے سے ایک وصیت نامہ لکھ گئے تھے جس میں سب مسلمانانِ خصوصاً اعزاً و احباب سے دعائے مغفرت و ایصالِ ثواب کی التجا کی تھی۔ جب ہدایت وہ وصیت شائع کر دی گئی اور ہر جگہ اسکی تمسیل بھی ہوئی۔

مہ جس کمرے میں آپکا پلنگ تھا ایک لمپ شون تھانزع کی حالت شروع ہوتے ہی انکی روشنی گھٹ گئی اور بت بیدار کم ہوتی گئی جو وقت روح نے پرواز کی لمپ خود بخود گل ہو گیا۔ خیال ہوا کہ شاید تیل نہیں ہے مگر دیکھا تو تیل موجود تھا۔

قطعات تاریخ وفات

حلتِ امیر کی صد ہا تاریخیں شہر نے کہیں اور اخباروں میں چھپی ہیں
اس جگہ حینِ تاریخیں نقل کی جاتی ہیں۔

از عالجہ مبارک بہاؤین السلطنۃ پیشکارِ عظمیٰ صاحبِ کرامت
میت

از دارِ جہاں امیر رفتہ فریاد گفتارِ رضواں کہ گشتِ فردوس آباد
گفتیم دعائے جنینِ سالِ وفات محمود بود آخرتِ او۔ اوشاد
۱۳۱۸ھ

از جنابِ ابِ فصیحِ الملک ساجدِ رابعِ دہلوی

و اے دیلا چل بسا دنیا سے وہ جو مرا ہم فن تھا میرا ہر صغیر
مہمطفے آباد سے آیا دکن۔ یہ منہ تھا اُس مسافر کا اخیر
و اے حدتِ صفرا و تپ مورو آزارِ اسہال و زحیر
گو بنانا ہر تھا امیر احمد لقب در حقیقت باطنِ پایا فقیر
شاہِ مبنائے ہے تسلیِ سلسلہ شاعری میں خاصِ تلمیذِ امیر
نہ دعا بھی داغ کی تیغ بھی قصرِ عالی پائے جنت میں امیر
۱۳۱۸ھ

ولہ
چل بے داغ کے بہت اجباب
رات دن جبکہ غم میں ہے دلگیر
آج اس غم کی یہ کہی تایرخ
اب ہوا دل پہ آہ داغ میر
۱۸ ۱۳

ولہ
کر گئے حلت امیر حسد امیر
اب نشاط زندگی جاتا رہا
ملگی تایرخ دل سے داغ کے
آہ لطف شاعری جاتا رہا
۱۸ ۱۳

از جناب حکیم سید بن علی صبا جلال الکھنوی

کجا امیر کجا سرزمین ملک و کن
کہاں قیام تھا دفن کہاں ہو اجڑ
جلال لکھد ویتایخ آنکی حلت کی
امیر ہو گئے صد وایک مرد غریب
۱۹

از جناب مولوی حافظ ساجد علی صبا کا کوڑی دکنی جلال امیر کا کوڑی دکنی

درینا کہ مہر پہر کمال
آمیر عوالی حلقہ ببرد
سخن بود پیکر وانش امیر
چہ گویم چہ عالی مناقب ببرد
کنون آن کجا آب و تاب سخن
کہ شاعر طلبیل الطرب ببرد
۱۸ ۱۳

از مولف حقیر

جلیل نے سر بزم عزایہ پوچھا آج وہ کون تھے جنہیں روئے ہیں سا کشیدنی
پڑھا جواب میں ٹھکرہ اکیلے مصع ایسے کشورِ معنی میتِ منائی
۱۸ ۱۳ ھ

بعض حالات و مقالات

حضرت امیرِ خلق مجسم اور سراپا تہذیب تھے کبھی کسی کی برائی انکی زبان سے نہیں سُنی گئی۔ اور وہ کسی کی برائی سُنتے بھی نہ تھے۔ شگفتہ مزاج تھے۔ کوئی کسی ہی خطا کرے خفا نہیں ہوتے تھے نہ پر سے شریر اور خائن ملازم کو بھی کبھی علیحدہ نہیں کیا۔ اطفال اور خدام کو بھی تر اور آپ کے سوا کبھی تو لکے مخاطب نہیں کرتے تھے زہد و ورع ان کی فطرت میں تھا۔ فتوے پر تقوے کو اختیار کرتے تھے۔ ان کے دو ہی مشاغل تھے عبادت و ریاضات یا تصنیف و تالیف ان کی سمجھت میں سوادینی اور علمی تذکرے کے اور کسی چیز کا ذکر مشکل سے آتا تھا۔ اگرچہ حضرت امیر کو دربارِ سلاطین سے تعلق رہا۔ مگر درحقیقت وہ دنیا دار نہ تھے۔ بظاہر امیر تھے باطناً فقیر۔ تقریباً ہر ایک سے دُعا کے حسنِ خانہ کی فرمایش کرتے تھے خطوں میں لکھتے بھی تھے۔ جناب داغ دہلوی نے بہت

صحیح کہا ہے۔

گو بظاہر تھا امیر احمد لقب درحقیقت باطناً پایا فقیر
میا نصاحب قبلہ (مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث رامپوری)
اور حضرت شاہ محمد معصوم صاحب نقش بندۃ المجدوی سے انتہا کا
خلوص تھا انہیں سے روزانہ صحبت رہتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ کیسی
صحبت ہوگی۔

میا نصاحب قبلہ کے والد ماجد مولانا سید حسن شاہ صاحب محدث
بھی جو صورتاً و سیرتاً صاحبہ سے مشابہ تھے امیر صاحب سے غایت درجہ
اُنس رکھتے تھے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ منشی صاحب عزیز الوجود ہیں۔
حضرت امیر میں نورانیت ایسی تھی جس سے انکی روشنی ظاہر ہوتی تھی
ایک دن ایک بزرگ نے کہا کہ منشی صاحب کی صورت دیکھنے سے ایمان
تازہ ہوتا ہے اس پر میا نصاحب قبلہ نے فرمایا کہ جو آپ کھتے ہیں میں بھی
وہی کھتا ہوں۔

میا نصاحب قبلہ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ منشی صاحب کج اللہ تعالیٰ نے
عجیب جامع کمالات پیدا کیا ہے اگر اہل فراست کے زمرے میں دیکھا
جائے تو وہ وزیر سلطنت ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں اگر اہل علم کے زمرے
میں دیکھا جائے تو مترجم علمائے اگر درویشوں کے زمرے میں دیکھا جائے
تو سب کے مرشد ہیں اگر سفراء کے زمرے میں دیکھا جائے تو ملک لشکر ہیں۔
حضرت امیر نے کسی شاگرد کی نسبت کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے شاگرد ہیں

بلکہ یہ کہتے تھے کہ میرے اجاب میں ہیں جب کوئی اُنکے کمال کی تعریف کرتا تو تو کبھی یہ کہتے کہ ع

عالم ہم پر زما و ماہیج
اور کبھی یہ کہتے تھے کہ جب کمال اٹھ جاتے ہیں تو ناقص ہی کو لوگ کمال کہنے لگتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے کبھی اپنے آپ کو کچھ سمجھا ہی نہیں یہی دلیل اُنکے کمال کی ہے۔

کسی شاگرد نے اُنکے کسی شعر کی تعریف اُنکے سامنے نہیں کی غالباً اُنکو یہ خیال ہو گا کہ ہمارا تعریف کرنا چھوٹا نمٹہ بڑی بات ہے۔

میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت کی مشق سخن دیکھنے کی حیرت ہوتی ہے کسی استاد میں یہ بات نہوگی اس کے جواب میں فرمایا کہ میاں علیل میری مشق کیا؟ مشق تھی حضرت امیر کی میں اُنکے سامنے ایک قطرہ ہوں اسی طرح میں نے بھی ایک مرتبہ اُن سے عرض کیا تھا کہ آپ کی مشق دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اُنھوں نے فرمایا کہ میاں امیر میری مشق کیا ہے مشق تھی حضرت مصحفی کی وہ سمندر تھے میں اُنکے سامنے ایک قطرہ ہوں۔

فرماتے تھے کہ شاعر جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اپنے کسی لائق شاگرد کا شاگرد ہو جاتا ہے یعنی لائق شاگردوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ استاد کا کام غور سے دیکھیں اور اگر کہیں کوئی کمزوری نظر آئے تو اُس سے آگاہ کر دیں۔

یہ ارشاد شاید اس وجہ سے ہو گا کہ حضرت امیر کا دستور تھا کہ اپنا کلام اُس وقت تک شائع نہیں کرتے تھے جب تک امیر نظر غور سے دیکھ نہ لیتے تھے۔

فرماتے تھے کہ انسان میں دو جوہر ہونا لازم ہے۔ اللہ سے ڈرنا اور کمال پیدا کرنا۔
فرماتے تھے کہ لوگ دنیا کے تکلفات کو باعثِ عزت سمجھتے ہیں یہ انکی غلطی ہے
عزت صرف کمال پیدا کرنے میں ہے۔

عمدہ لباس۔ عمدہ غذا۔ عمدہ مکان و سامان پر انکو مطلق نظر نہ تھی اگرچہ
یہ سب چیزیں اللہ نے انکو دی تھیں۔

اہل علم و فضل جو باہر سے راہپور آتے تھے حضرت سے ضرور ملتے تھے۔ مولوی
مشتاق حسین صاحب وقار الملک۔ مولوی مہدی علی خاں صاحب محسن الملک
اور مولوی ذکاؤ اللہ صاحب دہلوی۔ مولانا حالی۔ مولانا شبلی۔ ان سب صحابہ
حضرت کے پاس آتے ہیں نے دیکھا ہے۔

فرماتے تھے کہ مرزا غالب کی ذہانت اور انکی طبیعت کا ہر وقت حاضر رہنا
غیر معمولی تھا۔ ان کا یہ شغف اکثر پڑھتے تھے اور انکو بہت پسند کرتے تھے۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا میری جو شامت آکر

اٹھا اور اٹھکے قدم میں نے پاس پا لیا کیلئے

فرماتے تھے ضعف پیری سے مرزا غالب کو اصلاح دینا بار ہوتا تھا جس کا رد کا
کلام آتا فقط ایک مطلع دیکھ لیتے اور واپس کر دیتے کہ اس سے زیادہ طاقت نہیں ہے۔
راہپور میں مرزا غالب سے ایک سقے نے امداد طلب کی تھی کہ لڑکی کا عقد
درمیش بے انھوں نے امداد کا وعدہ کر لیا تھا۔ اتفاق سے راہپور سے رخصت ہو کر
دلی کو چلے اور رخصتانہ نہ ملا شاید نواب صاحب کو خیال نہیں رہا تھا حضرت میر کو
خیال آیا تو نواب صاحب سے عرض کر کے رخصتانہ بھجوا دیا۔ انکی بالکی شہر سے باہر

جاچکی تھی چو بداروں نے پہنچکر رستم پیش کی مرزا صاحب نے پالکی دیں کھوانی
اور چو بداروں سے کہا کہ فلاں سقے کو میرے پاس بھیجیں اُس سے وعدہ کر چکا
ہوں غرض جب وہ آیا اور اسکو روپیے دیچکے تب پالکی اٹھائی گئی
میر صاحب کی زبان پر یہ اشعار اکثر آتے تھے۔

ستم ست گر ہوست کشد کہ بہ سیر سر دہمن درا
تو ز غنچہ کم نہ دبیدہ در دل کشا بہ چمن درا

مرزا میر

شام کہ از قیباں دامن کشان گذشتی گوشت خاکِ ماہم برباد رفتہ باشد غریب

دل کونالوں کی دم نزع ہو س یا ہے منزل آخر ہوئی فریادِ جوس باقی ہے۔ تیر

لگیں تلواریں چلنے اُس ادا پر باتکوں تر چھوئیں
ذرا کج ہو کے بیٹھا تھا وہ قائل پشتِ توسن پر مٹھی

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے یہ سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے تیر ناگداج

ناؤ کی اُن کے لب کی کیا کیسے تیکھڑی اک گلاب کی سی ہے تیر

تردانی پیشخ تو میری نخبِ امُو دامنِ نچوڑ دوں تو فرشتےِ ضمیرِ خواہ میر

ہر طرف مصروف ہیں زاہد نماز صبح میں گردن مینا کو بھی لازم ہے اب خم کھجے بس

دل کو رکھ دیتے ہیں یہ کہل کر کھان دارنویں ہم جو اڑا دے اس نشانے کو وہ تیر انداز ہے ہنس

مرزا دبیر میر انیس دونوں کو باکمال سمجھتے تھے اور دونوں کے مداح تھے
فرماتے تھے کہ انیس کی چست بندشیں قابل آفریں ہیں ایسے ہی چست شعر کہنا چاہو
سدا بے فکر ترقی بہت بدینوں کو ہم آسمان سے لائے ہیں ان بدینوں کو
یہ جھڑپاں نہیں ہاتھو نیچے پیچنے چنا جو جامہ اصلی کی آستینوں کو
لگا رہا ہوں میں گلہاؤں کے پھر انبار خبر کر دیرے خرم کے خوشہ چینوں کو

خیال خاطر احباب چائے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگیا کر آگینوں کو

فرماتے تھے کہ ”سدا کا لفظ بہت فصیح ہے متوسطین نے اسکو ناحق ترک کر دیا میراجی
چاہتا ہے کہ اسکا استعمال کروں“ مگر کبھی استعمال نہیں کیا اور لطف یہ ہے کہ داغ
صاحب سے جب حیدر آباد میں یکجائی ہوئی تو انکو بھی یہی کہتے سنا کہ سدا کا لفظ استعمال
کرنے کو جی چاہتا ہے“ مگر انہوں نے بھی کبھی استعمال نہیں کیا یہ ان حضرات کی احتیاط
کا مقتضا تھا ورنہ استعمال کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مرزا کو حضرت پسند کرتے تھے بشرطیکہ انیس کوئی ندرت اور متانت ہو۔

جناب تسلیم نے ایک شعر سنایا۔

بے عجب اسکو کیا شوخی نے میری وصل میں اک۔ بات ایسی کہی جامہ سے باہر ہو گیا۔

حضرت نے اُن کے کان میں کہا کہ آپ نے بڑی بی کہدیا ہوگا۔
 حضرت امیر کی طبیعت میں گرمی اور شوخی بے انتہا تھی جو شاعری تک محدود تھی بعض لوگ کہتے تھے
 کہ حضرت کو دیکھنے کے بعد تعجب ہوتا ہے کہ یہ شاعری انہیں کی ہے۔
 میا نصاب قبلہ نے ہارون رشید کا اتک تیلخی و ہفتہ حضرت سے بیان کیا امیں حسین عورت کا
 بھی کرتھا سلسلہ تقریر میں میا نصاب نے حضرت سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ مسلمان ہی بڑھکر
 عورت کا کوئی قدر دان نہیں ہوتا (یعنی مسلمان اس صفت میں سب قوموں سے بڑھے ہوئے ہیں)
 اس پر حضرت بے اختیار ہنسے اور ہمیشہ اس برجستہ فقرے کو یاد کر کے ہنس فرماتے تھے۔
 زرا تو تھے مولوی ولی مسند غاں را پوری کو جو فارسی گو تھے اپنے شعر
 سنائے گا بہت شوق تھا اور مرزا غالب اس سے واقف ہو چکے تھے ایک دن رامپور میں
 خانصاحب موصوف غالب سے ملنے آئے۔ اور حسب عادت شعر پڑھنا شروع کیا۔
 ایک مطلع سنتے ہی غالب نے کہا کہ جھکواٹھاؤ (ضعف کی وجہ سے اٹھنے میں سہارا
 درکار ہوتا تھا) لوگوں نے اٹھایا۔ مرزا صاحب دلی چڑخاں کے گرد پھرے۔ سر پر
 بوسیدہ اور کہا اس سے زیادہ سننے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔
 ایک دن باہر کے بعض قابل لوگ حضرت سے ملنے آئے مسائل شاعری کے متعلق استفادہ
 کیا بعد ازاں حضرت سے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ دیرگاہ سلامت رکھے آپ کے
 بعد ہم ایسے عاجز و کمزور کس سے رجوع کرنا چاہتے ہیں (راقم الحروف) الگ بٹھا
 کچھ لکھ رہا تھا حضرت نے اُنکے جواب میں میری طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ
 ان سے رجوع کرنا چاہتے وہ لوگ اُنھے اور مجھ سے مصافحہ کیا میں ان واقعہ سے
 سخت حیرت زدہ ہوا اور شرم سے آپ آپ ہو گیا کیونکہ حضرت کے بہت سے

قابل و فاضل قدیم تلامذہ موجود تھے جبکہ آگے میری کوئی ہستی نہ تھی۔
 علم عروض کے تمام جزئیات اور زعمائے جملہ حضرت امیر کو مستحضر تھے
 ایسا بہت کم دیکھا گیا ہے۔ کتاب شجرۃ العروض مصنفہ حضرت امیر اُن کے
 صاحبزادوں کے ساتھ میں نے بھی اُن سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔
 فرماتے تھے کہ میرے استاد معقولات مفتی سعد اللہ صاحب کی طبیعت
 موزوں نہ تھی مگر عروض کی خدمت کرنے سے موزوں ہو گئی۔ عروض میں مفتی صاحب
 کی تصنیف معیارِ شہور ہے جسکی شرح زرِ کامل حیار حضرت امیر نے لکھی ہے۔
 شاگردوں کی اصلاح و تعلیم کی جانب خاص توجہ تھی اور وہی توجہ اس کا باعث
 ہوئی کہ کثرت سے لوگ فیضیاب ہوئے۔
 کوئی صاحبِ شعر سننے کی اجازت چاہتے تو اُن سے حضرت امیر
 فرماتے تھے۔

ہمہ گوشیم تا چہ منبری
 اب جبکہ حضرت امیر استادِ الہام تھے اکثر فرماتے تھے کہ اگر حضرت امیر
 زندہ ہوتے تو اب بھی میں اپنا کلام اصلاح کے لئے پیش کرتا۔
 حضرت اپنے شاگردوں سے اکثر فرماتے تھے۔ ع
 دورِ محبوں گزشت و نوبت ماست
 یعنی میری قوتِ گویائی ہو چکی اب تمہاری زورِ آوری کا زمانہ ہے اصلاحِ جملہ
 بھلاؤں کے لئے۔ بھلا ہوا دُلّ پہنچے بھلا ہے خیر۔ اس سے یہ اثرِ نادر
 اب میری حالت ہے۔

خطوط وغیرہ میں اپنا نام کبھی فقیر امیر احمد امیر لکھتے تھے اور کبھی فقیر امیر اور کبھی امیر فقیر۔ غرض فقیر کا لفظ ضرور ہوتا تھا جو امیر کے لئے بالخصوص موزوں تھا۔ فرماتے تھے جی چاہتا ہے کہ خداوند تعالیٰ تجھ کو دنیا سے اٹھا کے جنت میں پہچاؤ بیچ کے مرحلوں سے سابقہ نہ پڑے اور یہ اسکی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔

فرزندِ ان حضرت امیر مینائی

حضرت امیر کی یادگار اُنکے پانچ فرزند ارجمند ہیں جن سے مرحوم کا نام اس ^{فرزند} میں زندہ اور باقی ہے اللہ تعالیٰ اس چمن مینائی کو سرسبز و شاداب رکھے۔ استاد زادوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

مولوی منشی محمد احمد صاحب مینائی

ان کا تخلص پہلے قمر تھا۔ اب صریح ہے فنِ شعر میں موجودہ عالی منزلت ^{حسب} نواب والی رامپور بالقابہ کے استاد ہیں جلیل حضرت امیر نواب خلد آشیان کلب علیخان کے استاد تھے علم و فضل اعلیٰ قابلیت اور صفات عالیہ سے متصف اور اپنے والد بزرگوار کے جانشین حقیقی ہیں۔ آپ کی شاعری زبردست اور آپ کی تحریر بہ نیت ہے۔ نواب خلد آشیان کے عہد سے مغزِ خدمات پر مامور رہے اور اس وقت نواب صاحب کے اسٹاف میں ممتاز صاحب ملوہ قابلِ محترم اور ذہنی اعتبار ہیں۔ آپ کا دیوان مرتب

جو ابھی طبع نہیں ہوا۔ چند اشعار گہر شاعرانہ لکھے جاتے ہیں۔
 یہ ملا تجھ سے دلربا مل کے ناز اٹھانے پڑے میں مل کے
 ہاے مجھ سے چلے وہ تیغ کی چال مار ڈالا مجھے گلے مل کے
 بن کے انجان کہتی ہے لیلیٰ کون روتا ہے پیچھے محل کے

دیکھ لیتا ہوں جو آنکھیں اسکی شرمیلی ہوئی آہ نہیں سکتی زبان تک لین بات آئی ہوئی
 اُن سے کہتی ہر نزاکت وقت آرائش تیر جان پریاں نگہی اچھی خود آرائی ہوئی

لن ترانی کی صدا آئی تو موسیٰ نے کہا آشنا کان ہیں کچھ کچھ یہ سخن کس کا ہے

کچھ اس رنگ سے غنچہ گلشن میں چٹکا کہ یاد آگیا محکوبچین کسی کا
 چلے جاتے ہیں عنصم سے نخل تمنا خزان لٹ لیتی ہے گلشن کسی کا

ترے پیچان کو دم بھر روک لیتا نہ اتنا بھی ہوا میرے جگر سے
 بہت زویا مرا چاک گریباں گلے مل کر گریباں سحر سے
 جیسا نے وصل میں روک لیتا کہو شوخی اب آئینگی گدھڑے سے

وہ کہتے ہیں رنگت ہی میری خاتیں کیا صل لگے ہیں کوئی خون رس بہت میں
 کیا جانے دل ہر کہ جگر ہے وہ کسی کا اک پھول ہے آج اُن کے گریہ بن نہیں

ہائے آتنا کبھی ہے خجڑ براں نہ ہوا تو لپٹکر مری گردن سے گریباں نہ ہوا
فیض صحبت سے ہو کیا جو ہر ناقابل کو عکس انسان سے کبھی آئینہ انسان ہوا
جان کر لیمو مجھ دے۔۔۔ بلائیں لے بس میں کبھی خواب پریشاں ہی پریشاں ہوا

خورشید احمد ضامینائی

یہ حضرت امیر کے غلف الرشید جناب صریر سے چھوٹے ہیں۔ ان کی طبع
سلیم میں صلاحیت اور متانت خاص ہے ذکی اور ذہنی استعداد ہیں۔ ذہن
امیر اللغات میں جب وہ لغت زیر تالیف تھا بہت حصہ لیتے تھے شاعری کا ذوق
بھی رکھتے ہیں۔

لطیف احمد اختر ضامینائی الحاخا خیر بنو اکبر یا خیر بنو اکبر

خوش فکر اور خوشگو ہیں یہ اپنے والد کے فیض صحبت سے زیادہ مستفید ہو گئے ہیں
نظر باریک ہیں اور طبیعت نقاد ہے سکھ سکھ کو خوب پرکھتے ہیں۔ اپنے والد
حضرت امیر کے ساتھ ۱۹۱۸ء میں حیدر آباد آئے تھے جب سے یہیں ہیں۔
۱۹۱۹ء فصلی سے نیکواری سلطنت آصفیہ میں اس وقت حضور پر نور کے الطاف
خسروانہ سے محکمہ عالیہ امور مذہبی کے ناظم اور مستند ہیں۔ پاکیزہ اخلاق نفیس مزاج ہیں۔
آگے شعر بہت کہتے تھے مگر اب بوجہ مصروفی کارسز کار شاعری کا موقع کم ملتا ہے
تھوڑے سے اشعار ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

جوں ہے ان دنوں جو تمھارا ابھار پر
 بجلی گراؤ مہنکے نہ تم لالہ زار پر
 دو ایک روز کیلئے چھپنا قمر کا ہے
 آرائشوں میں بتے ہیں مصروف نازنین
 لے اضطراب تجھ کو پسند آئی کیا ادا
 مستانِ عشق کو ہے ہمیشہ چرہی ہوئی
 چین جس میں ہے محو اسی اہتمام میں
 کچھ سیرگی کا شوق نہیں گلزار کو
 یہ ارتباطِ شانہ و آسِ نہ تاج کا
 مستانِ شوق دید کو پروا نہیں کوئی
 اخترِ دلع کے واسطے کیونکہ اٹھائے ہاتھ

دہنی بہار ہے چینِ روزگار پر
 آتی ہے آپخ میرے دلِ داغدار پر
 ہونے دو ہے نقاب اگر روئی بار پر
 کچھ ناز کی کالیں نہیں چلتا سنگار پر
 تہہ جو لوٹ پوٹ دلِ ہیبت دار پر
 موقوف یہ جنوں نہیں فصلِ بہار پر
 گردِ نظر پڑے نہ کہیں روئے یار پر
 مدِ نظر ہے چوٹِ عروسِ بہار پر
 برہم نہ ساوگی ہو تمھارے سنگار پر
 اٹھ جائے یا نقاب رہے روئے بار پر
 ہے ہر اک جگہ یہ ایک دلِ ہیبت دار پر

وہ ایسے کون ہیں جو راز افشا کر نہ سکیں
 کسی نے بن سنو کر پھر قدمِ بابر نکالے ہیں
 لنگوٹ کو اک ہم دعا دیتے ہیں کیا ظالم
 ممدوح بن ہر صدقہ بھی کایں نہ مانو لنگا
 کبھی کھینا کبھی تنہا کبھی کچھ چل کے رکھنا
 ہم ایسے کاروائیں ہیں جی اک اجڑی سی ٹڑی
 جو چپ رہ کر تو کرتی ہے خوشی خود زباں پہلا

یہی کنجش آنسو ہیں ہی ہیدرِ زمانے میں
 ابھی دو چار باقی اور شاید مرنے والے ہیں
 ترے اس تیرنے کتنے کیلچے چھیدوا گئے ہیں
 کبھی تم نے کسی ناشاد کے ارمان لگا دیے ہیں
 عروسِ تیغ نے غم کے قیامت کے لگا دیے ہیں
 یہاں بانگِ بجز کسی ہی دو چار نالے ہیں
 جو کچھ کہئے شہادت کیلئے موجود نالے ہیں

گریباں اپنا۔ جاسم گل کا۔ دہن کو مچا کر
 لگاؤ ناز سے پہلے لگاؤ شوق اٹھیکر
 ملی ہے داو یہ فریاد کی اللہ رقت سے
 جنراک اللہ کیا کہنا تمہاری فکر کا اختر
 مردست جنوں سے سب یہ پُر زہن ہو چکے ہیں
 تم اپنا دل سنبھالو ہم جگر اپنا سنبھالے ہیں
 فرے لے لیکے وہ کہتے ہیں کیا پروردگار ہیں
 ترپ جاتا ہے دل ہر اثر مضمون نکال رہا ہے

کہتے جاتے ہیں وہ سنکر مڑا فسانے کو
 کچھ جو کہے تو ہے موجود لپٹ جانے کو
 پوچھے شمع سے اب سوگ میں کیوں ڈتی ہر
 عشق کی آگ خبر لیتی ہے معشوق کی بھی
 وہ چلا چال کہ بوش ارگئے رکے ساقی
 دل جلے عشق کے مرنے کو سمجھتے ہیں حیا
 صبح آئی ہے مگر دونوں کو رخصت کرنے
 یا و آئی ہے جو شب کو کبھی چشم ساقی
 ہائے اسنت کا اختر ہے یہ کہنا شب کو
 کس مصیبت میں پڑے تھپڑ کے دیوانے کو
 کیا تاتا شے کا جنوں ہر ترے دیوانے کو
 تم آیا نہ جلاتے ہوئے پردائے کو
 شمع ٹھنڈی رہی کب پھونک کے پر لہو کو
 میں سمجھتا تھا نہ ایسا ترے پیمانے کو
 کوئی کہنا نہیں پردائے سے جل جانے کو
 وہ ہیں جانے کو ادھر جان ادھر جانے کو
 صبح تک ہاتھ سے رکھا نہیں پہلنے کو
 تو اٹھا شیشے کو لیتا ہوں میں چمانے کو

جب کہا اُس نے کسی کو ہے ہماری یاد بھی
 صرف چشم شریکین کے دو اشاری چاہئے
 ہجر میں کیا لیکے اپنے دل سمجھاؤ لگا میں
 کیا کیا جلد دل کو اُنکے وعدے کا یقین
 دیر تک ترپا کیا میں بھی دل ناشاد بھی
 جان بھی اڑ جان حاضر ہے دل ناشاد بھی
 آپ جاتے ہیں تو ہوتا جا لے کچھ ارشاد بھی
 ہو کے خوش دینے لگا تجھ کو مبارکباد بھی

الامان اُس شوخ سے جو آسمان پہ کہے
ہائے کیا تاثیر رکھتی ہے سینوں کی ادا
بے رخ و راحت ہیں اگر تو ام تو اک دل ہو
جس طرف دیکھا ہے میں گلہاؤں داغ آئے نظر
ہائے یہ کہنا نہ بھول گیا کبھی اُس شوخ کا
تو تنگ رہے فقط۔ میں ہوں ستم ایسا بھی
لطف کا کیا ذکر دیتی ہے مزہ پیدا بھی
ورنہ مشکل ہے کہ رہے شاد بھی ناشاد بھی
سیر کے قابل نہ پایا گلشن ایسا بھی
سچ کہوا خیر تھیں ہے کچھ ہماری یاد بھی

ممتاز احمد رضا آرزو منیائی

یہ شاعری کے بڑے دلدادہ ہیں زیادہ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں اسجگہ
تھوڑے سے شعرا کی طبع زاد لکھے جاتے ہیں۔
لوہتی ہے زلف اُس بت کی کمر پر بار بار
بوئے گل پھولوں سے کرتی ہے گلہ گزاریں
دل کی دیکھا دیکھی چوٹی بھی ترے پیچھے پڑی
صبح اٹھ کر رزاتے ہیں تماشے کو حسین
دیکھ کر محبوں کو لیلیٰ کیسی دیوانی ہوئی
تم نے پڑے پھاڑے میری مہفت عربانی ہوئی
وہ تو دیوانہ تھا یہ بھی تجھ پہ دیوانی ہوئی
آرزو کی صورت آئینے کی حیرانی ہوئی

جسکی کلی کلی سے ہمیں ربط تھا کبھی
دن بھر تو شامیانہ بنا کوئے یار میں
پہلے سنگہار کے زلف مجھے لاؤ ہنسیں
صیاد کیا بتائیں وہ گلزار کیا ہوا
ہوتے ہی شام سایہ دیوا کیا ہوا
پھر مجھ سے پوچھنا مرے بیمار کیا ہوا

مسعود احمد صاحب ضمیر سنائی

یہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں ذہانت و طباعی میں حضرت امیر
منونہ ہیں۔ ذکاوت غیر معمولی رکھتے ہیں اور فوراً شعر کہہ لیتے ہیں علاوہ عربی فارسی میں
استعداد رکھنے کے انگریزی کے بھی ماہر ہیں۔ حضرت امیر انکو کبھی اپنے پاس سے
جدا نہیں ہونے دیتے تھے حیدر آباد کے سفر میں بھی یہ ساتھ تھے ممالک متوسطہ
برٹش انڈیا میں ملازم ہیں۔ ان کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

آٹکھ کا تارا چمک کر صبح پیشانی ہوئی	آبِ تاب جن سے کچھ ایسی نورانی ہوئی
بے تمہاری شویخوں کی چال پہچانی ہوئی	فتنہ محشر کے پردے میں چھپو گے ہم کیا
کشتی موجِ فنا وہ چینِ پیشانی ہوئی	مجھ کو غصے میں اہل کے گھات اتارا یا نے
پھلے آئینے سے حاضر میری حیرانی ہوئی	جس سین نے آمنہ مانگا سنور نے کیلے
واہ ابھی عید آئی اچھی قربانی ہوئی	خوش کیا سب کو گلے مل کے تیغِ یار نے
ایسی شرمائی کہ بدنی کی طرح پانی ہوئی	پرگئی جب وہ نگاہِ شوخ بجلی پر ضمیر



گرستہ خاک نشینوں کی یادگار ہوں میں
مٹا ہوا سا نشانِ سہر مزار ہوں میں

کارنامہ میرمنیائی

یعنی حضرت امیر منیائیؒ کے تصانیف کا انتخابِ اسپر ریویو

(مولفہ) —————

استاد سلطانِ حلیلِ تقدّر نوا فصاحتِ خباہتِ حلیل

باشینِ امیر منیائیؒ

در مطبعِ سیدی آرا شفا حیدر آباد دکن سبکدوش

۱۳۲۴ھ

•

—

—

کبیر الرحمن الرحیم

اُن وقت جبکہ امیر نے میدان سخن میں قدم رکھا ہے شاعری کا آفتاب اوج کمال پر تھا۔
معنی آفرینی بلند خیالی شوکت الفاظ لازمہ شاعری ہو گئی تھی۔ معانی و بیان فصاحت و غنایت
استعارات و تشبیہات۔ صنائع و بدائع کے دریا بہہ رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ناسخ نے جس طرح زبان کی اصلاح کی تھی اُسی طرح شاعری کی
بھی جدید بنیاد ڈالی تھی۔ انہوں نے اور اُن کے ہم عصروں نے صائب کلیم سلیم کی گویائی
اختیار کی۔ تخیل کو بہت بلندی پر پہنچا دیا جس سے شعر میں زور اور لنگر پیدا ہو گیا۔
بندش ایسی چست جیسے گندھی ہوئی چوٹی صفائی ایسی جیسے مصفا آئینہ کشا بد معنی
کی صورت دور سے نظر آجائے مثلاً

ناسخ

بلبل ہوں بوستانِ جناب امیر کا	روح القدس ہے نام مرے ہمہ گیر کا
بیعت خدا سے ہے مجھے بے واسطہ نصیب	دستِ خدا ہے نام مرے دستگیر کا
مرا سینہ مشرقِ آفتابِ داغِ ہجرال کا	طلوعِ صبحِ بھڑک چاک ہے میرِ گریباں کا
پھر جہاں آئی چین میں زخمِ دل آ لے ہوئے	پھر مرنے داغِ جگرِ آتش کے پکالے ہوئے
مسی مالیدہ لب پر رنگِ پان ہے	تماشا ہے تیرا آتشِ دہواں ہے
سیکڑوں میں کروں پر دخل کیا آواز کا	تیرا آواز دے ہے نقص تیرا انداز کا

جل اٹھا بلع اسکی برق حسن کی تاثیر سے پھول اب گلچیں اٹھاتے ہیں تو آتشگیر سے
یا دل ب سے گرمی داغ دل دیوا ہے آتش یا قوت روشن چراغ خانہ؟
یہ کہلے ہے ساعد و نکاح عالم کہ جس نے دیکھا ہو وہیم نیام تیغ قضاے بزم لعل بہ قاتل کی سترنگ
مالع صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں دل دکھا دیتا ہے میرا ٹوٹ جانا خاک کا
میرنجی میں کوئی کب کسی کا ساتھ دیتا ہے کہ تار کی میں سایہ بھی جدا ہوتا ہے انسان
ہو وطن میں خاک میر گوہر مضمون کی قدر لعل قیمت کو پہنچتے بدخشاں چھوڑ کر
آتش

خدا سہ تو سودا دے تری زلف پریشان گل جو آنکھیں میں تو نظارہ ہوا کیسے بستا گل
بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ لکھن میں گریباں پھاڑ کر چل میٹھے صحرائے دہن میں
بتوں کے عشق نے آخر دکھایا دل کو آنکھ بھی برہن پرودہ ناؤس میں فریاد کرتے ہیں
بڑا شور سنتے تھے پہلو میں ل کا جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

اسیر

ازل سے سلسلہ ہے اس جنون فتنہ سا اکل شکاف خانہ کن چاک ہی میرے گریباں کا
دل کو نالوں کی دمنج ہو س باقی ہے منزل آخر ہوئی فریاد جس باقی ہے
روح کے ساتھ ہی قالب میں قضا بھی آئی شمع آئی مرے گھر میں تو ہوا بھی آئی
ہم اجائے کیس کی جلوہ گاہ ناز ہے دنیا ہزاروں اٹھ گئے لیکن ہی رونق محفل کی

وزیر

چلا ہے ادول راحت طلب کیا شادمان کہ زمین کوئے جانان سنج دیگی آسمان ہو کر
اسی باوث تو قتل مہاشقا سے سن کر تھے اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کار دایہ کر

نہ کیا ذبح کیا چھوڑ کے بسمل قابل _____ وہیں زخم پکارا کیا قاتل قاتل
 ترچھی نظروں نہ دیکھو عاشق دلیگر کو کیسے تیرا انداز ہو سیدھا تو کر تو تیر کو
 ایسی پر زور گویائی اور ایسی پاکیزہ بندش قبل ازیں کہاں تھی اس جدت نے
 ایسی مقبولیت حاصل کی کہ اسکا اثر لکھنؤ تک محدود نہیں رہا بلکہ عالمگیر ہو گیا۔
 ہر قابل شاعر اسی جادے پر گامزن ہونے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ یہ رنگ
 ہی ایسا تھا کہ جو ذی ہوش دیکھتا مدھوش ہو جاتا تھا ملاحظہ ہونکے اور ذوق کا ایک ایک مطلع
 نسخہ مرتبہ کم اوج رفعت سے ہمارا ہو گیا آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا
 ذوق نام یوں سچی سے بالاتر ہمارا ہو گیا جسطرح پانی کنیوں کی تہ تیبا ہو گیا
 مرزا غالب نے نسخہ کے ایک مصرع پر مصرع لگا کر نکلے پایہ اعتبار کا اعتراف ایسے
 لطیف پیرائے میں کیا ہے جو قابلِ داد ہے

غالب اپنا بھی عقیدہ ہے بقول نسخہ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
 اور لکھنؤ کی سرزمین کا تو خاصہ تھا کہ جس چیز کی طرف توجہ کی اسکو آسمان تک پہنچا دیا۔
 مرثیہ گوئی کی تو ایک نئی دنیا آبا و کردی غرض اس پر زور شاعری کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرا نے لکھنؤ
 گونا گون جواہر افکار کا بڑا خزانہ جمع کر دیا اور دنیا کی آنکھیں کھول دیں کہ دیکھو شاعری اسکو کہتے ہیں
 زمین سے لے کر فکرِ عالی آسمان کردہ خدا رحمت کند ہیں شاعرانِ لکھنؤ پرور

اسوقت سوائے کلامِ ذات یہ تھا کہ اس رنگ کے خلاف کوئی تکریم تو اس شاعری کو کر کے حقیر سمجھتے تھے اور غرض بول چال میں
 شاعری کی جانی جس میں صرف زبان کی چلت پھرت ہوتی تو ان کی کوئی وقعت نہیں ہوتی تھی۔
 اسے قبل ازیں بہت سی شاعرانہ مرثیہ گوئی کی تھی مگر تیسری شاعری کا زور ان لوگوں کو خواب میں بھی
 نصیب نہیں ہوا۔ اسکی وجوہ ظاہر ہے کہ نسخہ کے دور نے ہر صنفِ شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔

اس طبقے میں حضرت امیر ممتاز نظر آتے ہیں کیونکہ علاوہ سرِ بابہ علمی و ادبی اور سیرگونی کے قدرتی
اُن میں ایسی جامعیت و ولایت کی تھی کہ تمام اصنافِ سخن میں یکساں قوت کے ساتھ شعر کہتے تھے۔ کوئی شاعر
غزل گو تھا۔ کوئی قصیدہ گو۔ کوئی مسدّدِ ثنوی گو۔ کوئی تیاج گو۔ اور امیرِ سہمہ گو تھے۔

دوسری جامعیت امیر میں تغزل کے متعلق خاص تھی یعنی امیر کے تغزل میں ناسخ و امیر کی بلند خیالی۔
آتش کی گرم بیانی۔ درد و سوز کا سوز گداز۔ مصحفی میر کے لشتر، سودا کا خنجر بھی کچھ نظر آتا ہے اور بہ کثرت
نظر آتا ہے۔
اچھے خواباں ہمہ دار نہ تو تنہا داری

حقیقت یہ ہے کہ امیر نے اس کثرتِ سحر معنی آفرینی کی ہو کہ تعین دشوار ہو گیا ہے۔ دو چار موقی
کہیں تھے ہر اُن پر ہر ایک کی نگاہ پڑتی ہو مگر جہاں انمول موتیوں کا خزانہ ہو وہاں نظم کیا کام
کر سکتی ہے بلاشبہ یہ وہی صورت ہے جو کثرتِ ظہور کی نسبت حضرت امیر نے خود ایک جگہ کہا ہے
نیرنگ اُنکی شان تجلی کے دیکھئے اتنے عیاں ہوئے کہ نظر سے نہاں ہے

امیر کے دو دیوان عاشقانہ ہیں ایک دیوانِ نعتیہ ہے۔ قصاید ہیں۔ و سونختوں کا مجموعہ ہے
مسمعاتِ فعیۃ مدحیہ میں ثنویاں ہیں۔ قطعات ہیں۔ تیاریں ہیں۔ میں ان سب کو یکجا دیکر ان کے
ناظرین کے ملاحظہ سے گزارش کرتا ہوں کہ امیر کی جامعیت کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ ہر صنف میں یکساں قوت کیلئے
شعر کہتے تھے اُس کا اندازہ ہو جا۔ اس کے بعد ایل لافات ہے مکتوبات ہیں اور دو چار کتابیں شری بھی ہیں
ان کے نمونے بھی پیش کئے جائیں گے۔

غزلیات کا پہلا دیوان جو امیر کے انکارِ رنگین کا چمن کہنا چاہئے اور جس میں رنگِ نازک اچھوتے پھلِ بکثرت
ہیں مرآۃ النیب ہے۔ ان دیوان اشعار کا انتخاب کرنا کچھ آسان نہیں ہے۔ کس کو چھوڑا جا کس کو لیا جا اور یہ
ممکن نہیں کہ سب منتخب اشعار ان اوراق میں لئے جائیں اتنی گنجائش کہاں ہے
دیوانِ نیرنگ و گل حسن تو بسیار گلچیں بہار تو زو د امان گلدار
تاہم جسے شعر لئے گئے ہیں وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں

مرآۃ الغیب

کچھ غم نہیں جو پیش ہے دفتر تصور کا عنوان نامہ نام ہے رب غفور کا
غفور کے لفظ نے شکر کو کس قدر مبلغ کر دیا ہے یعنی وا در محشر جب نامہ عصیان کے
عنوان میں لفظ غفور پہنچا جس کے منہ بخشنے والے کے ہیں تو اُس کو بخشنے ہی بنے گی۔
زاہد لیاؤ رکھ کہ نہ فل ہو چراغِ زہد جھونکا نہ آنے پائے ہوائے غور کا

مرغِ عصیان اڑ کے صیدِ بازِ رحمت ہو گیا دنگِ شاہین ترازو سے عدالت ہو گیا
شاہینِ عدالت تو یہ چاہتا تھا کہ مرغِ عصیاں کی گرفت کرے لیکن بازِ رحمت نے پہلے ہی
شکار کر لیا اور شاہینِ عدالت حیران رہ گیا۔ حاصل یہ کہ رحمت سے گناہ عفو ہو گئے
پریش کی نوبت ہی نہ آئی۔
تشنگی میں نوشِ زینم کے چستے پہ ہم اس طرح پہنچے کہ رضوان غرقِ حیرت ہو گیا

بے چھوڑا تار کوئی دستِ محنت نہ کر گیا دیا ہر چند میں ذرا سلیہ یوسف کے داماں کا
جوابِ مضہ رضوان ہی تختہ کوئے جاناں کا ✓ قضا چھڑکا دکر تیری پھرتی ہی خونِ شہناں کا
مرے ہی ہاتھ زامن اٹھا کر ناز سے چلنا ✓ مجھی سے پھر گلہ الٹا مے چاکِ گریباں کا
مضمون بہت بُرا تھا اُس کو بول چال کے پیرائے میں اس لطف سے ادا کر دیا ہے
کہ کرامت معلوم ہوتی ہے۔
جگر کو دور کر، اکہ... تنائے ناوکِ قاتل کہ دریا سو نہیں ہے یہ ایک قطرہ آبِ کمال

صفحہ دہرہ صورت گر قدرت نے امیر اسکی تصویر وہ کچھنی کہ قلم توڑ دیا
معاذہ البیابلی
سبھی غلام توڑ دیا

پچھتا رہے ہیں مگر کے آپ کیوں اب اس پہ خاک ڈالے جو کچھ ہوا ہوا
زایل ہوئی نہ بھیس بدلنے سے بوئے عشق تصویر میں بھی رنگ سرخ سے اڑا ہوا
ہے دل کا سرد مہری شوق سے چال جیسے درخت برف سے کوئی جلا ہوا
بیت
شعبہ

مٹائے دیدہ دل دونوں سے اشک غم نے عجب طفل اتر تھانہ گھر رکھنا نہ درکنا
نہ کی کس نے سفارش میری وقت قتل قاتلے کائنات تھ جوڑے تیغ نے قدموں نہ کرکنا
برابر آئینے کے بھی سمجھے قدر وہ دل کی اسے زیر قدم رکھا ہے پیش نظر رکھا
سبھی غلام توڑ دیا

جلا ناچا تہی ہو جب کسی سر سبز گلشن کا تو کلی طوف کر لیتی ہے پہلے میر خرم کا
نہ پوچھو دیکھنے کا حال ہم نے کچھ نہیں کہا کیا نرگس کی آنکھوں سے تماشہ گلشن کا
نرگس بظاہر آنکھیں کھولے ہوئے ہے مگر اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔
بہار آئی ہوائے دست جنوں عید کی ہو گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک دامن کا
نہ گل ہنستے نہ غنچے مسکراتے دونوں دیدے تمہیں کو بلو آتا نہیں انداز شیون کا
ہلال بدر دونوں میں امیر اسکی تجلی ہے یہ خاکہ ہے جوانی کا وہ نقشہ ہی درکپن کا
بیت
شعبہ

غبار اس کے لب بام تک بلند ہوا ہوائے تند کا جھونکا مجھے کمند ہوا
میرے غبار کو ہوائے بام یا رتک پھونچا یا گویا اس نے کمند کا کام کیا۔
بیت

جہاں کسی کا دکھا دل میں درد مند ہوا
لکھا تھا خط میں حال اپنی چشم حیران کا
آ میر پائے طلب جب سے توڑ کر بیٹھے
جہاں کسی کا دکھا دل میں درد مند ہوا
جلانیں آگ پہ نالاں اگر سپند ہوا
ہزار بند لہانہ کیا نہ بہت ہوا
کبھی نہ ہاتھ سوا غنیا لبند ہوا

جدت

ترے میں کھلتی ہے کچھ اندازِ بمل کا
لگا خنجر جو سینے پر ہوے کیا کیا راقیدی
نکیرین لگ دردم لینے دو پھر لڑ جگہ لڑ لینا
نئی سوجا پائی ہے غبارِ گورِ جنوں نے
آ میر تانا ہوا ثابت کشاکش سے تنفس کی
مگر کھایا ہے چکر برق نے بھی تیغِ تال کا
ہزاروں حسرتیں نکلیں جو دروازہ کھلے گا
ابھی تو میں تھکا ماندا چلا آتا ہوں منزل کا
بگولا جو اٹھا قبتہ بنا لیلیٰ کے محل کا
مسافر کو لئے جاتا ہے کہنے شوقِ منزل کا

دعوتِ وحدت

عجیب قید کی ہیں
عجیب ہلاکت ہےمضمون کی مدد کرے
کتنا کنش لڑا دیر بڑا دیا

ہو گیا بند درِ میکدہ کیا قہر ہوا
چشمِ زکس نہ ملی دیدہ آہونہ ملا
تھا اگر نشہ محشر کو دوبا لانا ہونا
بابِ توبہ کی طرح اسکو کھلا رہنا
اے جیاجیکو انہیں آنکھوں میں کیا رہنا
قامتِ یار کے سائے میں پڑا رہنا تھا

بہ چشمِ مدور

پوچھ لے قاتلِ زبان تیغ سے گزشت
دل اگر ہے نکلا کچھ مشکل نہیں دیدار یا
کتنے کس منہ سے بتائیں کیا ہو کیونکر ہوا
دیکھ لو آئینہ صورت آشنا کیونکر ہوا

زخمِ دل بکوتا دیتے میں تیرے تیر کا
دام ہے نقشِ قدم بھاگے ہوئے پھر کا
کوئی شکار زخمی ہو کر بھاگ جائے تو اُس کا نقشِ قدم اُس کی گرفتار کی باعث

ماںِ کلہاڑی

ہوتا ہے اسی طرح زخمِ دل سے چپے ہوئے قاتل کا نشان ملجاتا ہے۔
 ظالموں میں بھی ہوا ماتم ترے بچہ کا
 روتی ہے منہ پر کہاں کھ رکھ کے پتہ میر کا
 آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجھ کو دیکھ کر
 منہ نکا کرتی ہے حیرانی مری تھویر کا
 طوقِ محبوں کی گرانی کیا لگا ہوں پرچہ کا
 ایک حلقہ ہے مری اتری ہوئی نیکر کا
 کیا حقیقت دو جہان کی موت ل کے حضور
 لاٹھاں لک مختہ گوشہ ہے اس تعمیر کا
 گرم بازارِ تجلی تیری باتوں سے ہوا
 لو ہے شمع طور کی شعلہ تری تقریر کا
 گردِ باد آسا ازل سے ہوئیں وحشی امیر
 خاکِ غربت سے بنا خاکِ مری تھویر کا

جو ہر کی طرح تیغ سے جب لپٹ گیا میرے گلے سے دوڑ کے قاتل لپٹ گیا
 پروا نہ شمع سے سرِ محفل لپٹ گیا

صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کہتا کہنا
 رو کے اس شوخ سے قاصدِ سحر ونا
 بات کہنا بھی تمہارا ہے معا کہنا
 ہنس پڑے سپہ تو پھر حرفِ تنہا کہنا
 مثلِ مکتوب کہنے میں ہے کیا کیا کہنا
 نہ مری طرزِ خموشی نہ کسی کا کہنا
 مکتوب بے زبان ہو کر بھی سب کچھ بتا دیتا ہے اس طرح میری خموشی دوسروں کی

تقریر سے بہتر ہے۔
 پھاڑ کھانا ہے جو غیر دل کو جھپٹ کر
 میں کہتا ہوں سرِ شیرِ سیا کہنا
 ہو بُرا بھی تو اُسے چاہئے اچھا کہنا
 کیسے نادان ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں
 جستی طبع سے استاد کا ہے قولِ امیر
 ہو زینِ ست مگو چاہئے اچھا کہنا

نشان قدمِ قاصدِ جان سے فخرِ خانہ ہوا قدمِ رسولِ مرانگِ آستانہ ہوا
 قدمِ رسول وہ پھرتے جیسے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک کے
 نشان ہو اور رسولِ قاصد کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی قاصدِ جانوں کے آنے سے
 گھر کو یہ فخر حاصل ہوا کہ سنگ درِ قدمِ رسول ہو گیا۔

ریاضِ ہر میں پوچھو نہ میری بربادی سدا بزرگِ بواو بھر آیا ادھر روانہ ہوا
 خدا کی راہ میں دینا ہی گھر کا بھر لینا ادھر دیکھ ادھر داخلِ غزانہ ہوا
 جہنم کا جوش گھٹا تھا کہ بوی گل آئی سمندِ پوشش کا تھا کہ تازیانہ ہوا
 امید جا کے نہیں اس گلی سے آئینی بزرگِ عسمر مرانامہ بر روانہ ہوا

نیلِ کفوت
 شمعِ بیکلی

رفت کس ترک سے دینا آیا اس رخِ نور کا آگے آگے سیکڑوں کا تھا شمعِ طور کا
 جدت اس قدر شوق ہو زائد خدا کے نور کا بت بھی نہ بویا کبھی میں نے تو سنگِ طور کا
 کبھی آچلتی قیامت یہ مرا احسان بند ہی دم میرے نالوں کی بد و صورت کا
 خیر جاری کا جو ہے اخفت و اعطال وقف کرو مولیٰ کرماع الٰہی گور کا
 ہر غضب کا شوخ و بہت ہو جو محبت گور کا چکیاں لے کے زانو لال کر دے گا
 قصرِ گور کسی گور کن کی بن پڑی گھر کسی کا گڑا گھر بنگیا مزدور کا

رفت
 جدت
 نئی اور کپور
 بیک زنگ

ہوایہ جوشِ شبِ بحرِ دیدہ تر کا چراغِ دیدہ ماہی باصرے گھر کا
 چشمِ ترکے جوش سے گھر آب آب ہو گیا اور چراغِ خانہ پر دیدہ ماہی کا
 گھاں ہونے لگا۔

جس غنچے لب کو چھڑ دیا خندہ زن ہوا ✓ جس گل پہ ہم نے رنگت چلا چمن ہوا
 اگلے کی طرح نیست بتدریج تن ہوا تن پیرون تو پیر بن اپنا کفن ہوا
 اگلے کا جسم خاکستر ہو کر پیر بن ہو جاتا ہے اور وہی رفتہ رفتہ اُس کا کفن بن جاتا ہے
 کیے اگلے نیست ہو جاتا ہے یہی حال میرے تن کا ہو کہ رفتہ رفتہ
 نیست ہو گیا۔

چھڑا جو میں نے یار کو گرم سخن ہوا ✓ پیدا میری زبان سے اسکا دہن ہوا
 سو عکس آئینے میں پڑے اور مٹ گئے اس گھر میں جو گیا وہ غیب الوطن ہوا
 مٹی فی جام بن کر ازلے جہا کے شہ پہنچا ہوا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا
 رکھتا تھا پاک پرست روزِ جہا کے اس واسطے عطا نہ توں کو دین ہوا
 چھانی ہی پھاڑ پھاڑ کے اسیم شہِ انا بن کیا صدف کا رخسار پیر بن ہوا
 تار نگاہ تارِ نفس سب ہو تمام تب چار گز کسی کو میسر کفن ہوا
 یقوت وار کھل گئیں آنکھیں مزار میں یوسف کا پیر بن مرے حق میں کفن ہوا
 ممنون چارہ گر نہو امیں ہزار شکر ہر داغ تازہ مرجم داغ کہن ہوا
 صیا و قید میں مجھے کیا خواہش چمن جھاڑے جبال و پر تو قفس بھی چرچن ہوا
 نعم البدل دیا مجھے اللہ نے امیر دل ہو گیا جو خون تو رنگیں سخن ہوا
 خلوت میں تھا تو شاید مٹی تھیں امیر خلوت سے انجن میں جو آیا سخن ہوا

آنوز میں پہ آتے ہی خمیر ہو گیا یہ طفل بے جواں ہوے پیر ہو گیا
 پہلے تو ایک صفحہ سادہ تھا آئندہ دیکھا جو اس نگار نے تصویر ہو گیا

فدا کی
 دامن اگستہ ہے یا رب کس شہادت کا
 ہر گناہ زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا
 پائے استغاثے تم ٹھوکر لگاؤ کے ہزار
 سر نہ سجڑے سے اٹھیکانبدہ درگاہ کا
 عرصہ محشر سے واعظ کیا ڈراتا ہے مجھے
 وہ بھی اک میدان ہے میری شہادت کا

میں نے
 گمہ زباں پہ نہ لانا تھا بے وفائی کا
 رکھا دو جلوہ جو دعویٰ ہے خود نمائی کا
 نہ بے وفائی کا ڈرتھا نہ تم جدائی کا
 میں طویل روز قیامت کو سکے ڈرتا ہوں
 ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے سارے جہانوں کا
 ہزار بار قیامت جہاں میں آئی گئی
 کسی گنہ پہ کوئی قتل ہو میں کہتا ہوں
 بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوند کا
 اٹھا جو درد تو گہیر کے میرے دل نے کہا
 نہ یہ حال بہت کم ہے آسمان کے کہو
 یہ جو غلج حسن سے تنگ آئی ہے قبائلی
 نہیں ہے پھر غافل ہے خط کے اسے تہمد
 بدن میں سچ کو آنے سے کام کیا تھا ایمر
 گذر نہیں ہے حرم میں تو دیر کو چلے
 جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسانی کا
 کہ تو بھی داغ مجھے دے گا کیا جدائی کا
 کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا
 کہ بند بند ہے خواہاں گرہ کشائی کا
 یہ داغ ہے میری قسمت کی نارسائی کا
 چلن دکھانے کو آئی تھی بے وفائی کا
 ایمر کام کہیں بند ہے خدائی کا

دل میں جب ہمارے خیال زلف جانا ہو گیا
آنکھ میں خواب پریشاں سنکساں ہو گیا
دل کی کل ہاتھ میں لانا ہر دولت کی دلیل
یہ نگینہ جسکو ہاتھ آیا سیماں ہو گیا
گل ہوا غنچہ تو اُس کیہ صدا آئی امیر
جمع پھر ہوتا نہیں جبل پریشاں ہو گیا
نامہ اعمال ہے جب تک نہیں ملتا امیر
میرے ہاتھ آیا یہ اور میرا گریباں ہو گیا

نقشِ سخن
سبحانِ ابد
جنوں کا صفوں پر
اعلیٰ کیا ہو گا

بے نشانی کا میں ہے پھر رخ سزاوار نہ تھا
دہن یا نہ تھا کچھ کھمیا رہ نہ تھا
فتنہ تھا قبر تھا جلوہ ترا ہے پار نہ تھا
جب تلک دل کو سنہا تو نہیں دل زار نہ تھا
جب کہا اُس شے غم کوئی غمخوار نہ تھا
دروٹ اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا
کیا بلا تھی نگہ ہو شر با ساقی کی
اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا
جوشِ وحشت اسے کہتے ہیں کہ آتی ہی ہوا
ہاتھ والا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا
بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگار نہیں
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

دعا کے قابل
بہت

بندہ نوازیوں پہ خدا سے کریم تھا
کرتا نہ میں گنہ تو گناہِ عظیم تھا
کیوں تیغ ناز بھول گئی مجھ کو وقتِ قتل
میں بھی تو اک نیاز گدارِ قدیم تھا
انگھا جو میرے دل کو دُرِ گوش پارے
دیتے ہی بن پڑی سوالِ ہرِ یتیم تھا
ہم سے جو وہ کچھ یہ گلے سے لپٹ گیا
قاتل سے بڑھکے خنجر قاتلِ کریم تھا
کیا کیا نہ آفتوں کے رہی جھکوسا منے
یارِ شباب تھا کہ بلائے عظیم تھا
پہنچے تو ہم بھی جلوہ گہ یارِ مین مگر
دواک قدم بڑھا ہوا پائے کلیم تھا
کچھ آنکھوں پر گوش کی حاجت تھی مگر
منظور پرورش تھی کہ گوہرِ یتیم تھا

نذر

سامانِ عفو کیا میں کہوں مختصر یہ
بندہ گناہ گار تھا خالقِ کریم تھا
اُسکو کہاں دماغ تجلی تھا طور پر
سارا ظہور جلوہ شوقِ کلیم تھا
قاتل کے خط سے قتل کا ہوتا نہ کیونین
عنوانِ نامہ آئیہ فی صبحِ عظیم تھا

ہر جگہ جوشِ محبت کا نیا عالم ہوا
آنکھ میں آنسو جگر میں داغ دل میں غم ہوا
میں ترا ممنون ہوں اگر یہ اختیار
جب پڑی مجھ پر مصیبت تو شیرِ یک غم ہوا
چارہ گر کو لاسے ہیں اجابے ماں کیلے
لومرا زخمِ جگر بھی قابلِ مہربم ہوا
مار ڈالار و زاول کی نگاہِ لطف نے
ایک دم کا عیشِ ظالم غمِ بھر کا غم ہوا
رات بھر رویا کیا بے یار میں گلزار
صبح کو بھولوں رخصت ہو رہی غم ہوا
لذتِ شرم گنہ تھی کب فرشتوں کو نصیب
یہ مزا چکنے کو پیدا خلق میں آدم ہوا
میرے زخموں کا منہ ہی پر نکور و نا آگیا
یہ خوشی بھی کچھ خوشی تھی جس کا یہ غم ہوا
تنگ اگر جبِ عافیت میں مانگی ہوئی
حسیریں گڑیں مزاجِ آرزو و برہم ہوا

بچہ

دوست
بچہ

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب تھا
ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شبانہ تھا
کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ جان تھا
تو منکے بولے وہ منہ قابلِ نقاب تھا
لکاؤ ہم سے نہ قاتل کا ہو کا دم قتل
سبھل بھل کے ترپتے وہ اضطراب تھا
فکاسے افسرِ خورشید سہرہ کیوں کہا
سجوا بادہ نہ تھا ساغرِ شراب تھا
ہزار بار کھار کھ دیا تہِ شمشیر
میں کیا کروں تیری قسمت ہی ہوا تھا
سوالِ صل کیا یا سوالِ قتل کیا
وہاں نہیں کے سواد و سہرا جواب تھا

لیٹ کے چوم لیا منہ مار دیا نکلا ۴ نہیں کلا ان کی سوا اسکے کچھ جواب تھا
 کلیم شکر کر دھسترتک نہ ہوش آتا ۵ ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقابت تھا
 مرے جنازے پہ اب آتے شرم آج ۶ حلال کرنے کو بیٹھے تھے ججائے تھا
 وہ بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتل عام کا حکم ۷ ہنسی تھی ان کی کسی پر کوئی غائب تھا
 جولا شن پہنچی تھی قاصد کی پہنچے خط بھی ۸ رسید تو مرے خط کی تھی جواب تھا

نئی رسید ہے۔ اس غزل کا ہر شعر
 زبان کا نشتر ہے۔

اے جس تلم تو نہیں قافلے والوں جدا ۹ تیری آوازیں یہ دروہاں آیا
 بولتا کب سہوہ سفاک بکار و نہیں ہزار ۱۰ کاش خنجر ہی کہے اپنی زبان سے آیا
 دیکھ کر اس رخ و گیسو کو میں حیران آئیں ۱۱ شب تاریک میں خورشید کہاں سے آیا

غبطہ گریہ میں نہیں کرتا کہ رہتا ہوں خیال ۱۲ سوکھ کر کانٹا نہال آرزو ہو جاگا ۱۳ یا مضمون ہن
 ہے ابل پھرنے کا درد کیا دوسرے تھوڑے مثال ۱۴ سرفوارہ کنار آب جو ہو جائے گا ۱۵ عجیب شعر ہے
 اگر سر و گو تیرے قد سے مثال ۱۶ دوں تو وہ اپنی کم طرفی سے مارے خوشی کے
 فوارے کی طرح ابل پڑے۔

قربت یار و ز محبت چہ کاشنوکا کنوکر ۱۷ جو چہ بیگی زبان خنجر ہو پکار گاتیں کا ۱۸ عجیب خنجر۔ عجیب آئین
 یہ شعر بہت مشہور و مقبول ہے۔ سنا گیا کہ مسٹر سید محمود مرحوم نے جب دہ
 ہائیکورٹ الہ آباد کے جج تھے اپنے ایک فیصلہ قتل میں امیر کے اس شعر کو
 بڑی دھوم دھام سے لکھا تھا واللہ اعلم۔

ہوئے میں مع ایسا چمن میں گھر کر جواب آیا
سیاہ تہی میں میں سیہ جہا ہزار آب تشن کا
سفر مکہ ہوا آخرت کا بخیر انجام ہو خدا یا
جو گھر سے نکلے مرا جہازہ تو سامنا ہوئی کا

(ردیف ج) شوق سے لکھیں ہر عصیا ترشتے رات
ایک حمت اسکی ہر اس ساری دفتر کا جواب
اُس نے خط بھیجا جو جگو ڈاک پر ڈاکا پڑا
یار کیا کرتا نہ تھا میرے مقدر کا جواب

مقل سے وہ پہر تو قضا نے کیا یہ غرض
حاضر ہوا ب حضور میں یہ جاننا رکب
محشر میں ایک ایک ہے ہم پوچھتے پھر
آخر تمام ہو گا غم انتظار رکب

دیکھ کر ربط گل و خاریہ امید ہوئی
شاید آجائے مرا ہاتھ میں بھی دامن دوست
ملک الموت سے کہد کہ نہ تکلیف کریں
مرگ آسان ہے مگر کون سے نشیوں دوست

ایک ہے میرے حضور اور سفر کی صورت
گھر میں ہوں گھر سے نکل کر بھی نظر کی صورت
خشک ہے سیر و تن شاعر کا ہو ہوتا ہے
تب نظر آتی ہے اک صحنہ ترکی صورت
ہو نہ لائے تھے تو اڑے تھے خیر وصل آج
نہیں کیوں اڑ گئی آنکھوں سے خبر کی صورت
اس نزاکت میں ہو جان کے حد تک قاتل
ہاتھ میں تیغ چکیتی ہے کمر کی صورت
شہر شہر تو ہی کافی ہے کہو ترکیسا
اڑ کے نامہ مسرا پہنچا خبر کی صورت

بات کرنے میں تو جاتی ہی ملاقات کی رات
کیا بڑی بات رہ جاو یہیں رات کی رات

زادہ اس نفیس بھنس جائے تو اتنا پوچھوں ۱۰ کہئے کس طرح کٹی قبلہ حاجات کی رات

کیا زمیں کپڑی ہے ظالم نے میان کوئی دوست
پھٹ پڑے دشمن پہ یارب آسمان کوئے دوست
جب قدم رکھا زمیں پر آسمان پر جا پڑا
بارہا ہم نے کیا ہے امتحان کوئے دوست

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلزار آج (۲۰) پھرتی ہے باغ باغ نسیم بہار آج
جاگا ہوں عمر بھر کا ذرا اب تو سو رہوں ۱۱ کہدور سے خموش چرخِ گلزار آج
کل تک سواری کئے یقین ہے بہار کی نکلا ہے پیش خمیہ ابر بہار آج

یہ انتظار ہے سہل پہ کس کے آنے کا
ہمارے رونے پہ آتی نہیں کسے وقت
سہر جاب ہے اونچا بلند گردن موج
جاب ہے میں آنکھوں پہ رکھکے دامن موج

آزاد دل کو صاحبِ زمانے کی طرح
دیدہ و دل میں مرے رکھا ہو کیا ہے تم اشک
چشمِ فغاں اُن سے کہتی ہے اگر ارشاد ہو
ایک بارے برقِ کلیف اور کہہ کر اُسے
کتنے بیدرد اس زمانے کے اطبا ہیں امیر
کرو میں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح
رنگ پیدا کر زمیں میں جا کے دانے کی طرح
ہم بھی کچھ نرنگ کہلائیں زمانے کی طرح
چونکے مجھ کو بھی میرے آشیانے کی طرح
حال بیماروں کا سنتے ہیں فسانے کی طرح

پیرِ مِٹوں کی بزم میں بختِ سید کہاں
جنت میں جسے شام نہیں ہو سوا صبح
بے جا ہے دُخلِ غیرِ شربِ وصل لے آئیر
دروازے بند کیجئے آنے نہ پائے صبح

شکر ہے کچھ تو محبت کا ہوا رنگِ اثر
تین دن اُس نے لگائی نہ حیا میرے بعد
زینتِ محفلِ اربابِ سخن تھیں آئیر
نہ رہی ردِ لُقِ بزمِ شعرِ امیر کے بعد

بھریں مجھ تک جو آتی ہے تو گھبراتی ہے نیند
مانگ کر پلکوں کے پر آنکھوں سے اڑ جاتی ہے نیند
جاگنے میں جو فرشتوں کو نہیں آتا نظر
وہ تماشِ خواب میں انساں کو دکھلاتی ہے نیند

خنجرِ قاتل نہ کر اتنا روانی پر گھمنڈ
سخت کمِ طرفی ہو اک بوندِ پانی پر گھمنڈ
دیکھ او نادان کہ پیری کا زمانہ ہے قریب
کیا لڑکین ہو کہ کرتا ہے جوانی پر گھمنڈ
دیکھنے والوں کی آنکھیں آپ نہ کہیں نہیں
حق بجانب ہو اگر ہے سن ترانی پر گھمنڈ

فی الشرف ہے اگر رخصت ہی ہو بد نظر اتنا چھر جاؤ
کہ اپنے داغِ دل کی اشرفی باندہ ہو نہیں بازو

یہی سوزِ دل ہے تو محشر میں جل کر
جہنم اگل دے گا چمکو نگل کر
یہ کہتی ہے وہ زلفِ عمرِ خضر سے
کہ مجھ سے کہاں جائیگی تو نکل کر

پڑا تیر دل پر جو منہ تو نے پھیرا
چھپا کب بہت خاک ظالم نے ڈالی
حضور اس کے باتیں جو کیں ڈرتے ڈرتے
جو شام شب ہجر دیکھی تو سمجھے
نکالا جو پیر مٹاں نے تو غم کیا
مرے آنسوؤں نے مجھے بخشوایا
امیر آسمان بھی کھلاڑی ہے شاطر
نشانہ اڑایا ہے کیا رخ بدل کر
شفق بن گیا خون میرا جھل کر
کھڑا ہو رہا دور مطلب نکل کر
قضا سر پہ آئی ہے صورت بدل کر
بلا لگی پھر دختر رز چل کر
بڑے کام آئے یہ لڑکے چل کر
دکھاتا ہے کیا کیا یہ نقشے بدل کر

داغ الفت مرے دل میں کوئی چھپ سکتا ہے
شمع فانوس کا اک نور ہے اندر باہر
ہوں وہ دیوانہ جو کہتا ہوں نہیں زندانیوں قدم
غل یہ زنجیر مچاتی ہے کہ باہر باہر
روح سے قد ہے اس پیکر خاکی کی امیر
کیا حقیقت ہے صدف کی جو ہو گوہر باہر

قید خانہ کی طرح وادی وحشت میں قید
اپنے دیوانہ کے مدفن پہ وہ آج جو امیر
ہو گئی مجھ کو مری آبلہ پانی زنجیر
جائے گل سایہ گیسو سے چڑھائی زنجیر

تین قاتل کی نہیں چلتی کبھی مجھ زار پر
وائے بے رحمی کہ پانی بند ہے بیمار پر

کوئی اونا دان روتا ہے سہ ہمار پر
 ہاتھ رکھ دے بڑھکے چشم نہ کس ہمار پر
 بارہ دیکھی رکھ کے انگلی ترک نے تلوار پر
 سیل کی ہے چال یکساں راہِ ناہموار پر
 کھ گئی گل کر کے میری شمع بالیں کو صبا
 بے نقاب آؤ چمن میں تم تو ہر برگ جنا
 سنبھلے ہم بھونچی جواہر تک ملک اس کھکی
 ہے بلند و پست کی کب تیغ قاتل کو تینر

سبکدوش
 نیت بد ہے تو کار نیک سے حاصل ہے کیا
 جاگتے ہیں مزد بھی مثل نگھباں رات بھر

نازک خیالی
 زار ایسا میں ہوا باد یہ سہ ہوا کر
 سرو و گل سے تمہیں شبیہ میں کب دیتا ہوں
 لیجئے مال امیروں سے فقیروں کیلئے
 میدانِ بنتے ہوتا قسم سے جلانا نہ پڑے
 نہ محبت نہ تلطف نہ عنایت نہ وفا
 ذرہ جا ہے تو تہکا دی مجھے صحرا ہو کر
 لال لاکھنیں نہ کرو آگ بگولنا ہو کر
 ٹوٹے دولت دیں طالب دنیا ہو کر
 خوب نم دیتے ہو مردوں کو میٹھا ہو کر
 تمہیں کہہ دو کہ رہے پھر کوئی کس کا ہو کر

تیرے نازک
 وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر
 وہ مست جب کبھی گزرا ہے پیکر کی بھڑک
 بزرگ سایہ رہا پائمال ساری عمر
 ازل سے طبع ملاحظہ پسند کہتا ہوں
 ازل سے طبع ملاحظہ پسند کہتا ہوں
 گھر سے ہنس سیکڑوں میں خوار ایک ساغر پر
 ترے حبیب کا سایہ مرے پیہر پر
 چلا ہے نامہ مر لیکے نامہ بریار ب

کچھ ایسے شان بھکتی ہے تیری مڑھانکی نثار سورگ جاں ایک نوک نشتر پر نشتر

سنا کسی سے جو نام دوائے دردِ جگر تڑپ کے دل نے صدا دی ہے دردِ جگر

جب نکلتے ہیں مکاش سے وہ بد لکر کپڑے چاک ہو جاتے ہیں رستے میں گریبانِ چار
امتحانِ مردم دنیا کا کیا ہم نے امیر دیوِ خلعت جو ہزاروں میں تو انسانِ چار

تہیں کو جانا تمہیں کو سمجھے تمام عالم سے تنگ ہو کر دوئی کا وحدت میں دخل کیسا رہے ہمیشہ الگ ہو کر

ٹھہر گیا ہر مارے دل میں ہزار منت سے دیوِ الفت مگر یہ ڈر ہے کہ اٹھ نہ جائے مکان کی تنگی سے تنگ ہو کر

نہاں تھا آنا کہ ہونہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب ہوں ماہر وہ دل میں آئے اُننگ ہو کر گئے توہرے کا رنگ ہو کر بیخبر

ہوئے تھے ہندو پوجوں کے عاشق شہید ہونے کی کیا خبر تھی نہ جانتے تھے ہو ہمارا اڑے گا ہولی کا رنگ ہو کر سب سے کیا خبر

نہ کو رہا بن ہوا ہے برہمن راتو چشمِ تمسیر واکر کو خدا کا بندہ بتوں کا سجدہ خدا خدا خدا خدا

قدم کو لٹو نہیں باں کو لگنت ہے ریشہ ہاتھ کو سر کو بخش کہ ہر گئی ہے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھسا کر

پیش من ہے شبیہ نظر ہے کسکی کہ کوئی پوری نہیں اُترتی صا
 مٹا دئے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر
 انسان کا پیدا ہونا اور مر جانا کیا ہے گویا صانع ازل صورتیں بناتا ہے اور
 مٹا دیتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جسکی شبیہ وہ بنانا چاہتا ہے
 حب و لخواہ نہیں بنتی۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ صانع ازل کا اس میں
 عجز پایا جاتا ہے اور یہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صانع ازل اپنی
 ہی شبیہ بنانا چاہتا ہے جو پوری نہیں اُترتی۔

بکمال اندہ ببل سے کہو آئے وہ پروانے کے بدلے صا گل کر گئی محفل میں سیم سحری شمع

نغمہ لکھی ہے آئی جو کھل کے زلف ساسر سے پاؤں تک لینے لگی ملائین ادا سر سے پاؤں تک
 لاغریوں اسقدر مجھے پہچانتی نہیں رہ رہ کے دیکھتی ہے قصا سر پاؤں تک
 اچھی کسی کی آنکھ کسی کی نگاہ ہے صا یکتا ہیں آپ نام خدا سر سے پاؤں تک

بجا ہیں ببل و گلچیں خراب خندہ گل دو آئینہ ہے چین میں شراب خندہ گل
 محال ہے کہ چڑھے عشق حسن کے منہ پر کہاں ہے نالہ ببل جو اب خندہ گل

نزدکیت فکر ہوں زار اسقدر کہ تری جلوہ گاہ میں چھپ جاؤں گامیں پردہ گرد نگاہ میں
 میں شوخیاں ہی جو تمہاری نگاہ میں بجلی گرے گی چار طرف جلوہ گاہ میں

کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے لیکن نہال ہوں
 نکلا نہیں ہے خط ترے عارضِ حسین نے
 ہم رہ رواں عشق کو محشر کا خوف کیا
 تو نے تو اے سیاہی شبہائے تارِ بھر
 محرابِ اسکی تیغ کو سبھا پڑی نماز
 نشہ کے دورے یار کی آنکھوں میں آکر
 کھٹکوں گھا اور اپنے عدو کی نگاہ میں
 کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں
 پڑتے ہیں ایسے کتنے ہی میدانِ راہ میں
 دھبہ لگا دیا مرے بختِ سیاہ میں
 پہنچا میں قتل گاہ میں یا عید گاہ میں
 یا چند سُرخ پوشش مکانِ سیاہ میں

وہ تو سنا ہی نہیں ہیں داد خواہی کیا کروں
 دھوئے دھوئے آنسوؤں سے گئیں آنکھیں غید
 نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا ✓
 کل گیا تھا پیشِ زاہد سوچتا ہوں دل میں آج ✓
 وہ مرے اعمالِ روزِ شب کو افسوسِ آئینہ
 پیشِ خالقِ ادا کاے بیگناہی کیا کروں
 کس کے آگے جا کے سر پہوڑوں آئی کیا کروں
 بختِ بد جاتی نہیں تیری سیاہی کیا کروں
 اب تری آنکھوں میں دم ہے کم لگا ہی کیا کروں
 خدمتِ پیرِ مہاں میں عذر خواہی کیا کروں

گلے میں ہاتھ تھے شبِ اس پری سے راہیں تھیں
 سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ لگا میں تھیں
 فراق میں ترے عاشق کو جا کے کل دیکھا
 کہ وہ تو بیچ تھا کچھ اشک تھے کچھ آہیں تھیں
 یہ ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے
 کبھی فلک سے بھی اونچی ہماری آہیں تھیں

نثر جگر میں ہجر کی شب چھ رہی تھیں کچھ پھانسی سدا
مگر جو غور سے دیکھا تری نگاہیں تھیں
فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ سدا
جہاں بنے ہیں یہ میخانے فنا میں تھیں
کائنات مشاعرے جس کیوں نہ چھیں لیجانتے
رباعیاں مری چو گوشہ کلاہیں تھیں

نثر واکرہ چشم دل صفت نقش پایا نہیں
دشت میں گو کہ قیدیں سے بڑھ کر نہیں مگر
محنت یہ کی کہ فکر کا ناخن بھی گھس گیا
کہتی ہے ہر ایک تری زلفِ دراز
ہر رہ گزریں راہ تری دیکھا ہوں نہیں
اتنا کہوں گا ایک تھا وہ دوسرا ہوں نہیں
عقدہ یہ آج تک نہ کھلا مجھ پہ کیا ہوں نہیں
چھوٹے سے قد یہ میرے نہ جانا بلا ہوں نہیں
مانند سبز اس چمن دہریں امیر
بیگانہ وار ایک کنارے پڑا ہوں نہیں

میل کا دور میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تر حقیقت
بڑھتا ہے آبرو میں کیا آسوں سے میرے
اک مشت استخاں میں دویر لگے ہو ہیں
کون ایسے لعل تجھ میں گو ہر لگے ہو ہیں

کیا تو رہی جب بے رو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں
اشد سے میرے دل کی تڑپ اضطراب میں
کہتا ہے حسن میں نہ رہو نگاہ جاب میں
گھبرا کے کرٹیں لگے لینے وہ خواب میں
مطلع آفتاب و امن بھرا ہوا تھا جو اپنا شراب میں
محشر کے دن بھاگے آفتاب میں

رکھایہ تم نے بائے حنائی رکاب میں
 اے برق تو ذرا بھی ٹٹری ٹہر گئی ✓
 ملے کا وعدہ منہ سے تو اٹکے نکل گیا
 دل صاف ہو تو کشتکش ہر کیا کرے
 دامن پہ اُن کے خون کی چھینٹیں ٹہریں امیر
 یا پھول بھر دے طبق آفتاب میں شبنم
 یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں اضطراب
 پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں شادی
 شعلہ ہے کب ہویں کی طرح ہر تاب میں ندرت
 بسل سے پاس ہو نہ سکا اضطراب میں

تصور ایک بحر حسن کا ہے یوں مرے دل میں
 رہ مہر اے ہستی کو یہ آسانی سے کاٹے گا
 چھری کو تیری اے صیاد اتک پھر ارج ہے
 یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں چو
 دہان زخم نے کس کس مزے سے اسکو چوٹا
 ذرا تحمل سے ہٹ کر نکال اڑاؤ اور مجھ کوں
 لگا کر دار اوچھا پھر نہ دیکھا اس طرف تھم
 رواں رہتا ہے دریا ج طرح آغوش ساحل شبنم
 تری تلوار کا دم اگیا ہے تیرے بسل میں
 کوئی رگ بگئی ہو کیا گھوٹے مرغ بسل میں غنجانہ
 نکل بھی آئے محل سے تو پھر لیلیٰ محل میں نصف
 کشیریں کی لذت ہو زبان تیغ قاتل میں
 خیال اتنا تو کرنا چاہی ہے کون محل میں حرارت
 قضا روتی رہی مٹھی ہوئی پہلوئے بسل میں حسیب

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
 اشک آنکھوں میں مری گرم شتاب آتی ہیں
 بے خبر دیکھتے مرد و نکویہ جہتی ہر تین
 سوزش دل سے چلتی ہیں ہمارے آنکھیں
 کیوں نہ ہو دیدہ تریا کوہِ حم آہی گیا
 شوقِ دیدار میں آنکھوں سے جاتے ہیں ہر
 شہسواراں عدم پایہ رکاب آتے ہیں ہر
 جوہاں آتے ہیں مستِ خواب آتے ہیں عیب
 اشکِ منہ یہ صفتِ اشکِ کیا آتی ہیں حبت
 خوب چھٹی تھے اے خانہ خراب آتی ہیں

جو تیرِ دشتِ مجھ ہر سال بناتا ہے جواں جنبِ راقی ہر ایامِ شباب آتے ہیں

باوصفِ بختِ تیرہیں روشن نگاہ ہوں سرسہ وہ ہوں کہ سرسہ چشمِ سیاہ ہوں
 حرصِ ہوا کو حد جہاں سے نکال ہوں دودن کو میں جہاں میں اگر بادشاہ ہوں
 رہتا ہے صبح و شام گناہوں کا سامنا فارغِ جواں سے ہوں تو کبھی غمِ خواہ ہوں

خیالِ لب میں ابر دیدہ ہاؤں ترستے ہیں یہ بادل جب برستے ہیں لب کو ترستے ہیں
 خدائے اظہرِ چشموں میں ہوا بابر واپسی بھرے تیغے ہیں نہ کہیں آج کہ کس پرستے ہیں
 ڈبو دینگی یہ آنکھیں بادلوں کو ایک جھینٹ میں بھلا کر سیں تو میرے سانسے کیوں ترستے ہیں
 کبھی آپس کبھی ہیں سختی ایام سے نالے ہوا چلتی ہے بجلی گرتی ہے پتھر برستے ہیں
 جہاں اُن ابروؤں پر میل کیا کٹ گئی لاکھوں یدہ تغیں میں جنگِ ابر سے خنجر برستے ہیں
 وہاں میں سخت باتیں یاں آبرِ آنسو پر آنسو ہیں ناشہ ہر ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

وہ شانہ بالوں میں کیا بار بار کرتے ہیں لباسِ زریست مرا تار تار کرتے ہیں
 عروسِ مرگ پہ جو دلِ تار کرتے ہیں پلٹ کے خنجرِ قاتل کو پیا کرتے ہیں
 مرنے والوں کے تو خوں تھے ہیں حضرتِ آل خدائے مفت بچھ شرمسار کرتے ہیں
 نہ شمعِ گل ہے مارِ دل نہ دامنِ پنوار سدا بہار میں اسے کیوں داغدار کرتے ہیں
 ہومیں یا مونی ہوں مگر دیکھ سکتا ہے اسے پردے حیرت کے پردے میں جو چھٹا ہوں میں
 منہرا مقصود کی ستوا ہو دیکھ سکتا ہے اسے خنجرِ بیٹھی ہے سب سبزی دانہ انگور میں

رات دن میں لاکھ بار اٹھ اٹھ کر بجاتا ہوں پھر
کیسے موسیٰ تن ترانی کی صدا کیسی آئیر ✓ درو شاید قید ہے میرے دل رنجور میں

ہٹاؤ آنسو امید وار ہم بھی ہیں
جو لڑکھڑاکے گرے تو قدم پہ ساتی کے ✓ تمہارے دیکھنے والوں میں یا ہم بھی ہیں

چار ابرو میں ترے حسن میں بہتر چاروں
اے امیر احمد مرسل کے جو ہیں چار وزیر کیا رباعی ہے کہ مصرع میں برابر چاروں

لحنت دل لپٹا ہوا حق آہ بے تاثیر میں
عشق ابرو میں دل مجروح تڑپا اس طرح
جس پری کی آنکھ مجھ سے پھر گئی بولا جوں
زیر ابرو شوخیاں کرش نہیں چشمان یار
قتل محکوم یاد ابرو میں اُن آنکھوں نے کیا
کام آتی ہے جوانوں کے بہت تدبیر پیر
کچھ نہیں حاصل جو پیکاں ہو ہوائی تیر میں
زُلزلہ آ یا زمین کو چہ شمشیر میں
لو مبارک اور اک حلقہ بڑ بازنجیر میں
چو کٹری بھرتے ہیں آہو سائے شمشیر میں
ان ٹھگوں نے مل گئے مارا کو چہ شمشیر میں
طاقت پرواز ہے زور کہاں سے تیر میں
خیم نہیں آتا ہے محبت سے کہاں کی تیر میں

موسیٰ کی طرح تاب غلی کی نہ آئی
ہوں لاکھ زبانیں ہے پر مشق خموشی
ہم طور پہ پھونچے تھے کہ پتھر اگلیں آنکھیں
پلکوں سے اشارے میں یہ سمجھائیں آنکھیں

مجددوں پر جو چشمِ کرم خوب د کریں سوزِ خم ایک تارِ نظر سے رفو کریں
 دنیا میں دنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں کوئے یاریں
 ملتے ہیں ہاتھ دیکھ کے صبحِ شہِ صال یہ چاک وہ نہیں ہے کہ جس کو رفو کریں

دل بھر جائے یہ امید نہیں ایسے بگڑے کہیں نور تہیں
 بلبلانہ مل گیا گھاٹ تیغِ قاتل کا
 اب کوئی دم میں پارا تر تہیں

ظاہر میں ہم فریفتہ سنِ تباہ کی ہیں پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کی ہیں
 بارانِ رفتہ سے کبھی جا ہی ملینگے ہم آخر تو پیچھے پیچھے اسی کارواں کی ہیں
 ٹھکرا کے میرے سر کو وہ کہتے ہیں ناز سے لوائے مفت سجدے مرے آستان کی ہیں
 ڈوبے ہوئے لبوں میں نظر آئیں کیوں نہ گل سینے ہوئے مری شہِ خوں نشاں کی ہیں
 خنجر کو چو بن جس کے کہتے ہیں میرِ زخم ظالم مرے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کی ہیں
 یان جان پر بنی ہے تجھے ہیں رکاوٹیں اے تیغِ یار چل بھی یہ غمغزے کہاں کی ہیں

کھلا یا ہے جگر برسوں پلایا ہے لبوں برسوں کرے گا یاد اے غم ہکو بعد مرگ تو برسوں
 اسی گھر میں چلایا ہے چراغِ آرزو برسوں نہ کراے پاس لوں برباد میرے خاندان کو
 کہ تیغِ یار روئی چشمِ جوہر ہے لبوں برسوں ہماری آنکھ نے کیا جانے کس سر سے دیکھا

بے مجاہد مرے گھر جو وہ آجاتے ہیں سرا ایک تصویرِ دردِ دل پہ لگا جاتے ہیں

دم کے دم کو مرے پہلو میں جو آجاتی ہیں
 پتلیاں تک تو بھری جاتی ہیں یہ دم
 کیا سخی ہیں عدم آباد کے جانے والے
 کس کے کوچے سے یہ آتے ہیں سوچے چوکنے
 میں خریدار اگر ہوں تو مکہ نہ کا ان کی
 کیا بلا ہو کہ وہ گیسو مجھے لیے ہیں امیر
 دل لگانیکی جگہ تر لگا جاتے ہیں
 وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں
 نقد جان پہلی ہی منزل میں لٹا جاتے ہیں
 کہ مری شمع لحد روز بجا جاتے ہیں سو گداز
 تیغ کیوں میرے گلے سے وہ لگا جاتے ہیں
 آنکھ ہو بند تو دل پر مرے چھا جاتے ہیں

لٹک کر وہ زلف آئی ہے تاکر
 نہ اٹھو ابھی بزم سے میکشو
 کہ لیلیٰ ہے مجنوں کی آغوش میں شبیہ
 ہمیں بھی تو آ لینے دو ہوش میں بخت

میکش کے دل کے راز کسی پر بیان نہیں
 اک حور ش کی خانہ زنداں میں مجوید
 شیشے کو دیکھ لو کہ دہن ہے زیاں نہیں
 موجیں نسیم خلد کی ہیں پیریاں نہیں
 جڑ شاخ نالہ اور کہیں آشیانہ نہیں
 نشتر سے آتشاں گہ سنگ گراں نہیں
 ایذا کا خوف صاحب تلکس کو کیا امیر

کس طرح موت کو آسان نہ وہ بسل سمجھیں
 یوں تو ہر غنچہ دل شکل صنوبر ہے امیر
 تیغ کو تیغ جو قاتل کو نہ قاتل سمجھیں
 جسمیں کچھ درد کی بوائے اسے دل سمجھیں

دامنِ حمت اگر آیا ہمارے ہاتھ میں
 پھول ہو جائینگے دوزخ کے شہر آہتھیں عجیب طبع

پوچھتے ہو کس سے جو چاہو کرو مختار ہو دل تمہارے ہاتھ میں ہے یا ہمارے ہاتھ میں
کیا نرا کت ہے جو توڑا شاخ گل سے کوئی پھول آتش گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ میں

سجھایا یہ مین جو نکلے شاخوں سے گل جن میں صوفی نکھل کے بیٹھے خلوت سے انجمن میں
نذر امن

سہ چرخ پر یہ ایسا برو سے ماہ نو کا کچھ کچھ غم سیدگی بھی لازم ہے بانگین میں
نہن آواز کُن جو آئی کانوں میں ہم یہ سمجھے غربت پکارتی ہے بس رہ چکے وطن میں
یارانِ فرت کا ہے غم اے امیرِ ناحق چھوٹے ہوئے سفر کے لمباٹینگے وطن میں

دہی رہ جاتے ہیں زبانوں پر شعر جو انتخاب ہوتے ہیں
آنسوؤں سے آہیں ہیں سوا ایسے لڑکے مذاہب تو ہیں

کچھ خارجی نہیں مرے دامن کے یار ہیں گردن میں طوق بھی نوکر کین کے یار ہیں
سجھایا نہ کیا پوچھتے ہو مجھ سے نشانِ سیلِ برق کا دونوں قدیم سے مرے خیرین سجھایا رہیں
کائنات میں جتنے وادی غریب کے اے خون سب آئیں گے جیسے دامن کے یار ہیں

غم دنیا کا گزارہ مرے مسکن میں نہیں
 کیوں تیرا خوش ہوں کہ بھرا ہوا میرے کینے سے
 اشکِ ماتم کی جگہ دیدہ روزن میں نہیں
 کہ میرے دوست کی جانب دل دشمن میں نہیں
 بزمِ میخانہ ہے کیا انجمن ناز و نیاز
 ہاتھ کس مست کے پاس شیشے کی گردن میں نہیں
 آتش سے جو اٹھتا ہے دھواں کافی ہے
 کس کو پرواہ ہے ہوا پر جو گلشن میں نہیں
 قتل کرتی ہے دوبارہ ہمیشہ مں انکی امیر
 خمِ خمیشہ ہے خمِ یار کی گردن میں نہیں

حسرتیں گھرے ہیں اس کنز سے بسل کو ترے
 روح نکلے تن سے اتنا راستہ ملتا نہیں
 منکر بیکرنگی مشوق و عاشق ہیں جو لوگ
 دیکھ لیں کیا رنگ کا وہ کھریا ملتا نہیں

مومے شرمگاہ سے ترے سیکڑوں مرجاتے ہیں
 یہی نشتر تو رگ جاں میں اتر جاتے ہیں

مرے مقد کو ٹھکراتے قیامت جنکے آتے ہیں
 پڑا ہوں میں یہاں آکر تو یوں محکوم ساتے ہیں

ہماری بے خودی تمہید ہے مری نالیش کی
 مٹا کر نقش اپنا ہم شمر نقشہ جاتے ہیں

محبت کا برا ہو دل کو رو کوں یا جگر تھاموں
 مرے قابو سے یہ دونوں کچھ نکلے جاتے ہیں
 حینان جہاں رکھتے ہیں شاید درو کا شیوہ
 جگہ دیتا ہے جو دل میں اُسی کا دل دکھاتے ہیں
 امیر افسردہ ہو کر غنچہ دل سوکھ جاتا ہے
 وہ میلے ہم کو قیصر باغ کے جب یاد آتے ہیں

کبابِ سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
 جل اٹھتا ہے جو یہ پھلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں
 سیہ پوشاک بکر خانہ کعبہ میں جا پھونچے
 بلا کا بھیس اوکا فر ترے گیسو بدلتے ہیں

پھونچے ہم جس شہر میں پوچھنا یہ اہل شہر ہے
 خوب رویوں کی یہاں کہتی ہیں تصویریں کہیں

سجائے ہمیشہ گوشہ نشین ہوں وہ خاکسار ہوں میں
 ہوا اڑانہ سکے جبکو وہ غبار ہوں میں
 مرے گناہ سے ہے رحمتِ خدا کی نمود
 گنہ اگر نہ کروں تو گناہگار ہوں میں

لے گیا نختِ جگر اپنے جویں گلزار میں
برگ گلِ بلبل سمجھ کر لے گئی منتھیں رعبہ
حال آئینہ ہے میری جیبہ سالی کا امیر ✓ منہ نظر آنے لگا سنگِ دردِ دلدار میں رعبہ

صورتِ غنچہ کہاں تابِ نغمہ مجھ کو
قطرہ مے نے کیا ہوشِ صفتِ گمِ جھکو
اشکِ سانِ جنبشِ شرکِ گمِ کیا گمِ جھکو
اور تھا کون شبِ ہجرِ مصیبتِ کاشِ شریک
واہ آے بخودی شوق کیا خوب سلوک
بے ثباتی میں نہیں کونسی جا میری نمود
میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ روکتا ہے
دھوکا کھائے ہوئے آدم کو زمانہ گذرا
مردمک ہو کہ سویدا ہوں اہلی کیا ہوں
میں تر عکس تھا اس آئینہ ہستی میں
ہوں وہ میکش جو کروں رخِ در تو بہ نظر
تجھ کو قاتل ہی کے لعلِ خنداں کی قسم
صاف کہہ دو نہیں دیدار دکھانا ہی اگر
جانتے ہیں جو حقیقت سے ہیں آگاہ امیر

منہ کے سوٹ کرے ہوں آئی جو تبسمِ جھکو
ہر حجابِ ہے پر جوش ہوا خمِ مجھ کو
نعرش پار ہوئی دریا کا تلامطمِ جھکو
دیکھ لیتا تھا میں انجم کو تو انجمِ جھکو
اُس کو جب ڈھونڈ نکالا تو کیا گمِ جھکو
ڈرے چنتے ہیں مجھے گنتے ہیں انجمِ جھکو
پیار کی آنکھ سے دیکھنا نہ کرو تم جھکو
ہنتے ہیں دیکھ کے اب تک لگنِ جھکو
دیدہ و دل میں جگہ دیتے ہیں مزمِ جھکو
تو نے کیا پہیر لیا منہ کہ کیا گمِ جھکو
بھکے جاتے ہو پکارے دہنِ حمِ جھکو
نیم جاں چھوڑ نہ اسے تیج تبسمِ جھکو
کعبہ او دیر میں ڈراتے ہو کیوں تم جھکو
کن کے کلمے پہ بھی مناسب ہے تقدیمِ جھکو

منہ بانی
ہر جوش
نعرش
دیکھ لیتا
اُس کو جب
ڈرے چنتے
پیار کی
ہنتے ہیں
دیدہ و دل
تو نے کیا
بھکے جاتے
نیم جاں
کعبہ او
کن کے کلمے

منہ بانی
ہر جوش
نعرش
دیکھ لیتا
اُس کو جب
ڈرے چنتے
پیار کی
ہنتے ہیں
دیدہ و دل
تو نے کیا
بھکے جاتے
نیم جاں
کعبہ او
کن کے کلمے

ای خوشا و حدتِ خوشا کثرتِ شائینِ گشتِ شوق ✓ دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو

اپنے بسمل کا ذرا شوق شہادت دیکھئے
جب نظر اس ترک کی مجھ پر پڑی تیوری چڑی
نذر چیر کر پہلو کو دل نکلا ہے مشتاقِ نگاہ
دیر رہا ہے کیا گلے مل کے دم شمشیر کو
بل پڑے شمشیر میں سید ہا کیا جہ تیر کو
کیا تماشہ ہے ہدف لینے چلا ہے تیر کو

ہزار گند کیونکر ہو دل شکفتہ جو غزلت نشین ہو
پر لگائے یہ ترے تیرا دل نے ہلکو
نصرت ہے ہوش و خرد اب نہیں ٹھہر جاتا
شمع آسا بھی جلتے کبھی روتے گذری
کہتے ہیں شہر و حد فتار سے بریا کر کے
وہ پر کا تھے اس گلشن ہستی میں امیر
پھولے پھلے نہ دانہ جو زیریں نہو
تھک گئی دوڑ کے پامانہ قضا نے ہلکو
بے خودی دور سے آئی ہے بلانے ہلکو
آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہلکو
ایسے کتنے ابھی تفتے ہیں جگاہ نے ہلکو
دوش سے پھینک دیا باد صبا نے ہلکو

لٹکاؤ نہ گیسوئے رسا کو
کانٹوں سے کہو سنبھال لینا
بلبل کو ملے جو باغبانی
میچھے نہ لگاؤ اس بلا کو
آہستہ غش اک بر منہ بانو
روکے دریاغ پر صبا کو

جس طرح صبح کو خورشید عیاں ہوتا ہے
نغمہ سنجان گلستانِ سخن میں جو امیر
آکے پیری نے دیا داغ جوانی مجھ کو
کہتے ہیں بلبل گلزار معانی مجھ کو

یاسون ہوں میں جو میکش اٹھا ساقی میری توفیق کو

گردن مینائے خم ہو گئی تسلیم کو
 آتے ہی اُس مت کے گلزار میں آئی بہار
 نقد امرزش کا طالب ہے اگر اے خود فروش
 ابراٹھا تو تسلیم کو شاخیں جھکیں تسلیم کو
 تول میزانِ عدالت میں امید و بیم کو
 آہ کی شمشیر پر تکیہ ہے ناغہ دوں کا کام
 ضرور کہتے ہیں کمزیریں خنجرِ تسلیم کو
 فتنہ برپا ذات سے مفید کی ہوتا ہے ضرور
 کیا ہوا اٹھے اگر وہ غیر کی تو تسلیم کو
 حشر کے دن نلمہ اعمال کا کیا اعتبار
 سال بھر کے بد باطل کہتے ہیں تو تسلیم کو
 چشمہ دیدار جاناں کی ہیں دو نہریں انہیں
 جانتا ہوں خوب اصل کو تر و تسنیم کو
 سبب

کلفت کا اپنی نالہ کشی میں نشان نہو
 ہم سو برس جو آگہ جلا میں دیوان نہو
 جانے اگر کہ چاہِ عدم میں گرائے گا
 کوئی سوارِ توسنِ عمر رواں نہو

میرے پہلو میں جو دیکھا خنجر جلاد کو دل سے لاکھوں دستر تیں نکلیں مبارک باد کو
عید موسیٰ کو موسیٰ برقی تجلی کی مگر پہلے نظارے میں غش آیا مبارک باد کو

پہلے تو مجھے کہا نکھا لو... پھر بولے غریب ہے بلا لو
اوروں پہ آئینہ کیہ کب تک تم بھی تو کچھ آپ کو سنبھالو

تھے گورہی تک سب مرامند دیکھنے والے اب ایک بھی صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

اک پھول ہے گلاب کا آج اُنکے ہاتھ میں دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسی کا جگر نہ ہو
آنکھیں ملی ہیں اشک بہانے کے واسطے بیکار ہے صدف جو صدف میں گہر نہ ہو

گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو
زاہد امید رحمت حق اور بھوئے ما پہلے شراب پیئے گنہگار بھی تو ہو

پیری میں ضعف سے یہ نہیں رعشہ دار ہاتھ ہیں دامنِ فضا کیسے بیقرار ہاتھ
تکلیف سائلوں کی جنوں میں نہیں پسند سا جلات

دامن کو پھاڑ دوں میں بڑا مین جو خار تھا

آیا تھا سوئے حشر میں تفریح کے لئے
یاں تو شروع پریش اعمال ہو گئی
ساتی ہے دختر ز ساحتیں کون خوش مزاج
کیں اور گرمیاں جو گہن سال ہو گئی

چاہنا اُس کا تو ہم کو چاہئے
وہ ہیں چاہے تو پھر کیا چاہئے
دل نے جب پوچھا مجھے کیا چاہئے
دردِ قبول اٹھایا پڑنا چاہئے
دل مرا کہتا ہے سنگِ شورِ حشر
یہ نمک زخموں پہ چھڑکا چاہئے
وعدہ آنے کا ہے انے خواب میں
خواب کب آتا ہے دکھا چاہئے
امتحان ہے دوست دشمن کا عیش
یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہئے
ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم
کچھ مزا اس کا بھی چکھا چاہئے
ہے مزاج اُس کا بہت نازکِ امیر
ضبطِ اظہارِ تمنّا چاہئے

مشکل آساں نہ ہوئی تیرے گنہگارِ رونکی
حیف منہ موڑ گئی بارہ بھی تلوارِ رونکی
اک ذرا پاؤں اٹھائے ہو اُمی تو سن عمر
مدتوں سے خبر آئی نہیں کچھ یارِ رونکی
کھول کر مال جو آتے ہیں وہ زندانِ کی طرف
کچھ بڑھ جاتے ہیں معادِ گرفتارِ رونکی
آئی کسی ہی کٹری آف نہیں کرتے عاق
قید آواز بھی ہے اُن کے گرفتارِ رونکی
ہوں وہ دیوانہ کیسے کہ گریباں کے عوض
چوٹیاں ہاتھ میں رکھتا ہوں نہیں کسارِ رونکی
داورِ حشر سے محشر میں کہیں گے مخوار
یہی کٹری رہی جاتی ہے گنہگارِ رونکی

میں روکے آہ کرونگا جہاں رہے نہ رہے
 زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے
 ابھی مزار پہ احباب قاتحہ پڑھ لیں۔
 پھر اسقدر بھی ہمارا نشان رہے نہ رہے
 دور روزہ زیست غنیمت ہے ذکرِ حق کر لے
 پھر اجیت یار میں غافل زباں رہے نہ رہے
 آئینہ جمع میں احباب درِ دل کھلے۔
 پھر اتفاقاتِ دل دوستان رہے نہ رہے

ہم نہ دیکھیں زمانہ ہو گیا مدہوش چشمِ مست دہلے
 تماشہ ہے چہکی محفل کی محفل ایک ساغر سے
 پڑا ہے باغِ میرے دل میں عشقِ قدِ دلبر سے
 یہ سودا ہاتھ آیا ہے مجھے بازارِ محشر سے
 ترو پکر جب نکل چلتا ہوں میں کوئے سحر سے
 اشارے کرتی ہیں آپس میں تمغینِ چشمِ جوہر سے
 یہ روزِ شب نہیں کتنے ہیں غافلِ زندگانی کے
 یہاں جاتا ہے ہر روز اک دو ورقہ تیرے ترے

بھولوں میں اگر ہے بوتاہاری کانٹوں میں بھی ہوگی خوتاہاری

گر دشمن ہے بہر دمہ کی ثابت
لو سر دہو امیں نیم سہل
انکو بھی ہے جستجو تہساری
پوری ہوئی آرزو تہساری
سب کہتے ہیں جس کو لیلۃ القدر
ہے کاکل مشکبو تہساری

جو ہے بہار اسکو خزاں کا خطر بھی ہے
کیا یہ بھی تیری الفتِ عارض میں ہی مرض
اے باغیاں بسنت کی تجھ کو خبر بھی ہے
تپ بھی ہے آفتاب کو دوران سہر بھی ہے

مانگا جو بوسہ آنکھ دکھائی عتاب کی
عمر رواں کو جان کوئی موج آب کی
تھے بید بن تو بات بھی کیا لا جواب کی
تارِ نفس نگاہ ہے چشمِ جناب کی
جھکی یہ روئے یار سے قسمتِ نقاب کی
وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمتِ شراب کی
میں وہ سیاہ کار ہوں جس سے ہوا ہوں دفن
امید وار بارشس ابر کرم ہیں ہم
افندرے قدر میرے گناہوں کی روزِ حشر
سو جانیں ہوں تو تیغ پہ تیری خدا کروں
انداز سے جو پاتی ہے باہر مگر گناہ
اک تہہ اتار گئی تھی تمہاری نقاب کی ندرت
تصویر دیکھ کر مری چشم تر آب کی
جُن لی ہے اسنے فرد ہمارے حساب کی
تسب پہ شانِ عفو نمایاں ہو روزِ حشر

دیکھو تو اتحادِ ذرا حُسن و عشق کا
فرقت میں کیا عجب کہ شبِ زندگی ہو صبح
بلاتِ ندرت تم شہسوارِ حُسن ہو لگ جائیگی نظر
تبل کے آنسو نہیں ہی خوشبو گلاب کی
یہاں ہے دردِ دل میں جگ آفتاب کی
گھوڑے سے اترو آنکھ بچا کر رکاب کی

ایک پوشیدہ کمریا نے کیا رکھی ہے
اک ذرا وحشتِ دل بڑھ کے خبر تو لینا
ننگہ ناز سے بھی دیکھ جو کرتا ہے حلال
نمک افشان جو ہوا زخم پہ وہ ہنس منکر
نذرِ ندرت غیر کے ساتھ وفا کر کے وہ مجھ سے بولے
آنکھ بھی تسکُل دہن ہم سے چرا رکھی ہے
خاک کیا نجد میں محنوں نے اڑا رکھی ہے
یہ ادا کس کے لئے تو نے اٹھا رکھی ہے
میں یہ سب جہا کوئی قاتل نے دوا رکھی ہے
یہ وہی بات ہے جو تم نے تبار رکھی ہے

کیا دور ہے یہ اُس کے جال و جلال سے
ڈالی پہرِ نجوم نے اُس رُخ کے خال سے
سمجھا میں چین گوشتِ ابرو سے ہو کے صید
غلیں جو میں ہوا تو ہوا انکا صافِ قُل
میت پہ میری آکے نکلا لا غبارِ دِل
جو چاہے سو مانگئے افسد سے امیر
چلتے سے چھین لے کمر آنکھیں غزال سے
ابرو نے بڑھ کے نیچے چھینا ہلال سے
مارا فلک نے تیر کمانِ ہلال سے
چمکایہ آئینہ مری گردِ ہلال سے
مٹی وہ دیکئے مجھے گردِ ہلال سے
اس در پہ آبرو نہیں جاتی سوال سے

دُزِ دُشمن سے معنی رنگیں کو کیا خطر
منہدی لگا لگا کوئی کیونکر لگی ہو

خوش خرامی پہ جو اُس بت کی طبیعت آئی
چال اُڑانے کو دبے پاؤں قیامت آئی
تیغِ قاتل سے تھی امید بڑی وائے نصیب
وہ بھی منہ موڑ گئی جب مری نوبت آئی
ذرّہ مہر ہوئے ہم کبھی پر وائے شمع
جس جگہ دیکھ لیا سُن طبیعت آئی

بہار آئی عجب حالت ہے ان روزوں میں دل کی
جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقارِ غدا دل کی
بے بحرِ فنائیں جلد یارب لاشِ سہل کی
کہ بھوک کی پھلیاں ہیں جو شمشیرِ قاتل کی
لہو کیسا کہ نہ رت تک نہیں دیکھی ہے سہل کی
اگلی خبر ابھی سے فق ہے رنگت میرِ قاتل کی
نئے بُنک بنے جو تم نئی شمشیر باندھی ہے
نگاہِ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے سہل کی
کہ ہی سہا ساتھ کب دیتا ہے کوئی پتھار میں
تڑپا رہ گیا شعلہ شریف نے قطع منزل کی

شکوہ جو بیا درد کا تلوار نکالی ..
خوب اُس نے دوائے دلی ہمارے

نادر صیاد کا رخ دیکھ لیا چاکِ قفس سے یہ ہنسنے قفس سے رہِ گلزار نکالی

کیوں وہ صیاد کسی صید پر تو سن ڈالے	خود بخود صید چلے آتے ہیں کھنڈلے	بے نیاز
سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھا جائے	گردنِ شیخ میں زنتار برہمن ڈالے	نہیں
قابلِ دید ہیں وہ عارضِ چشم و شرکال	حورین بھی ہوئی ہیں خلد میں چلنے والے	نادر
کہیں زخمِ نگر نازِ ز فو ہوئے ہیں	کہو ڈور سے یہ کسی اور پہ نورِ نالے	زخمِ ناز
خونِ ناحق کہیں چتا ہی چھپکے امیر	کیوں مری لاش پہ بیٹھے ہیں دامن ڈالے	

نہال اسکو ہمیشہ کرتی ہے بالیدگی غم کی	الہی دل ہے یا کوئی کلی ہے نخلِ باغ کی	بے نیاز
تراغزہ جو وہ طرار جب گلشن میں آیا ہے	گلگوں کی جیب کتری سے گرہ کاٹی ہے غم کی	پہچان
نہیں ہے شرم کی جا اب تو ہکو دیکھتے آؤ	کہ پٹی باندہ لی داغوں کی انگہوں پہ بھی رحم کی	نہیں
شگفتہ شیشہ دل سے امیر آیا ہے غم جو	چہرک کرے سنگھا دے کوئی مٹی سا غم کی	

مجھ پرست کو مے کی جو بہت ہے	دیوانے کو ایک جو بہت ہے	بے نیاز
مونی کی طرح جو ہو خدا داد	تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے	نہیں
جاتے ہیں جو صبرِ ہوش جاس	مجھ کو اے درد تو بہت ہے	
اے نشترِ غم ہولا کھتن خشک	تیرے دم کو لہو بہت ہے	

ایک یار نہ بھولیں کبھی دلِ شاد ہے خوب مطلع ہے یہ اندک کے یاد ہے

ہوں وہ مقتول مرے قتل کی ایسی خوشی
ہم جو بچے تو لب گورے آئی یہ صدا
یہ کہو نگاہ یہ کہو نگاہ ابھی کہتے ہو
آشنا ہے نہ مطلب ہے نہ گلشن سے غرض ✓
بستلوں کی نگہ یاس بُری ہوتی ہے
حشر میں غدر گنہ کیا ہے بتا تو رکھو
طولِ فقرتِ سحرِ منزل کسب بھول گئے
کانٹے الجھیں کہیں دامنِ آزادی میں
قتل بے خنجر و شمشیر جو ہو بد نظر
قص میں تیغ رہے وجد میں جلا در ہے
آئیے آئیے حضرت بہت آزاد رہے
سامنے آنکے بھی جب حضرت دل پیارے
گھر الہی سرے صیاد کا آباد رہے
اک ذرا دل کو سنبھالے ہو جلا در ہے
کہ مبادا تمہیں بھولے تو مجھے یاد رہے
نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ دن یاد رہے
دامن اس ڈر سے یہ سسٹہ ہو شمشیر ہے
اک ذرا آپ کو بچنے ہوے جلا در ہے

سچا ہوتا ہے

جنت
بخت

دل کو طرزِ نگہ یار جہاتے آئے
میکشی کی ہے خوشی بھر میں کس کو ساتی
دشتِ ہستی میں لا خاک بگولے کی طرح
تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے
لکھو ابر تو اور آگ لگاتے آئے
خاک اڑاتے گئے ہم خاک اڑاتے آئے

ہم اگر قتل ہوے خیر یہ تقدیر اپنی
آپ بد نام نہوں ہوئے شمشیر اپنی

روحِ جلیب

ہم اور مرکہ امتحاں سے مل جاتے
ہزار تیز نہ تھی تیغ یار اگر چلتی۔۔
سیاہ کار وہ ہوں حشر میں حساب مرا
جواب پاؤں جو دیتی تو سر کے بھل جاتے
تو ہم سے کتنے غریبوں کے کام چل جاتے
جو وقتِ صبح سے ہوتا چراغِ جل جاتے

شبِ فراق میں اچھا ہوانہ کھینچی آہ غریب خانے کے دو جھونپڑے بھی جلتے

بھونکن خیالِ نلف و عارض میں قضا کی۔ نمازِ صبح و شام اک جا ادا کی
ادا پر مرنے والوں سے بھی غم نہ کہو کیوں موت آئی ہے قضا کی
بہار بے خزاں ہے جامہٴ یار نہ مر جائیں کبھی کلیاں قبا کی
ترے کشتے نے خنجر ہی کے نیچے مصیبت جھیل لی روزِ جزا کی

رفت ترا کیا کام اب دل میں غمِ جا نہ آتا ہے
نظر میں تیری آنکھیں سر میں داتیری نہ لہو کا
لگی دل کی بجائے یکسی میں کون ہے ایسا کئی پریوں کے سائے میں تراد یو نہ آتا ہے
انھیں سے غم نہ کرتی ہے جو تجھ پر جان دیتے ہیں مگر اک گریہٴ حسرت کہ بیتا بانہ آتا ہے
نمک جلا دچھڑکا چاہتا ہے میرے زخموں پر اجل تجھ کو بھی کتنا نازِ مستحقانہ آتا ہے
امیر اور آنے والا کون ہے گورِ غریباں پر منے کا وقت اب اے ہمت مردانہ آتا ہے
جو روشن شمع ہوتی ہے تو ہاں پر دانہ آتا ہے

چھوڑے کھیں نہ گیسوئے پر خم نے اُسکے پیچ
 پھر رہ گئے تو میرے مقدر میں رہ گئے
 مجلس تمام ہو چکی ہنگامہ ہو چکا۔ پڑا۔
 ہم نہادہ دیکھتے تری محشر میں رہ گئے

لی کاروان گل نے خزاں میں عدم کی راہ
 بنی پھر پھٹک کے گلستاں میں رہ گئے
 لوٹا سنگروں نے مگر پھر بھی اسے امیر
 مضمون ہزار ہا مرے دیواں میں رہ گئے

نہ مست ہر نہ کوئی ہوشیار باقی ہے	حجاب کس سے اب ہے چشم یار باقی ہے
وہ صید گاہ سے جاتے ہیں انہی اہل کج ہے	ادھر بھی بے پروا بال اک شکار باقی ہے
نہ جاگی کبھی تاز بست اپنی سوزش نل	کہ شیر زندہ ہے جب تک بخار باقی ہے
چلے بزرگ نفس عسمر بھر تو کیا حاصل	کہ منزلوں ہی ابھی کوئے یار باقی ہے
نہ توڑ و آئینہ جانے بھی دو نہ ایک ہی	تمہارے دیکھنے والو نہیں یار باقی ہے
قضا یکارتی پھرتی ہے کوئے قاتل میں	چلے اگر کوئی امیدوار باقی ہے
بزرگ شمع اترتی نہیں یہاں تب غم	ہزار آئے پسینا بخار باقی ہے
امیر فاتحہ پڑھتے کوئی کہاں آئے	مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے

تیغ قاتل پہ ادا لوٹ گئی رقص سبل پہ قضا لوٹ گئی
 ہنس پڑے آپ بوجھلی تڑپی بال کھڑے تو گھٹا لوٹ گئی
 پس گیا چشم سیہ بر سر نہ پائے رنگیں پہ جٹا لوٹ گئی
 اونچی چوٹی کے ادا گرد پھری پیچی نظروں پہ جٹا لوٹ گئی
 اس روش سے وہ چلے گلشن میں بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی
 جان محضوں کی حقیقت کیا تھی درد پہلو میں اٹھا لوٹ گئی
 سانپ کی طرح مری چھاتی پر رات وہ زلف دوٹا لوٹ گئی
 وار خالی نہ گیا قاتل کا بچ گیا میں تو قضا لوٹ گئی
 کیا مرے کی ہے طبیعت اپنی ایک بوسہ جو ملا لوٹ گئی

مزار جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے
 کشتی ہماری ڈوب گئی پار امار کے
 گلشن سے بلبلوں کو اڑاتا ہے باغبان
 صدقے اتر رہے ہیں عروس بہار کے
 سہا پیری میں کس مہرے کو جوانی کے رویے
 سودا غ دے گئے ہمیں دو دن بہار کے
 عجیب مہنون یکرنگ تھے وہ ہم کہ دورنگی نہ کی پسند
 پہنا کفن تو جاسے ہستی امار کے
 کلیاں جھین گلوں کو سمجھتی ہے عنایب

وہ بند ہیں نقابِ عروسِ بہار کے چہ
دامن کشاں وہ آئے سیرِ قبرِ شکر ہے
آنسو تو کچھ کچھ مری شمعِ مزار کے

ہے نمازِ ان زاہدوں کی ضعفِ ایمان پر دلیل سا
سامنے اللہ کے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
بوجھ ہے چوٹی بھی ان نازک حسینوں کیلئے
گیسوؤں کی طرح بل کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے
رسم نے ملنے کی کھوئی عید کی ساری خوشی سا
تین دن تک پاؤں رہ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

طرزِ رفتار سے مارا ہے تو پا مال بھی کر ✓ دیکھ قافلِ یہ بڑی چال چلتی ہے
کچھ نہ اغیار کی تقصیر نہ تم پر الزام ہے زبانی مری باتیں تجھے سنواتی ہے
گل نسیم سحری شمعِ سحر کو نہ کرے کوئی دم میں یہ غریب آپ بھی جاتی ہے

بیخود ایسا ہوں کسی کی لذتِ بھیر سے پہروں کرتا ہوں خموشی کا گلہ تھویر سے غصہ
توڑ کر پہلو جو چل نکلا دلِ نچیر سے خوب رویں حسیں دل کی لپٹ کرتیر سے غصہ
کل تلک تھا کثرتِ عصیاں نا دمِ اکیم آج شرمندہ ہوں اپنی قلتِ تقصیر سے نیرت

قلع ہو راہ سفر کو چہ قاتل آئے
 حال ہشیاری کا بیدار دلوں کو چھو
 ہم تو غافل رہے غافل گئے غافل آئے
 ہم تہیدت لب گور تو پہنچے پر یوں
 جس طرح لٹ کے مسافر منزل آئے
 اب کسی سے نہ رہی ملنے کی حسرت باقی
 آج جی بھر کے گلے تیغ سے ہم مل آئے
 ٹوٹ جائے جو سفید لب ساحل آئے
 تیرم عشق وہ قلزم ہے جہاں شل جاب
 شمع نے بڑھ کے کھارو نوق محفل آئے
 سب نے نقاب آئے جو وہ رات کو محفل میں آئیں

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلا سمجھے
 تصدق اس سمجھ کے مر جانا سمجھے تو کیا سمجھے
 جو اٹھتے بیٹھتے پیری میں بولیں ہڈیاں اپنی
 درائے کار روان زندگی کی ہم صدا سمجھے

وعدہ وصل اور وہ کچھ بات ہے
 رو رہے ہیں ہم ملاوے لب لب
 ہو نہو اس میں بھی کوئی گھات ہے
 میکشی ہو سا قیاسات ہے
 لخت دل میں میرے کھانے کو امیر
 بس انہیں ٹکڑوں پہ اب اوقات ہے

نیچاں چوڑی نیم بگاہی تیری
 آنکھ میں آئے تو تپتی ہو تو ای زلف سیاہ
 زندگی تا صدوسی سال الہی تیری
 دل میں ٹھہرے تو سوید اہی سیاہی تیری
 رنگ خوب ہو براؤ شب غم عجیب ہے
 کہ روانی نہیں رکھتی ہے سیاہی تیری

میں تو زنداں سے سوئے رشت بڑھاتا ہوں
تو جی اے ابرسیہ بولیں بھی مے کی سیاہ
ہوگی اے خانہ زنجیر تباہی تیری
حشر میں تو نہ زباں بند کراؤ تیغِ دردم
ملگئی خوب سیاہی میں سیاہی تیری
دو گواہوں کے برابر ہے گواہی تیری

خورشید گردِ ہی ترے گالوں کے سامنے
دعویٰ زبان کا لکھنؤ والوں کے سامنے
میلے خطِ شمع ہیں بالوں کے سامنے
کیا کیا بناؤ کرتے ہیں خارِ رہ جنوں
انہار بوسے مشک غزالوں کے سامنے
کرتے ہیں عجزِ جن کو خدانے دیا ہر طرف
رکھ رکھ کے آئنے مرے چھالوں کے سامنے
عاشق نے لاکھ جمع کیا دفترِ حواس
شیشوں کے سہرے چمکے ہیں پیالوں کے سامنے
عاشق نے لاکھ جمع کیا دفترِ حواس
تیرازہ کھل گیا ترے بالوں کے سامنے
آتے ہیں دُور کر مرے چھالوں کے سامنے
اچھے نہیں ہیں برقِ جالوں کے سامنے
کانٹوں نے لی جو نوک کی چھالوں کے سامنے

نہیں امید جو اُس یونفا کے آئینے سے
یقین ہوا جو گرا دانت کوئی پیری میں
میں راہ دیکھ رہا ہوں قضا کے آنے کی
خلاف ڈال قفس پر ابھی نہ اے صیاد
کہ آج کھل گئی کھڑکی قضا کے آنے کی
کہ بے چمن سے توقع صبا کے آنے کی

بعدِ مردن بھی مرے صوف کی قوت نہ گھٹی
خاک ابھی بھی تو چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

نہاں ان دنوں و ختر رز کا نہیں ملتا ہے پتا
 کہیں تانسی کے تو گھر جا کے نہیں بیٹھ گئی
 بچن دورے بھی جو نظر آئی کہیں شکل امید
 یاس آ کر مرے پہلو کے قریں بیٹھ گئی
 چال نے تیری قیامت کو ابھرنے نہ دیا
 ٹھوکریں ایسی لگائیں کہ وہیں بیٹھ گئی

لذت جو ملی مرے لہو کی	خجھر نے بلائیں ملی گلو کی	نشتر
روئے مری قبر پر وہ آ کر	ہم خاک بولے تو آبرو کی	نشتر
کی جس یہ نگاہ تجھ کو دیکھا	اب تک تو نظر کہیں نہ چو کی	نشتر
ساقی نے سنگھائی غش میں مٹی	سوند ہی سوند ہی تجھے سبو کی	نشتر
تھا چار طرف اُسی کا جلوہ	کیوں نعش ہماری قبلہ رو کی	نشتر
پلکیں دم جو شش خوش فشانہ	دہا رس نظر آتی ہیں لہو کی	نشتر
دل ہی نہ رہا امید کیسی	جھڑک گئی نخل آرزو کی	نشتر
جائے گا جنون نہ سر بے دنج	ہو قصہ مری رگ گلو کی	ندرت
اب کیوں میں کلیم غش میں خاموش	پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی	سبحان اللہ
کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ	خود دید کی اپنی آرزو کی	لا جواب قطعہ
تھا پردہ ظاہری جو منظور	آواز بدل کے گفتگو کی	نشتر
کلفت نہ مٹی امیر دل سے	اشکوں نے ہزار ست شو کی	

بیعت پیرمناں طرفہ مرادیتی ہے ✓ سلسلہ ساتی گوشر سے لادیتی ہے ^{بریل}
 بڑھ کے جب بولتی ہی موسم گل میں بلبل جل کے پھولوں میں صبا آگ لگا دیتی ہے
 پوچھتے ہیں جو شب بھر میں ہم شمع سی حال ✓ منہ سے کہتی نہیں کچھ اشک بہا دیتی ہے ^{سوریش}

بندے ہیں حسن ملیح یار کے ہیں ناک پروردہ اس سرکار کے
 آنی بالیں پر جو مجھ بیمار کے خوب روئی موت دارمیں مار کے

جو بحر عشق میں ہے وہ آفت رسیدہ گرداب مثل موج گیر بار بار یہ ہے ^{جبت}

خدا کو اپنی اپنی داستانیں سنائیں گے ✓ قیامت جسکو کہتے ہیں وہ نرم قصہ خوانی
 وہ میری مھر خط کو دیدہ بگاہ نہ سمجھیں ^{پیشہ} نے انداز کی اے نامہ بر یہ بدگمانی ہے
 وہ پیاسا ہونکہ مجاہدین مانگوں خھر سہاگنی ✓ گئی جب آبرو بھر خاک کا بے اندگمانی ہے ^{چہ}

ندائے شانِ یوسف سے تمہاری شانِ افضل کی
 کھلی سب نقش ثانی سے حقیقت نقشِ اول کی
 ہزاروں منعموں کو ہوش میں لاؤ نہیں سکتے
 یہ سچ ہے ایک توڑے میں سے مستی ایک بوتل کی

ہم اُسکے عشق میں صبرِ ثمر اڑکھو بیٹھے ^{ٹھ} قدیم دوست ہمیشہ کے یار کھو بیٹھے

بہا خیزین سرخ رنگ نگہ آچکا تھا طائرِ دل
نشر گلوں نے خندہ بیجا سے یہ عمر پایا
تم آنکھ پھیر کے اپنا شکار کھو بیٹھے
کہ چار دن بھی نہ گزرے ہمارے کھو بیٹھے
ادارہ کون تھی جیسے ہوئے فقیر امیر
ذرا سی بات پہ صبر قرار کھو بیٹھے

ہزاروں خار لاکھوں پھول اس گلشن میں ہیں لیکن
نہ تمسانا زیتیں کوئی نہ ہسم سانا توں کوئی
جیادیکہ وہ نرگس زار میں گھبرا کے کہتے ہیں
ادھر آنکھیں ادھر آنکھیں نقاب اُلے کہاں کوئی
اٹھانا کوہ کا آساں اٹھانا بات کا مشکل
قوی مجھ سا ہے عالم میں نہ مجھ سانا توں کوئی
صرت قفس کی تیلیاں ہیں جتنی شاخیں ہیں درختوں کی
کہاں باند ہے الہی اس چمن میں آشاں کوئی
کمال جذب سے تالا مکاں بھنچے امیر احمد
رہا مشوق و عاشق میں نہ پردہ درمیاں کوئی

عزت کیا باغ میں دیکھتی ہے شبنم
اُس تیغ کے منہ پڑے نہ بجلی
جو گل کی ہنسی پہ رو رہی ہے
کیوں جان سے ہاتھ دھو رہی ہے

باندھی جو روزِ حشر ہوا ہم نے آہ کی
اُڑتی پھر گئی فرد ہمارے گناہ کی

بھاری بہت لادو نگار و زجر میں زندہ ✓ رکھو اے سر پہ شیخ کے گہری گنہ گاری

تھے وہ موسیٰ غشن پہ غشن آیا جنہیں	یاں تو آنکھیں کھلی گئیں دیدار سے
گر میاں کرنے لگی تھی رات کو	رو کے اچھی شمع بزم یار سے
بے سبب چھا گل نہیں کرتی پر شور	یہ بھی نالایا ہے تری زلف سے
تم ہونا واقف ہم آغوشی کا ڈھنگ	سیکھ لو اپنے گلے کے ہار سے

صلح کل میں ہے ابھی شرکت کیں تھوڑی سی	اور اے پیر خرابات نشیں تھوڑی سی
مدد اے شوق سجد المدا می شوق سجد	سرنہ اٹھے ابھی باقی ہیں تھوڑی سی
کچھ تو پیدا ہو کباب دل بریاں میں	جلے الفت خال نکلیں تھوڑی سی
ایک قطرہ بھی نہ پینا گراں جان جہاں	اُسی انداز سے کہہ لے کہ نہیں تھوڑی سی

خلیل ساندیس قال ہو استاروں کا	بدل کے رنگ یہ بہرو پئے ہزار آئے
گناہ نگار و نگار جو رنگ کھیل ہے انکو	ادھر ادھر گئے وہ چار ہاتھ مار آئے
جلا ہوں یہ فلک سرد مہر کے ہاتھوں	لگاؤں ہاتھ تو کا فور کو بخار آئے
یقین ہے ذکر کرے میرے جوشِ حشر کا	جو آبلے کے دہن میں بان خارا آئے

تیر کے ساتھ چلا دل تو کہا میں نے کہاں	حسین بولیں کہ مہمان کو نصرت کرنے
آگے میخانہ میں تھے پیر خرابات امیر	اب چلے مسجد جامع کو امامت کرنے

بدقت بحرِ غم سے کشتیِ جانِ حزیں نکلی
کبھی بیٹھی کبھی اُچھلی کہیں وہی کہیں نکلی
وہ کیا پردے سے نکلتے جسکے پسراں کو غیرت ہو
ہوا چیں بر جبین دامن جو دیکھی آئیں نکلی
وہ تھا غمِ دوست سنگِ رگِ درون پڑا منچ پر
شکستِ شیشہ دلِ سمدائے آفریں نکلی

نہوں فنا کیسی بقا کیسی جب اُسکے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آنکھ کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے
بوسہ دینا صفیں آراستہ ہونے لگیں جب اہلِ محشر کی
جما کر ایک ٹکڑی حسرتوں کی ہم جدا ٹھہرے
عشقِ جفا دیکھو جازے پر مے آئے تو فرمایا
کہو تم بیوفا ٹھہرے کہ اب ہم بیوفا ٹھہرے
تہہ خنجر بھی منہ موڑا نہ قاتل کی اطاعت سے
تڑپنے کو کہا تڑپے ٹہرنے کو کہا ٹھہرے
دلِ مضطر سے کہدو تھوڑے تھوڑے سب بھر چکے
ذرا بہک ذرا سنبھلے ذرا تڑپے ذرا ٹھہرے
سب کا اٹھ نہ تڑپا چارہ گر کے سامنے اے درو یوں مجھ کو سرا
کہیں ایسا نہویہ بھی تقاضائے دوا ٹھہرے
امیر آیا جو وقتِ بد تو سب نے راہ لی اپنی
ہزاروں سیکڑوں میں دروہم دوا آٹن ٹھہرے

گرد باد لٹکے سر پردہ در کس کا ہے
 اے جنوں خانہ بدوشی میں یہ گھر کس کا ہے
 تیرے تیر لگاؤ تمہیں در کس کا ہے
 سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے
 توڑتا ہے جو کوئی پھول تو کہتی ہے صبا
 کیا خبر تجھ کو کہ یہ دل یہ جگر کس کا ہے
 اس طرف منہ نہیں کرتا ہے جو خورشید کبھی صبا
 گرم کیا جائے بازار ادھر کس کا ہے

محبوب
 خاصیت
 حسیں
 سحر
 سحر

شراب خانہ کا عارم ہے تیرا دیوانہ
 سب کے ہاتھ میں خشتِ خم شراب ہے
 خطاب ہے لبِ ساغر کا محض ہے امیر
 پھرے جو یہ رخِ اباتِ خراب ہے

لوگے خاک سے اٹھتے ہیں اب تک
 نہ مگر کبھی دبے ہم آسمان سے
 کہاں دیر و حرم میں عشقِ مشرب
 یہ لوگ آزاد ہیں قیدِ کمال سے

عیشِ بے رنج کہاں ننگہ ناممیر
 نظر آتی ہے خوشی خندہ بیمار مجھے

ننگہت و راز ہے سر و سامانی ہے
 خاص ہو کس ہر ادا سے عریانی ہے
 دیکھ کر جو پتھر دیکھ رہا ہے تار
 دیکھ کیا حوصلہ دیدہ قربانی ہے

سنا انشہا ہے
 صحت ہوئی مرض سے مگر ناتواں ہے
 پوشدہ خط سے جو ہر حسنِ تباں ہے
 پر ہینر کو رٹے ہم اتنے کہاں ہے
 اپنے دہویں میں آپ یہ شعلے نہاں ہے
 خنجر کو رکھ کے زخم میں اس ٹکڑے کہاں ہے
 ایسے دہن میں چاہے ایسی نہاں ہے
 تیرا ہوا ظہور تو پھر ہم کہاں ہے
 یا ہم رہیں زمین پہ یا آسماں ہے
 اتنے ہوئے عیاں کہ نظر سے نہاں ہے
 کشتی میں جیسے ساکن کشتی رواں ہے
 اب تک تو جس نے یہ رہی آسماں ہے
 خنجر کی دہار پر مری کشتی رواں ہے
 بیڑا ہوا عشقِ شرہ میں کٹے جو عمر
 اے آہ گردِ دیہ کہاں تک مخالفت
 نیرنگ انکی شانِ تجلی کے دیکھے
 یوں بیٹھے زینت کے دن ہوئے تمام
 اب یکہیں کیا دکھائی نشیب و فرازِ دہر
 بیڑا ہوا عشقِ شرہ میں کٹے جو عمر

لطف جب ہو کہ ادھر ہاتھ میں بوتل آئے
 اُس طرف جھوم کے گلزار میں بادل آئے
 وہ یہ سہست ہوں ساقی کہ اگر پہلو میں ...
 دل کو ڈھونڈوں تو مہرے ہاتھ میں بوتل آئے
 توبہ کرنی تھی کہ بوچھا ر ملامت کی ہوئی ...
 خوب ہی مجھ پہ برستے ہوئے بادل آئے
 پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ عینا کی امیر ...
 بھول کجخت میں آئے نہ کبھی بھل آئے

مرآۃ الغیب کے یہ گرانہما اشعار جو پیشکش اہل بصر و بصیرت کئے گئے ہیں انہیں نادور اشعار کے مماثل صد ہا شعر اور بھی ہیں جو دیوان میں موجود ہیں۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ سب منتخب اشعار لیلئے جائیں چونکہ بمقتضائے دور ناسخ اس دیوان میں مختلف حسن و انداز کے شاہد ان معنی کوناگوں لباس میں تھے۔ لہذا بعض بعض اشعار کی جانب نگاہ ناظر کو متوجہ کر نیکیے لئے اشارتاً کچھ لکھ دیا گیا ہے۔ آئندہ کلام میں ضرورت نہوگی کیونکہ حسن سب کا نکھرا ہوا اور لباس سب کا ایک ہی رنگ ہوگا



حضرت امیر کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ غدر کے زمانے میں انکا بہت سا کلام تلف ہو گیا۔ اس ہنگامے کے بعد راپور جانے اور اطمینان حاصل ہونے پر ان کو خیال ہوا کہ تلف شدہ کلام کے کچھ اشعار اگر یاد آجائیں تو لکھ لیں چاہئے۔ چنانچہ غور کرنے سے جو جو شعر یاد آنا لگے وہ رب قلمبند کر لئے گئے۔ اس طرح ایک چھوٹا سا مجموعہ مفردات ہو گیا جس کا نام گوہر انتخاب رکھا گیا۔

مرآۃ الغیب کے بعد لکھنؤ میں یہ مختصر مجموعہ چھپ گیا تھا۔ ۱۳۱۵ء میں جب حضرت امیر راپور سے لکھنؤ تشریف لائے تھے تو اسکا ایک نسخہ راقم الحروف کو بھی مرحمت فرمایا تھا۔ بعد کو جب اسکی کاپیاں باقی نہیں رہیں تو صنعاۃ عشق کے ساتھ مکرچھپوا کر آخر میں لگا دیا گیا ہے اسکا ہر شعر بلخ ایک عالم رکھتا ہے اور سلامت زبان میں سہل متنع ہے۔

اس گویائی کے متعلق یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ سعدی اور امیر خسرو کی شاعری کا عطر کھنچا ہوا ہے بلا انتخاب تھوڑے سے اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں۔

گوہر انتخاب

وہ مست ہوں کہ ساغر مے جب میں باگیا اکبار یا غفور کہا اور چڑھا گیا
 محشر میں دیر بھئی اگر آنے میں یار کے اے شورِ حشر تو نے مجھے کیوں جگا دیا
 ہے تشنگی وہی غمِ الفت کی آج تک سارا لہو پوڑ کے میں نے پلا دیا
 ترپتے ہیں اگر بسل نے تجھے کیا تو اپنا کام کر قاتل نے تجھے کیا
 فلک ہم تو تیرا بھی شکوہ نہ کرتے مگر جھکو ڈھب ہی نہ آیا جھکا
 آتے ہی دم نزع مرے پاس بولے ہم جاتے ہیں یہ حال تو دیکھا نہیں جاتا
 رہ رہ کے اک کھٹک سی سینے میں ہو رہی ہے شاید ابھی ہے باقی ٹکڑا کوئی جگر کا
 کہا دل نے یہ مجھ سے کھینچ کر خنجر وہ جب آیا ترپنے تلکھانے لوٹنے کا وقت اب آیا
 صفِ محشر میں تیرے کشتوں نے کچھ سبھکر مجھے امام کیا
 نہ پھر نامہ بردواں سے امیر زندگی نے مجھے جواب دیا
 انصاف جو ریا خدا سے طلب کیا تمنے بھی اے امیر بڑا ہی غضب کیا
 نہ ملا تھا جواب نامہ اگر آکے قاصد جواب ہی دیتا
 اس قدر ہے دراز ہجر کی رات پر ترپنے سے جی نہیں بھرتا
 خنجر نے ترے دیا نہ پانی تر سا تر سا کے مار ڈالا

کیوں نہ بکشتی زبان تری ہے شمع سوز دل کیوں زبان پر آیا
اسے دل نو اور چار پہ عاشقی ہو چکوا میں نے ترے بھلے کو کہا کیا بُرا کیا
مری صورت جو بدلی فرط غم سے تو وہ بولے کہ اچھا روپ بدلا
✓ سوا اس کے کہ کچھ دل کے ٹپنے میں مزا پایا

مرے پہلو میں بکھرتو نے اسے درد اور کیا پایا
کہتا ہے عشق دیکھ کے میرا چراغ داغ

روشن ہے اس سے نام مرے خاندان کا
زور جنوں سے ضعف میں رماں بھل گیا ✓ اٹھنا نہ ایتھ بھی کہ گریباں نکل گیا
میکشوں کا نامہ اعمال سارا دھو گیا جو دھواں ہٹی سے اٹھا ابر رحمت ہو گیا
اسے دل بلائے جاوہ کبھی آہی جائیگا دو چار بار کہنے میں شرابھی جائیگا
نالے کرتے کرتے میں ٹھہرا تو وہ کہنے لگے

مر گیا۔ غش کر گیا۔ دیکھو تو چپ کیوں ہو گیا
✓ اپنے مرنے کا نہیں غم مگر اتنا غم ہے

اسے عزیز و ملک الموت نے گھر دیکھ لیا
امیرِ صانع قدرت کا اکیل ہے دیا بنا بنا کے مٹائی میں صورتیں کیا کیا
نوجواں لوگ کیا نہیں کرتے دل لگایا تو کیا گناہ کیا
قاتل اک چٹکی نمک و مودال اب زخم کھاتے کھاتے توجی بھر گیا
✓ کس کس نے ہلکور کا اس در پہ ہم جو پہنچے

لفزش نے پاؤں پکڑے دربان نے ہاتھ کھینچا

مردے کا زندہ کرنا کیساتم آپ مرتے مرنے کا کچھ مسیحا تم نے مزا نہ جانا
 کہتے تھے دل کسی سے لگاؤ نہ لے امیر دیکھو تو چار روز میں کیا حال ہو گیا
 مجھ کو دیکھا تو آئینے نے کہا ہائے کیا حال ہو گیا تیرا
 سنا ہے کل کہیں مسجد میں بیت آیا تھا نماز ہونہ سکی اس قدر ہجوم ہوا
 قتل سے ہم رہے محروم گری ہاتھ سے تیغ

ہائے اس آنکھ سے جلاؤ کو کیوں دیکھا تھا
 اٹھتا نہیں ہے شور جو بازار میں کہیں کیا آج امیر مست سے اٹھا نہیں گیا
 تو مجھ سے نہ مل خیر مجھے بھی نہیں پروا ڈھب تیرے جلائے کا یہ اے یار کرونگا
 تصویر تری لاکے میں اب سامنے ترے چھاتی سے لگاؤنگا اے پیار کرونگا
 قیامت کا اگر ڈر ہے تو یہ ہے کہ مر کر ہم کو پھر جینا پڑے گا
 ذکر شب فراق پہ کہتا ہے دل مرا لومیرے آگے نام نہ اُس رُوسیاہ کا
 اس بُت تند خو کو رام کیا آفریں اے امیر کام کیا
 بہت غم نہ کھا عشق کا اے امیر مجھے کوئی آزار ہو جائے گا
 تیری کنٹ پرند اسو جان سے دل ہو گیا ✓

تو نے آدھی بات کی میں نسیم بسمل ہو گیا
 وہ آئے کھینچے تلوار سب کو شاؤ کیا ✓ امیر آج بہت ہم نے تم کو یاد کیا
 کھل گیا زائد کہ مستوں پر خدا کا رحم ہے ✓
 ابرج ب قبلے سے اٹھا میلہ دے پر چھا گیا
 غم اُس کا حسرتوں سے بوجھتا ہے میرے سینے میں ✓

کہاں ہے وہ جو دل نام اک یہاں بیمار رہتا تھا
 حضرت عیسیٰ ابھی کیا دیکھتے ہو میری نبض
 پہلے اُس کو دیکھ آؤ پھر مجھے تم دیکھنا
 سنو ارہے اگر اُس کو لحاظ اتنا بھی تو رکھنا
 اب اسے مشاطہ آئینہ نہ اُسکے روبرو رکھنا
 شمع کی طرح جلا بھی میں پھنکا بھی لیکن
 عمر بھر رشتہ الفت مری گردن میں رہا
 بیقراری نے بد لوائی تو کروٹ بدلی
 دردِ دل نے جو مدد کی تو میں بستر سے اٹھا
 میں دل لگا کے تو سنتا ہوں کیا کروں ناصح
 ترا کلام ہی دل میں اثر نہیں کرتا
 ضعفِ دل نے اثر یہ دکھلایا درد سے بھی اٹھا نہیں جاتا
 آوارہ پھر رہا ہے محبت کی راہ میں
 اک دل دیا تھا ہم کو خدانے سویلوں گیا
 ہزاروں اُس سے سوا بے نشاں ہیں لیکن
 نکل گیا ہے زمانے میں نامِ عنقا کا
 لاکھوں اُس لیلیٰ کے دیوانے تھے انہیں عشق نے
 ایک مشتِ استخواں کا نام مجنوں رکھ دیا
 باڑھ رکھی ہے اُس نے خنجر پر ہاے اس وقت مجھ میں دم نہ ہوا

بولے وہ سُکے رات کو میری صدا اُتیر
 پوچھو تو کوئی نام ہے کیا اس فقیر کا
 یوں ترے دریہ کیوں پڑے رہتے ہم غریبوں کا گھر اگر ہوتا
 روزِ محشر سے ڈرایا ایک دن میں نے انہیں کہ
 ہُنکے بولے وہ بھی اک فتنہ ہے اپنی چال کا
 چھو گئی بُوجھاں محبت کی رنگ پھر ڈرے منہ نہیں چڑھتا
 تیل موذی کا تو شرعاً ہے درست صا ناصح اب تک کیوں سلامت رہ گیا
 کھٹکتے ہیں جو رہ رہ کر ترے ٹھکانے میں آئے رہ رہ کر
 عوض لیتے ہیں کانٹے تجھے اپنی یا نمالی کا
 جو میرے قتل کو تلوار لیکے یا آ یا لپٹ گیا۔ مجھے بے اختیار پیا آ یا
 شوق سے میں نے جو خنجر کے تلے سر رکھ دیا
 چھوٹنے کو ہاتھ سے قاتل نے خنجر رکھ دیا
 بازو پہ رکھکے سر جو وہ کل ساتھ سو گیا
 آرام یہ ملا کہ مرا ہاتھ سو گیا
 گُل خود تھے۔ بے ثبات گلستانِ دہریں مسام
 گلچیں غریبِ مفت میں بد نام ہو گیا
 ضبط کرتے ہی اثر نالوں کا ظہر ہو گیا
 بول اٹھے گھبرا کے ہے ہے لو وہ آخر ہو گیا
 کرنے کو کیا قتل مجھے یار نے لیکن مہم دور کے مرے خون کو تلوار سے دھویا

چلے جو آگے بتاتے تری گلی کی راہ میں آج خضر سے بھی سخت بدگمان ہوا
 سمجھے کہ عرض حال کرے گا ضرور امیر
 دربار اس کے آتے ہی درخواست کر دیا

سا باغیاں بیدار گر گل بیوفا گلچیں رقیب
 یارب اپنا دردِ دل کس کو سنائے عنید لب
 بندہ گئی اس گل کی یہ نازک مزاجی کی ہوا
 پھر گئی منقار تک آکر صدائے عنید لب

سا اب یہ عالم ضعف کا ہے میں جو روتا ہوں امیر
 ساتھ ہر آنسو کے گر پڑتا ہوں آنسو کی طرح
 ہماری رائے میں بہتر ہے میکشی کو صبح
 اب آگے قاضی و مفتی و محتسب کی صلاح

میں وہ گل ہوں اس چین میں باغیاں بھنکدے گلچیں بھی جس کو توڑ کر
 ذرا نظارہ گل بلب بے بال و پر کر لے بٹھا دے ایک دم صیاد اسے دیوار کشن پر
 بھیڑ میں پڑ جائے تا آنکہ اس رخ پر نور پر
 چڑھ کے بیٹھے ہیں کلیم شد کو را طور پر
 مسافر سے جہر گڑے ہیں فرشتوں کا سمجھے

سب سے

گھڑی بھر چپ پڑا رہنے نہیں دیتے ہیں نزل کر
جاں اگر دیتی نہیں ہے ساقی گلفام پر
کیوں لہو روتی ہو منہ رکھ کر صراحی جام پر

نفل گل آگئی شاید کہ صبا گلشن سے
برگ گل کیلے چلی مرغِ گرفتار کے پاس

دیکھ کر گستاخی پروانہ شرماتی ہے شمع
تھوڑی تھوڑی کسی محفل میں مٹی جاتی ہے شمع

ایک قطرہ خون ہے دل پر وہ قطرہ ہے آئینہ
خوٹے کھاتے پھرتے ہیں جہیں دو عالم آج تک

محفوظ کوئی سختی ایام سے نہیں
عشق سخت جان میں تو مشوقِ نگدل

چھپ گئے پہلے تو مجھ کو دیکھ کر
رات دن رونا تر پنا تلکلا نا بیٹھنا
ہیں تو ہم ناکام پر رہتا ہے کامو کا ہجوم
مر کے بھی یار کا دم بھرتے ہیں
جانِ من وہ دل کے لئے لینے کی راہیں اور ہیں
زندہ عشق کہیں مرتے ہیں

دل ویراں مرا آباد رہے
ایسے ویرانے کہاں ہوتے ہیں
جنگلوں آنکھیں ڈھونڈتی ہیں وہ نکاہیں اور ہیں

ہیں لیگی بخودی دور امیر خدا ہی ملائے تو اب ہم ملیں
سگ و بھانے کیا ہے کرم تو عذر ہے کیا

جللی بھنی ہوئی ہیں ہڈیاں سو حاضر ہیں
خدا دراز کرے عمر برق اسے گلچیں

چراغ آگ کے جلاتی ہے آشیانوں میں
پیشینجی مر گئے ہیں۔ اُنکے مرید جس دم کا گمان کرتے ہیں
نہجے کیا ہم جو وصفِ ساتھی گلفام کرتے ہیں

تو اپنا کام کرو اعط ہم اپنا کام کرتے ہیں
دھل کو اُن سے جو کہئے تو کریں وعدہ حشر

کھجے قتل کی خواہش تو ابھی حاضر ہیں
ہزار طرح کے ہوتے ہیں دہم ہم کو امیر

کسی کی آنکھ جہاں ہم پُر آب دیکھتے ہیں
یار کے اٹھتے ہی برہم ہو گیا سامانِ عیش

مے کہیں مینا کہیں ساتھی کہیں ساغر کہیں
امیر دیر و حرم سے الگ ہو جاتے ہیں

وہ ڈیرٹھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے ہیں
وفا کا وعدہ وفا ہو یہ غیر ممکن ہے

جفا کا وعدہ تو اب تک وفا ہوا ہی نہیں
بلبل آواز اسیرانِ قفس کو نہ سنا
صحبتیں اگلی چمن کی انھیں یاد آتی ہیں

نہیں پروا کسی کو کاروان میں الہی کیا میں فسر یاد و راہوں
 زاہد و غافل نہیں اُس سے صنم ✓ بن گئے ہیں بُت خدا کی یاد میں
 راحت کو ڈھونڈتا ہے عبث تو جہان میں

اُس کا زمین میں ہے نہ پتا آسمان میں
 پھولوں سے کھڑے صبا یہ خوشی کی جگہ نہیں

روئے کا ہے مقام ہنسی کی جگہ نہیں
 صورت کو اُسکی دیکھ کے سمجھے ہو تم غریب
 تم نے کبھی امیر سے باتیں نہیں ہوئیں

دنیا ہے ایک میکدہ بخود ہی امیر
 سب مست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

لنگا ہیں جیسے کہاں پھر چلیں ادھر دیکھئے پتلیاں پھر چلیں
 گھات میں محتسب کو رہنے دو مست بھی ہوشیار رہتے ہیں
 نہ عارض نہ زلفِ رفتا دیکھتے ہیں خدا جانے ہم تجھ میں کیا دیکھتے ہیں
 لیا پھر تو نے اُس کا نام اے دل ارے ظالم ابھی سمجھا چکا ہوں

کسی کا دل ہے مکر ضرور تجھ سے امیر
 کہ اک غبار سار تھا ہے میری آنکھوں میں

اے صنم اب ترا خدا حافظ ہم تو کبے کی راہ لیتے ہیں
 نہ تڑپوں جو فرقت میں تو کیا کروں
 کہ بے شغل رہنے کی عادت نہیں

زاہ صحرائی جو ہم لیتے ہیں جتنے کانٹے ہیں قدم لیتے ہیں
 ہم کو فردائے حشر کا کیا غم کہ شب ہجر کی سحر ہی نہیں
 ہو کوئی گاہک تو سودے کا امیر کون سے بازار میں سودا نہیں
 ہنس پوڑتے ہیں میرے رونے پر ✓ شکر ہے گریہ بے اثر تو نہیں
 ایسی راحت ملی قناعت میں سو گئے پاؤں کنج غزلبت میں
 مزا ملا مجھے یہ دل کی بیکراری میں کہ بھر رہا ہوں تک اپنے زخم کاری میں
 کرتے ہیں جو لوگ ذکر ان کا ایک ایک کامنہ میں دیکھتا ہوں
 ان حسینوں کی عجب سے کار پاؤں چھونے پہ ہاتھ کٹتے ہیں
 لیا ہے غیر نے بوسہ اسی کو گالی دو خفا ہو مجھ سے نہ لینے میں میں دین میں
 نالہ اگر کرے تو مجھ بوجھ کر کرے بلبل سے کہدے کوئی ہم جھجھن میں ہیں
 میں خدا کے سامنے کہدو نگا زاہد تو تو کیا
 میکدے میں کہیں پڑنے ہونگے یار سابت دوسرا ساری خدائی میں نہیں
 صیاد سے چھری کے تلے عندلیب نے شب جمعہ ہے آج امیر کہاں
 محنت جامے حوٹوٹے ہیں حسرت سے یہ کہا کہ عریب الوطن ہوں نہیں
 امیر وادی غربت میں تاکجا گردش میکشوں کے نصیب چھوٹے ہیں
 اے چرخ یہ اپنے حوصلے ہیں بہت سفر میں رہے اب چلو وطن کو چلیں
 اک دل ہے ہزار آبلے ہیں

کشتہ اک پردہ نشین کا ہوں فرشتوں سے کہو
میرے تابوت سے دو چار قدم دور ہیں

عکس اپنا آئینے میں دیکھ کر کہتا ہے یار
دیکھنے والوں سے خلوت میں بھی چٹکارا نہیں

بحث تنگی میں دہن کی کیوں ہے کچھ حاصل نہیں
کسکے منہ لگتے ہو تم غنچہ تو اس قابل نہیں

آمد ہے فصل گل کی جلدی امیر ادھیرو
ٹانگے جو چاکِ دل میں دو چار رہ گئے ہیں

تڑپے کس طرح یادِ قاتل ہیں جان بھی ہے کہیں مرے دل میں

محشر میں بھی دیوانوں کو پوچھا نہ کسی نے ✓
آگے کی خدا جانے ابھی تک تو بچے ہیں

دیکھا ہے کسی راہ میں ہم نے کہ نہیں ہوش ✓
گھبراے ہوئے پھرتے ہیں گھر ببول گئے ہیں

ساتی میں تیری نرگس میگوں کا مست ہوں

توبہ کا نام لیں سرے دشمن بیمار میں

خُم کے خُم صاف جو کر جاتے تھے دو باتوں میں ✓

ذکرِ خیر آج تک اُن کا ہے خرابا توں میں

خطِ طویل یار کو میں نے لکھا مگر مطلب کو دیکھے تو کہیں کچھ پتا نہیں

مشتوق ہو حسین کہ ساتی ہو نازنین دل میں منزہ نہیں تو کسی میں فراہ نہیں

حکیم احمد
سہ ماہ

وہ مست شراب پھر رہے ہیں ہم مفت خراب پھر رہے ہیں
 خاک جو لپٹی ہوئی آتی ہے محل سے ترے
 ہے یہی مجنوں ابائے محل نشیں مجنوں کہاں
 تم تو مرے سوال کا دیتے نہیں جواب
 مجھ سے جو کوئی پوچھے تو میں کیا جواب میں
 عمر کو سارا زمانہ گزران کہتا ہے دن جدائی کا نگر عمر میں محسوس نہیں
 باغباں تو ہی کسی شاخ پہ بٹھلا دے مجھے
 بے پروا ہوں میں طاقت پر واز نہیں
 کھپ گئیں دل میں اگر پلکیں تکلیلی زابدا
 سکر دوں پڑ جائینگے رخنے ترے ایمانیر

کھاتے ہو قسم نہیں میں عاشق صورت تو امیر اپنی دیکھو
 جگاتا ہوں میں کب سے تم ذرا کروٹ نہیں لیتے
 اٹھو اے خفقانِ خاک کیسی نیند سوتے ہو
 فصل گل آنے سے پہلے پھنگے ہم دام میں
 ہائے کیا کیا دل میں تھی سیرِ چمن کی آرزو
 آدکس حسرت سے لیلیٰ نے کہا ہنگامِ نزع
 سوئے جاتی ہوں تجھے ابے بیکسی میں فیر
 لبِ جاں بخش ہے اپنے ذرا تم کبھی ہم مرنے والو کو بھی پوچھ

کون سبھائے جفا پیشہ دل آزاروں کو
اک نظر دیکھ تو لو آنکھوں کے بیماروں کو
بگڑ کر اسنے کہا بعد ذبح کشتوں سے

تڑپ تڑپ کے لہو میں ڈبو دیا مجھ کو
نک بھی تو زخموں پہ چھڑ کو ذرا دم ذبح لب پر بلبستم بھی ہو
تقویٰ کہاں کا جام چلے آج زاہد خرنے اتار اتار کے ہٹی میں گھونک دو
وصل کی شب انھیں شرم آتی ہے ہم شہنوں سے
زخم سلوانے کی یارو ابھی جلدی کیا ہے

پہلے کچھ میرے تڑپنے کی تو تدبیر کرو
بسلون پر رحم کھا کر ان سے کہتی ہے قضا
ان گنہگاروں کے حق میں جلد کچھ ارشاد ہو
آئے جو زباں پہ شکوہ یار ہم کاٹ کے پھینک دیں زباں کو

اُس سے تنہائی میں تو لیٹا ہوں ڈر ہے چھاگل کہیں پکار نہ دے
کھٹا نہیں کہ اُس کے کوچے کا کیا پتا ہے

میں دل سے پوچھتا ہوں دل مجھ سے پوچھتا ہے
دیکھتی ہوں جب اُسے آنکھیں تو کہتا ہے یہ دل
دیکھئے یہ دیکھنا کیا کیا دکھاتا ہے مجھے

بسملوں سے بھی ناز اٹھوائے ہائے انداز میرے قاتل کے
 اک مست کا خیال جو ہنگام خواب ہے جھونکوں میں نیند کے مجھے کیف شراب ہے
 آسان نہیں ہے دام سے دنیا کے چھوٹنا
 یہ اک بڑے حکیم کا باندہ حاطلم ہے
 جو بن اُبھار پر ہے چمن کو نہ جانیے بادِ صبا لگائے گی چوری انار کی
 میں خار ہوں اے برقِ حلاقی ہے مجھے کیا گلچیں ہیں ہزاروں کسی گلچیں کو جلا دے
 کیا رہے اس چمن میں افسردگی بڑی ہے ہر شاخِ گل کے نیچے بلبُل صری پڑی ہے
 نہ واعظ بھومے کراکیدن دنیا سے بانسے ارے منہ ساقی کو شر کو بھی آخر دکھانا ہے
 نچھیروں نے یہ نختِ جگر اس میں پڑ دے جو تیرے ستفاک کا پھولوں کی چھڑی ہے
 آہنی جان پر قیامت ہے آج پہلو سے دل کی رخصت ہے
 مرگھان تر سے جان تسلی سی پاگئی
 کھانٹوں کی اوس پیاس ہماری بھاگ گئی
 دامنِ گلِ نسیم چاک کرے بلبُلِ تم کو تجھ بھی غیرت ہے
 ہوں وہ بلبُل جب اُمرے دل کی کلی مچھا گئی
 اک سرے سے سارے پھولوں پر داسی گئی

جاں نثاروں کا استدر ہے ہجوم تیغِ مقتل میں چل نہیں سکتی
 زور ہے اب یہ ناتوانی کا دل سے حسرت نکل نہیں سکتی
 ہے قصہ کہ دلِ کعبہ نشینوں کے چُراے ✓
 تاسا ہے بڑے گھر کو ترے وزیرِ خانے
 خطِ مرا پھینک کے مجھ پر یہ کہا قاصد نے
 وہ بھی ہو آپ پہ عاشق تو یہ کھڑا دیکھے
 کسی دراندہ و حسرت زدہ کو یاد کرتا ہے
 سنو اے قافلے والو جس کس فریاد کرتا ہے
 ہوے جو ذبح بڑے ہیچ و تاب سے چھوٹے
 نہیں ثواب ہوا ہم عذاب سے چھوٹے
 پھر نہ کہنا امیر کو لاؤ اب وہ تیر می گلی سے جاتا ہے
 محفلِ عیش ہو یا مجلسِ غم دونوں میں
 شمع کوروتے تنگلوں کو ٹپتے گزری
 میں تو روتا ہوں اپنی قیمت کو تو بتا ابر کس کو روتا ہے
 رہا جاتا نہیں بے عشق و ودن ہم ہمیں بیمار ہونے کا مرض ہے
 ہجر کا دن نہیں ہے داخلِ عمر عمر تو وصل تک تمام ہوئی
 یہ دن فراق کا کہوں دیکھتے ہمیں چوکے ✓
 شبِ وصال کے ہمراہ ہو لئے ہوتے
 اک زہد پردہ محل کو اٹھا دے لیلیٰ پھر کوئی حالتِ بیتابی مجھوں دیکھے

فرقت میں مہمانی غم کیا کروں امیرؔ ٹکڑے ہیں کچھ جگر کے سودہ بھی جلے ہو
 نہیں اڑتے ہیں پتے اے جنوں اشجارِ گلشن کے
 یہ کچھ پرزے گریباں کے ہیں کچھ پرزے دامن کے
 س کہا مجنوں نے شاید ناقہ لیلیٰ ادھر آئے

۱۔ میں اس امید پر چلتا ہوں کانٹے اس بیابان کے
 پی کے بے بیٹھے وعظ سننے امیرؔ یہ بڑی تم نے ہوشیاری کی
 جو ہوش میں مجھے لائبہ دوستو منظور

کہو کہ تجھ کو ترے یار نے بلایا ہے
 کرتے ہو جو تم امیر کو قتل اتنا تو کہو گناہ کیا ہے
 ابھی امیر کو صاحبِ برا بہلانہ کہو برے بھلے کا تو صحبت سے حال کھلتا ہے
 جب کہا میں نے مرے قتل میں اب دیر ہے کیوں

بولے وہ اپنی خوشی آپ کو جلدی کیا ہے
 خیر تم پر نہیں ہے زور اپنا ۷ مرٹنگے یہ اختیار تو ہے
 یاں زخم سے لذتِ جگر ہے اجاب کو فکرِ بخیہ گرے
 نہ جانے کے تھے اس گلی سے بہانے نہ اب ضعف ہو کو نہ بے طاقتی ہے
 ہو گیا کیا تجھے الفت میں امیرؔ ابھی روتا تھا ابھی ہنستا ہے
 دو گھڑی آپ کا ہنس منسکے لٹاؤٹ کرنا

ریخ برسوں کا مرے دل سے مٹا دیتا ہے
 بنیرِ خشک نے جگر یہ کہا گلشن میں کہ انہیں تازہ نہالوں میں کبھی ہم بھی تھے

بت بن گئے ہم امیر آخر مر یہ یادِ صنم کی انتہا ہے
 ستنے آرام طلب ہیں ہم بھی م سایہ تیغ میں ایند آتی ہے
 حلال کر کے مرے ہم صغیروں کو صیاد لہو بہری ہوئی چھریاں مجھے دکھاتا ہے
 ہائے غم سے بھی جی نہیں بھرتا برکت انگلی زمانے سے
 کیا جانیں ہم کہ ہشتا بہتی ہے خلق کسکو کھولی تو چشم تر ہی دیکھی
 میں نے بوسہ جو لیا زلف کا ساتی نے کہا
 مر از خم دل اس لئے دیکھتے ہیں کہ دیکھیں تو تلوار کیسی پڑی ہے
 کہتا ہے مجھے دیکھو وہ اپنی گلی میں سا دیوانے ترا گھر بھی کہیں ہے کہ نہیں ہے
 گالیوں کا وصل میں کیا کام ہے لطف بے ہنگام اس کی نام ہے
 محکوز ابد نہیں شراب حرام تیسرے دن میسر آئی ہے
 خاک میں کسکی ملگئی حسرت خاک اڑاتی جو صر آئی ہے
 بڑھ جاتی ہے چمن میں اور آرزو تمہاری جس گل کو سو گھٹا ہوں آتی ہے بو تمہاری
 طرفہ اقبال تو نکا ہے کہ باس ہمہ ظلم جھٹکے ہیں دعا ملتی ہے

یاد میں زلف و رخ کی میرالخال صبح کو کچھ ہے شام کو کچھ ہے
 اے طولِ زمانہ اسیری بے لعل کہیں گل کو بھولتی ہے
 سوتا ہوں کوئے یار میں محشر کے دن مجھے
 جھونکے نسیمِ خلد کے آکر جگا سینگے
 میں نے کہا کہ پھیر دو دل کیا کر دگے تم
 بولے ہم اپنے تیر کا پیکاں بنا سینگے
 وہ غمّے میں ہر وقت بھرے رہتے ہیں مجھ سے
 میں خوش ہوں کہ صد شکر توجہ تو ادھر ہے
 آئی بہار چل کے رفوگر کو چھیڑے
 ہنس ہنس کے چاک جیب کے ٹانگے اُدھیڑیے
 تھی اپنی جانماز تو مدت سے رہنے
 تسبیح رہ گئی تھی سودہ اب گر و ہو گئی
 ہوں وہ حسرت زدہ کہ در پہ مرے
 یاس امید دار بیٹھی ہے
 امیر اس بدگماں کے کان تک پہنچے تو پھر کیا ہو
 بھری مجلس میں کہتے ہو کہ ہم خالی نہیں ہتے
 جھک کے ملنے لگا وہ بت ہم سے
 کیک تری شانِ کبریائی ہے
 تیشے سے کوہن کے آواز آرہی ہے
 شیریں کے دل پر لفت چوٹیں لگا رہی ہے

مجنوں سے کوئی کہدے لیلیٰ غریب کب سے زانو پہ سر کو رکھے آنسو بہا رہی ہے
وہ جلوہ دیکھ کر جب طور پر موسیٰ کو غش آیا

تو آئی غیب سے آواز دیکھا ہم نہ کہتے تھے
جان جائے تو حائے پر آجاں دل کہاں تم کو چھوڑ کر جاے
غیر کے ساتھ وفا کر کے وہ مجھ سے بولے تو جفا و دست ہر اک طرزِ جفا یہ بھی ہے
نہ سمجھے تھے خدا کو جب تلک سمجھے تھے ہم سمجھے
جو سمجھے اب تو یہ سمجھے نہ سمجھے تھے نہ سمجھنے
ہر نہالِ تاک میں واعظ وہی انداز ہے نہ

کو نسی وہ شاخ ہے طوبی کو حیرنا رہے
پہاں جو سوزِ عشق کرے مردے وہی

دل چھلک گیا مگر نفس سرد ہے وہی
امیر اس بُت کو دل دیتے ہو کیا شامت تمہاری ہی

کسی پیچھے رہ دے پلکو جو ایسا تم کو بھاری ہے
ہزار ہوں حسن آدمی میں ہزار ہوں خوبیاں پر مین

امیر اپنا تو ہے یہ مشربِ ادا نہیں ہی تو کچھ نہیں ہے
دیکھا قاتل کو ہے تو دیکھ لے مہ دیکھ لے وقتِ فرصت تنگ ہے

آتا ہے خون اب مری آنکھوں سے ہمدوم
آنسو کہاں یہ آنسو و نکاح کچھ نچوڑ ہے

قاضی آئے کہ محتسب آئے
اب تو ہم میکہ کے میں آئے

الفیت کسی کی نوک مشرہ سے جو تھی امیر
مرکز بھی لک کھٹک سی رگ جاں میں رگہ

بوش جس تک رہا شراب ہی پی ۷۷ ایک ہیں ہم بھی اپنے شرب کے
تم دکھاتے تو ہو امیر کا دل ۷۸ اور جو وہ کوئی آہ کر بیٹھے

جلے آتے ہیں ہم بھی تیرے پیچھے ۷۹ تجھے اے عمر رفتہ کچھ خبر ہے
تو مجھنیے گا اُس کی شکل مانی ۸۰ تو نے کہی اور میں نے مانی

۸۱ چھڑ دوں اپنی اسیری کی کہانی نہیں
منہ لگاتا نہیں اس خوف سے صیاد مجھے

باقی نہ دل میں کوئی الہی ہو کس رہے
چودہ برس کے سن میں وہ لاکھوں برس رہے

شور محشر امیر کو نہ جگا ۸۲ سو گیا ہے غیب سونے دے
حل نہیں ہوتا تھا بیکراری کامری ۸۳ دل تو پہلو میں نہیں یارب بڑپتا کوں ہے

۸۴ پاچے چین تہ خاک بھی ہم کشتہ عشق
دل بیتاب کو اللہ سلامت رکھے

نامہ بریار کے آنے کی نہیں کہتا ہے
ایک بھی بات ٹھکانے کی نہیں کہتا ہے

۸۵ محکوم نہیں شکایت مقتل میں اب کسی کی
پیکان نے دلہی کی خنجر نے ہمدی کی

تیغ قاتل نے تو ارمان نکالے کچھ ۸۶
اب رہی خنجر قاتل سے شکایت باقی

قاتل مرے سوانہ کرے تو کسی کو قتل
 اللہ تیرے ہاتھ کو پائے ثبات دے
 آزر دگی کے خوف سے جس جانہ رو سکے
 ایسی جگہ امیر سے کیا خاک ہو سکے
 مسجد میں بلاتے ہیں زاہدِ نافہم
 ہوتا کچھ اگر ہوش تو میخانے نہ جاتے
 امیر اک ذرا دیکھے بھالے ہوئے
 محبت میں دل کو سنبھالے ہوئے
 کس شرم بھری آنکھ کی ہے فکرِ الہی
 جو سرِ تجھے زانو سے اٹھانے نہیں دیتی
 میری نہیں تقصیر تری حسرت دیدار
 دروازے سے تیرے مجھے جانے نہیں دیتی
 ہوں میں بیمار محبت کوئی مجرم تو نہیں
 میرے گھر پر ہے طیبونکی چڑائی کیسی
 چھپتا ہے دل کا رنگ کہیں ضبطِ آہ سے
 حسرت ٹپک رہی ہے ہماری نگاہ سے
 کہا اس نے یہ مجھ کو فرج کر کے
 تڑپنے دو یہ حسرت بھی نہ بچائے
 جو یقیناً ہی دل اب ہے گرہی ہوتی
 تو آج تک مری کا ہیکو زندگی ہوتی

آج تک گور میں لیلیٰ کو نہیں صبر و قرار میرے مجنوں مرے مجنوں کی صدا آئی ہے
 بڑا کرم ہے زاہد وہ بخش ہی دینگا بساط کیا ہے ہم ایسے گناہ گار و نکلی
 فصل گل آئی ہے یوں ہم تم میں اے گلبدن

جیسے کلیاں نکلی ہیں شاخوں میں سر جوڑے ہوئے
 بت میں نہ وفا کی بات پائی ۷ بے عیب خدا کی ذات پائی
 درد بلبلی خدا نہ سنوائے ۷ ہائے گل کی صدا نہ سنوائے
 مجلس وعظ میں آتا تو نہ ممکن تھا امیر
 بہکو تھامے ہوئے یاں دست سہو لایا ہے

۷ میں تو سب اپنے کام خدا ہی کو سوچ دوں
 لیکن یہ خوف ہے کہ خدا بے نیاز ہے

بیٹھے جو میرے سینے پہ خجروہ کھینچ کر ۷ سمجھ میں آئے ہیں مرے ارباں نکالنے
 بے خودی یا رنگا پتا دیگی ۷ بے نشانی نشان بتا دیگی
 کیا مجھی کو دیکھ کر حیرت ہوئی ۷ دیکھو آئینے کی کیا صورت ہوئی
 چڑھکے مجھ پر ہجومے واعظ ۷ اور جو کس نے کوئی خرابا بتی
 آنسو تو بہاتا ہوں مگر ڈر ہے یہ مجھ کو ۷ دہو جانے تن سے کہیں خال اسکی گلی کی
 دل کی گل سے کوئی راہ تو نکلتے صیاد ۷ بیچ ہی ڈال مجھے ہاتھ کسی گلچیں کے
 درد دل کہئے تو کہتا ہے وہ شمع ۷ ایک ہی تم کو کہانی یاد ہے
 متاق بوسے زلف رسا کا دماغ ہے ۷ تیرا بھی اے امیر بلا کا دماغ ہے
 شریک درد نہیں کوئی بڑھکے آنکھوں سے ۷ کہ ایک روتی ہے جب دوسری بھی روتی ہے

آستیں یار نے چڑھائی ہے
 کس نگہ سے تم نے دیکھا تھا امیر
 کہا جب اے صنم جلوہ دکھا دے
 پوچھا نہ جنس دل کو باز ایں کسی نے
 راتوں کو کہا کرتا ہے بلبل سے یہ صیاد
 چھڑک کر میرے زخموں پر نہک قاتل یہ کہتا ہے
 لگاؤں دُور سے تلوار وہ قاتل یہ کہتا ہے
 زبان شمع کہتی ہو کہیں تجکو جلا دوں گی
 آپ ہی جل رہے ہیں پروانے
 سمجھا نہ میں تو حضرت ناصح کی ایک بات
 جب کہا میں نے تو کیوں مجھے کرتی ہو شہید
 اسکی پروا کچھ نہیں تکلیف یا آرام ہے
 بخد میں گھبرا کے جانکے جو ہسم
 آپ ہی تم امیر کھوئے گئے
 کیا اس بُت نے قتل احمد اللہ
 ترے در تک تو لایا ہے ہمیں شوق
 پھر تو نے امیر اس سے کی بات
 انسان جو چاہی کہ نہ ہوا اسکو کبھی رنج
 یہ دل نے کنج قناعت سے آشنائی کی

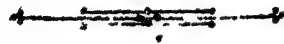
وقت تقدیر آزمائی ہے
 روتے روتے ان کو ہچکلی لگ گئی
 تو وہ بولا کہ یہ دولت خدا دے
 سو بار لینگے ہم سو بار پھیر لائے
 ظالم تری فریاد تو سونے نہیں دیتی
 نمک سے پاٹ دو نہیں آج میرا دل یہ کہتا ہے
 لپٹ جاؤں میں جو ہرنگے میرا دل یہ کہتا ہے
 میں کب ٹلنا ہوں پروانہ سرِ محفل یہ کہتا ہے
 شمع کی گزشت کون سنے
 کچھ خود ہی وہ کہا کئے خود ہی سنا کئے
 ہنسنے کہنے لگے لائے بھی اک کام سہی
 اے غم جاناں مجھ تیری خوشی سے کام لے
 قیس بولا پسرو مرشد خیر ہے
 یار کی جستجو کو نکلے تھے..

یہی تو ہم خدا سے چاہتے تھے
 یہاں سے کھٹک اب کون لے جائے
 سو باتیں ابھی سنا چکا ہے
 زہار کسی سے کوئی امید نہ رکھے۔
 کہ ہاتھ اٹھا کے دعائے شکستہ پائی کی

دیکھا خزاں میں ہم نے بلبل کے آئینیاں کو ✓ دو چار پر شکستہ دو چار استخوان تھے
 پہنچے جو ہم عدم کو اہل عدم یہ بولے مدت کے بعد آئے اتنے دنوں کہاں تھے
 میں آہتا تھا فناں کی مجھ سے فرمائش نہ کر باغباں سب پھول مر جھا کر چمن میں رہ گئے
 جو وہاں جاتا ہے پھر اسکی خبر پتی نہیں نامہ بر کے واسطے بھی نامہ بردار ہے
 منہ دیکھوں میں مقتل میں اجل کا ترے ہوتے ✓ اے خنجرِ قاتل تجھے غیرت نہیں آتی
 چھانسا ہوں تری گلی کی خاک ✓ دل مرا ہے یہیں ملے نہ ملے
 کوئی دم نہ تکلف ہو کر مستو نہیں اگر بیٹھے ✓ تو جو کچھ عرش پر ہی دیکھ لے زاہد وہ گھر بیٹھے



صنم خانہ عشق



مرآۃ الغیب اور گوہر انتخاب کا انتخاب ناظرین کی نظر سے گزر چکا اور
یہ بھی دیکھ لیا گیا کہ ان میں کیسے کیسے مضامین بلبند و برتر اور کیسے کیسے
نشترو و خنجر ہیں اور یہ چوٹی کے اشعار دو چار نہیں بلکہ آٹھ سو سے
زائد ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دوسرا دیوان جس کا نام صنم خانہ عشق ہے
کس پایہ کا ہو گا۔ ع

نقاش نقش ثانی بہت کشت زاول

صنم خانہ عشق کی جیسی مقبولیت ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ارباب
سُخن کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتر جیسے جیسے مُسن ہوتے گئے انکی شاعری
جوان ہوتی گئی بمصداق - ع۔

ہم پر جب ہوئے تو طبیعت جوان ہوئی

اگرچہ اسی کی ہمہ گیر طبیعت تغزل میں گوناگوں مذاق کی جامع تھی مگر
انکا اپنا خاص رنگ جو فطرتاً تھا یہ تھا کہ مضمون عاشقانہ ہو۔ نیا ہو۔ نازک ہو
اور زبان کے سانچے میں ڈھلا ہو مثلاً ذیل کے اشعار۔

لذت جو ملی مرے لہو کی	خجھر نے بلایں لیس گلو کی
کی جیسہ نگاہ تجھ کو دیکھا	ابتک تو نظر کہہ رہی چو کی
ساقی نے سنگھائی خوش میں مٹی	سو ندھی سو ندھی مجھے بلو کی
تھا چار طرف اُسی کا جلوہ	کیوں لاش ہماری قبلہ رو کی
پلکیں دم جو شش خون نشانی	وہاں یہ نظر آتی ہیں لہو کی
دل ہی نہ رہا اُمید کیسی	جڑا کٹ گئی غل آرزو کی
اب کیوں ہیں کلیمش میں غلامش	پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی
کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ	خود دید کی اپنی آرزو کی
تھا پردہ ظاہری جو منظور	آواز بدل کے گفتگو کی
کلنت نہ مٹی آ میر دل سے	اشکوں نے ہزارشت شو کی
یہ اُس زمانے کی غزل ہے جب	ایمر مرحوم حضرت اسیر کے شاگرد

ہوئے تھے۔

سرا ہنسنے وہاں اٹھا کر ناز سر چلنا	مجھی کی چھر گلہ اُٹا مرے چاک گیر باکل
جنوں کا جوش گھٹا تھا کہ فصل گل آئی	سمند ہوش رُکا تھا کہ تازیانہ ہوا
شبیہ صال بہت کم ہے آسمان کو	کہ جو زوے کوئی ٹکڑا شیب جدائی کا
نہ کسی سے جو نام دوا درد جگر	تیرا پکے دل بھدا دی کہ ہاڑ در دیکر

جو ہر سارا سکو خزاں کا خطر بھی ہے
پھینکے و کاٹ کے جز نخلِ تنہا کی آہر
محبست کو مے کی بو بہت ہے
دلکو طرزِ نگہِ نازِ جتائے آئے
وا حسانی نہ گیا قاتل کا
نہیں پڑے آپ تو بجلی تڑپنی
ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی
جب خور و چھپتا ہے عارفِ نقاب میں
ای برق تو ذرا بھی تڑپنی ٹھہر گئی
آنکھ مجھ سے دل لے اخیار سے
زمانہ ہو گیا مدہوشِ چشمِ مستِ لبر سے
امیرِ فاتح پڑ بنے کوئی کہاں آئے
خونِ ناحق کہیں چھپتا ہے چھپتا ہے ڈاکٹر
نرگس کو صبا نہ چھیڑ اتنا
مرے جنازی یہ ابلتے شرم آتی ہے
لحاظِ ہم نہ قاتل کا ہو سکا دمِ تسل
دمِ تھے بیٹھے حودے بیٹھے قتلِ عام کا حکم
جب کہا میں نے شبِ غم کوئی عجزِ تھکا
کیا بلا تھی نگہِ ہوشِ با ساقی کی

ای باغباں بسنت کی تھجکاو خیر بھی ہے
بہلول کم بخت میں آؤ نہ کبھی پھل آئے
دیوانے کو ایک ہو بہت ہے
تیر بھی آئے قہر کی اڑاتے آؤ
پنج گیا میں تو قضا لوٹ گئی
بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی
آپ بدنام نہ ہوں گے شمشیر اپنی
کہتا ہے حسن میں نہ ہو کا جواب میں
یاں عمر کٹ گئی ہر اسی اضطراب میں
یار درگزر میں لیے پیار سے
تماشا ہے جھکی مغل کی قتل ایک ساغر سے
مزار ہے نہ نشانِ مزار باقی ہے
کیوں مری لاش پڑ بیٹھے ہیں وہ قاتل
سونے دے غریب سو رہی ہے
حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب تھا
سنبھل سنبھل کے تڑپتے وہ منظر اب تھا
نہی تھی انکی کسی پر کوئی عتاب تھا
دروغے اٹھ کے کہا کیا یہ گنگار نہ تھا
اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہشیار تھا

جوشِ حشوت اے کہتے ہیں کہ آتے ہی ہمارے
 بات رکھ لی ہری قاتل نے گنہگاروں میں
 ہمارا اُٹھ جٹا ہے ان نبیوں کی
 سحرِ مرقہ کو ٹھکانے قیامت نہ آئے ہیں
 وہ ہست جب کبھی گزرا ہی میکہ و کعبہ
 اے جس تو تو نہیں قافلے والوں سے جدا
 تو نے تو اسی سیلابی شہلے تارِ ہجر
 ہٹاؤ آئینہ اسید وار ہم بھی ہیں
 قریب سے یارِ روزِ محشر چھپے کاشتوں کا کوئی نہ
 ڈھلے ہوئے لبوں میں نظر آئیں کیوں نہ گل
 خنجر کو چوک چوک کے کہتے ہیں سیرِ حرم
 کیلے کے کوچے یہ آتے ہیں ہوا کے جھونکے
 واہ اے بخود ہی شوق کیا خوب لوک
 ابھی مزار پر احباب فاتحہ پڑھ لیں
 شکوہ جو کیا در دکا تلوار نکالی
 طرزِ رفتار سے مار ہے تو پامال بھی کر
 گناہ گاروں کا چورنگ کھیل ہے اُنکا
 ایں رنگ کے اشعار سے دیوانِ مرثیہ الغیب بھرا پڑا ہے کہاں تک نقل کیے جائیں
 اور کوہِ انتخاب کے توکل اشعار اسی رنگ کے ہیں جنگی تعداد نو سو گیارہ ہے ۔

ہاتھ ڈالا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا
 اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا
 جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منتھیں غدا کی
 پڑا ہوں میں ہیراں کر تو یوں جھکوتا ہیں
 بہکے دستِ بوجا پڑا ہے ساغر پر
 تیری آوازیں یہ درد کہاں سے آیا
 دھتکا لگا دیا مرے بختِ سیاہ میں
 تمہارے دیکھنے والوں میں بارہم بھی ہیں
 جو چپ بے گئی زبانِ خیر ہو پکار دگا استیلا
 سینچے ہو مری مژدہ خونِ نقاش کے ہیں
 ظالم مزے بھرے ہو تجھ میں کہاں کہیں
 کہ مری شمعِ حذر روز بھجا جاتے ہیں
 اُسکو جب ٹھونڈ نکالا تو کیا گم جھکو
 پھر اس قدر بھی ہمارا نشان سے نہ ہے
 خوب اُسے دوائے دل بیا نکالی
 دیکھ قاتل یہ بڑی چال رہی جاتی ہے
 ادھر ادھر گئے دو چار ہاتھ مار آئے

حسن اتفاق دیکھیے کہ جب نواب کلب ملتان دانی راپور نے امیر کی شاعری پر نظر غائر ڈالی تو اسی رنگ کے دلدادہ ہو گئے اور کیونکر نہ ہوتے۔ یہ رنگ تو شاعری کی جان ہے۔

قاعدہ ہے کہ جو فرمانروا شاعری کا ذوق رکھتا ہے وہ اپنے ذوق کے اعتبار سے ایک رنگ سخن قایم کر دیتا ہے اور وہی رنگ اُسکے دربار کا مذاق شاعری قرار پا جاتا ہے۔ چنانچہ دربار راپور میں سکے رائج الوقت ہی گوہر اکذرا مان لیے گئے تھے۔ اور آج بھی نواب صاحب حال بالقاء حضرت امیر کے خلیف اکبر خباب صریح کے شاگرد ہیں اور اسی رنگ کو پسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صنم خانہ عشق جو صرف رام پور کی گویائی کا نتیجہ ہے اول سے آخر تک ایک رنگ میں ڈوبا نظر آتا ہے اور وہ وہی رنگ ہے جسکے امیر موجد تھے۔

صنم خانہ عشق دیکھکے حیرت ہوتی ہے کہ بول چال کی زمینوں میں بھی جن میں روزمرہ کے سوا کسی مضمون کی گنجائش نہ تھی حضرت امیر نے وہی جدت طرازی کی ہے جو انکی طبع معنی آفریں کا خاصہ ہے۔ اس سے بڑھکر قادر الکلامی کیا ہو سکتی ہے۔ اور ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زبان کی اصلاح جو لکھنویں ناسخ کی کوشش سے ہوئی تھی اس اصلاح میں جو کسر گئی تھی رام پور میں حضرت امیر کی توجہ سے وہ بھی نکل گئی اور اردو زبان بالکل صاف ہو کر آئینہ ہو گئی۔

اب صنم خانہ عشق کے اشعار ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ میں کہیں کہیں سے کچھ کچھ نقل کرتا ہوں ورنہ دیوان سب راہ انتخاب ہے۔

اتحادیہ خاتون

یہ آفتاب ہے گرم اسکی کبریا کی کا کہ ذرہ ذرہ ہے آئینہ خود نمائی کا
دراغہ سہرہ مشاطہ تصور کی مزا وصال کا دیتا ہے غم جدائی کا
پکارتا ہے یہ اندازِ دناز تو بیکن کہ آئے وہ جسے دعویٰ ہو پارسانی کا

میں پڑنا مست ہو حنیت مر کا شائد تھا حور ساقی چشمہ کو شر مرا پیمانہ تھا
ہم غلط فہمی کر سمجھے قتل کرنے کو عتاب اور واں اک جھیر تھا کننا معشوقانہ تھا
یار ادھر نیست میں بخود تکلف بر طرف ایسی صحبت میں آتا ہوش کیا دیوتا تھا
پوچھتا پھرتا ہر غم اسکا مرینے میں اب کیا ہوا وہ جو یہاں لہم اک میرا نہ تھا
جامم کو دیکھتے ہی میں نے پہچانا اتیر سیکر ہی بخاکی کا چھوٹا سا اک پیمانہ تھا

آنکھوں میں نو تیرا دل میں سرور تیرا دروازے سے ہر گھر تک راہِ تیرا

یہ شکوہ میوفانی کا یہ رونما کج ادائی کا ستر آؤں گانگی نہ مرف ہے آشنائی کا
دمازی صیغہ میں آتی ہر کتب قیامت کی کہ اک پیوند ہے پیرا ہن روبرو جدائی کا
نیا افسانہ کہہ اخط تو شاید گرم مجلس قیامت تو پڑنا حال ہر روز جدائی کا

اشخ مینوں چو مال نہیں ہوتا کچھ اور بلا ہوتی ہے دل نہیں ہوتا
 گردن تن بل سجد ہو گئی کب کی گردن سے جد آخر قاتل نہیں ہوتا
 صبا نہیں تیار ہو سرت دل کا اس خون سے تر دہن قاتل نہیں ہوتا
 دل مجھ سے لیا ہو تو ذرا بولے منیے چنگی میں سنے کیلے دل نہیں ہوتا
 جس بزم میں رخ سے اٹھا دیتے ہیں پڑے پروانہ وہاں شمع پہ مال نہیں ہوتا
 تیراُس نے لکھا وہ پڑا آگے جگر پر بچپن ہو وہ کیا جانے ادھر دل نہیں ہوتا
 تم اور کوئی کام امیر اس کو سکھاؤ ترپلے ترپنے کے لیے دل نہیں ہوتا

کوچہ قاتل میں اپنا دل گیا ✓ خاک میں ملنے کا رستہ مل گیا
 اے گناہ یاس تیرا ہو بُرا ✓ گھر تلک روتا ہو ا قاتل گیا
 مر ملے طے کنج عزت میں کیے بیٹھے بیٹھے سیکڑوں منزل گیا

دامنوں کا نہ پتا ہو نہ گریبانوں کا ✓ حشر کہتے ہیں جسے شہر ہے عرفانوں کا
 موصیٰ یاس جو اٹھتی ہوئی دیکھ سچا یہ بھی جمع ہے ترے چاک گریبانوں کا
 بیخودی آٹھ پہر گم یہ مجھے کس ہے دن کو شب رات کو ہوں خواہ گریبانوں کا
 قدر داں چاہیے دیوان سہارا ہے میر منتخب مصحفی دیر کے دیوانوں کا

سہو آہیں جب کسی نے کیں وطن یاد آگیا ✓ چار جھونکے جیسے ٹھنڈے چمن یاد آگیا
 رہ گیا اپنے گلے میں ڈالکر یا نہیں غریب ✓ عید کے دن جو غریب میں وطن یاد آگیا

رو برو آنسنے کے توجہ مری جان ہوگا . آئندہ ایک طرف ملک بھی حیراں ہوگا
 ہوں وہ دیوانہ مرے ہاتھ میں روزِ محشر عوضِ نامہ اعمال گریباں ہوگا
 اک پری رونے ہماری یہ بنانی ہوگا سیکڑوں پر یونیں کیا حال سلیمان ہوگا
 آگ لیں جو لگی تھی وہ بجھائی نہ گئی اور کیا تجھے سے پھر اے دید و گریبان ہوگا

مرے بس میں یا تو یارب وہ تم شہا ہوتا یہ نہ تھا تو کاشن لپر مجھے اختیار ہوتا
 ترا میکہ سلامت ترے خم کی خیر ساقی مرا نشہ کیوں اُترتا مجھے کیوں خمار ہوتا
 وہ فرود یا ترپختے کہ یہ آرزو ہو یارب مکر وہ نوں سلوہوں میں دل بقیار ہوتا
 جو نگاہ کی تھی ظالم تو پھر آنکھ کیوں کچی وہی تیر کیوں نہ مارا جو جگر کے پار ہوتا
 میں بان تو تم کو سچا کہو لاکھ بار کہدو اے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا
 اثر اسقدر تو ہوتا مرے لوٹنے کا ان پر کہ وہ کرپٹس ہی لیتے جو میں بقیار ہوتا
 مرے دل کو یوں مٹایا کہ نشانِ تیر دکھا میں لپٹ کے رو تو لیتا جو کہیں مزار ہوتا
 تیرے تیر کی خطا کیا مری حسرتوں نے روکا نہ لیتن یہ بلائیں تو وہ دل کے پار ہوتا
 مری خاک بھی لحد میں نہ ہی امیر باقی انہیں مرے کلمہ ہی اتنا کہ نہیں اعتبار ہوتا

جھونکا ادھر نہ آنسے سیم بہار کا نازک بہت ہے پھول چرخِ مزار کا
 عالم وہی ہے سن سے اتر کر بھی یا کا جو ن خزاں نے چھین لیا ہی بہار کا
 پھر بیٹھے بیٹھے وعدہ وصل اُس نے کر لیا پھر اُٹھ کھڑا ہوا وہی روگِ انتظار کا
 وہ شوخ اپنی راہ ہے یہ اپنی راہ ہے قابو کا دل رہا ہے زول اختیار کا

ساقی کے ہاتھ جو گرجا جاں کھ اٹھا
شاخوں کی برگ گل نہیں جھڑتے پٹائیں
لوٹا وہ دل کہیں کسی امیدوار کا
زیر اثر رہا ہے عروسِ بہار کا
شیشوں نے چمکیوں کی بھائی جو ڈاک کیوں
میں نے کو ارادہ ہے کس بادِ خواہ کا
ہمراہ جو حسرت و امان کی ہیر بھار
تباوت اٹھا اسیرِ غریب الیہ کا

جمالِ یار کو کہتے ہو تم کہ ہاں دیکھا
پھنسی جو دامن میں بلبل تو گل نگاہوں سے
کلیم پوش میں آؤ ابھی کہاں دیکھا
کبھی حیرن کو کبھی سوئے آشیان دیکھا

بید رو جانے والو ٹھہر جاؤ ہم تو لو
ہم بے زبان خاک نشینوں کا میش کیا
کچھ تم ہی کہتے ہیں لبِ خاموش نقشِ پا
تھا اک تتم لبِ خاموش نقشِ پا
ڈرتے ہیں پاؤں کہتے کہ اریسا نہ کہیں
چپکے کی چوم لیں لبِ خاموش نقشِ پا
نازک بہت ہیں پاؤں رکھ اطح قدم
یچھالے نہ ڈالے گرمیِ آغوش نقشِ پا
اوسست ناز دیکھ کے رکھ راہِ قلم
چھلکے کہ ہیں بادِ سر جوش نقشِ پا

اندھے شبِ غم کی سیاہی کی مچھلی
خوش ہوں کہ تری کوپ کی ہین اک ہلو ہوا
پرستی ہوئی آتی ہے مل رہی ہلا کا
بے مانگے لاکر تاپے بوس کفِ پاک

ایک دل ہدم مرے پیلو کی کیا جاتا
سب کے شہر تھے جو ان کے جوانی کیا گئی
سب ترپے تلملے نے کامزاجا تار ہا
وہ انگلیں شگفتیں دو دولا جاتا رہا

آنے والا جانے والا کیسی ہیں کن تھا ✓ ہاں مگر اک دم غریب آتا رہا جاتا رہا
 مجھ کو گلیوں میں جو دیکھا چھیر کر کہہ لگے ✓ کیوں میاں کیا دھونڈتے تھے پھر ہو کیا جاتا رہا
 جب تک تم تھے کشیدہ دل تھا شکوک و گھبراہٹ ✓ تم گلے سے مل گئے سارا گلا جاتا رہا
 کھو گیا دل کھو گیا رہتا تو کیا ہوتا تیر ✓ جانے دو اک ہیونا جاتا رہا جاتا رہا

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا مگر جو کسی کو دیا لے گیا
 بہت تھے اسیرانِ زندانِ ہوش جنوں آکے سب کو چھڑا لے گیا

پزشک کی مری کون مرے گھر نہیں آتا تیور نہیں آتے ہیں کہ چکر نہیں آتا
 ڈرتا ہے کہیں آپ نہ پڑ جائے بلا میں کہے میں ترے فتنہ محشر نہیں آتا
 جو مجھ پہ گذرتی ہے کبھی دیکھ لے ظالم پھر دیکھوں کہ رونا تجھے کیونکر نہیں آتا
 پھول اسنے کھلا کر کہہ تو یہ نہ کہہو تم اشد کے گھر سے ہمیں زیور نہیں آتا
 بجاتی ہیں چلن رخ روشن کی شائیں آتا بھی باہر تو وہ باہر نہیں آتا

کچھ ٹھکانا ہے نا توانی کا نہ اٹھا بوجھ زندگانی کا
 جوشِ فصل بہا میں اے گل رنگ ہے تیری نوجوانی کا
 مثلِ شبنم ہماری قسمت میں ایک دانہ ہے وہ بھی پانی کا
 زیت کا اعتبار کیا ہر تیر آدمی بلبلا ہے پانی کا

آہوں سے سوزِ عشق مٹایا نہ جائیگا ۱۰۴ آندھی سے یہ چراغ بجایا نہ جائیگا
لاکھوں کو خاک میں تو ماؤں لگا آسماں ظالم سے دودلوں کو ملایا نہ جائیگا

مستی اُن کچھ نہیں آتی ہر تو کہتا ہے جواب دیکھ تو آئی تو میں گھر سے نکل جاؤں گا

دمِ اخیر ہے لازمِ نظارہ کر لینا ۱۰۵ خدائے کام پڑا ہے بتو خبر لینا
صریح کچھ قاتل کی راہ اگر لینا سمندِ عمر سے اوشہوار اتر لینا
پڑا ہے دیر سے مٹی خراب ہوتی ہے لگا دو ہاتھ جنازے کو پھر نور لینا
دو سرکار کے مرے چھینرنے کو کہتے ہیں کہاں چمک کے یہ بجلی گری خبر لینا

ناوکِ ناز سے نکل ہے بپانا دل کا درد اٹھ اٹھ کے بتا آئی ٹھکانا دل کا
کہتے ہیں کیا میں کر دس سکے فساد دل کا وہی جھکڑا دی دکھڑا ہے پُرانا دل کا
آؤں کہنے کرڑک جاتا ہے قاتل میرا لذتِ قتل مٹاتا ہے بڑھانا دل کا
آج اس شوقِ پیکانِ مہر دل میں آیا آگیا یاد کسی شوخِ پیرانا دل کا

کیا میں اسے پرودہٴ قتل کا خواہاں ہوں؟ سرمِ آئی تجھے خنجر بھی جو عریان ہوتا

بہم سے دل دردِ محبت کو دکھایا نہ گیا زخم کھایا کئے مانگا کبھی کھایا نہ گیا
بھڑکی چال کھائی تپشِ دل تو مجھے عمر چلتے ہوئے گزری کہیں آیا نہ گیا

قیس کی خاک اُزلنے کو ہوا آئندہ تھی پردہ محسب لیلیٰ کو اُٹھایا نہ گیا

جب میں کٹنا ہوں جھگڑا سرگرداں کا تیغ کھتی ہے مجھے بیسچ میں ڈالا ہوتا
اور سامان جنوں میں ہیں درکار نہیں کوئی لشت کوئی کانٹا کوئی سچا لہوتا
نا توانوں کو گرایا تو فلک کیا پایا کسی گرتے ہوئے نکیس کو بسٹھالا ہوتا
حسن بے پردہ سہ طور پکارا آ کر چھپتے جب ہم کہ کوئی دیکھنے والا ہوتا
لطف حسرت کی لگا ہو کا تو جتنا کہ تہر ان نگاہوں کا کوئی دیکھنے والا ہوتا

اُنھ کے اُٹھنے کی گھبراہٹ کا احسان کیا زانو جو جاناں کے نیچے دے داماں بگیا
دیدہ بسل پہ حیرانی نے پٹی باندھ دی مرتے دم نظارہ قاتل کا ارمان بگیا
پردہ پوشی تو بہت کی زخم دامن دار نے خنجر قاتل مگر عریاں کا عریان بگیا

جب دیکھتی ہیں ابرکتیں ہر دم مست جاتا ہے یہ اُڑتا ہوا میخانہ کسی کا
بدلی ہو کر مینا ہے بلی کر کے ہے یہ رعد ہے یا نعرہ ستانہ کسی کا

قیس کو وہ بخش قیاس رضی بُرا کلمے میں کیوں ہوں دشمن کسی کا
چمکتی نہیں ابر سے برق تاباں لٹکانے پر دے سودا من کسی کا
ادھر بھی کرم اے نسیم بہاری ترستا ہے پھولوں کو مدفن کسی کا

حسُ کھلتا ہر حسینوں کا جسے جتنی لگا، جس قدر دیکھو ابھرتا ہر بدن تصویر کا

شوق خلوت میں بھی ہر انجمنِ ادا کا آمنہ خانہ ہے گوشہ مری تھالی کا
شفقِ شام نہیں ہے یہ مرے ماتم میں منہ کو آیا ہے کلیجہ شیبہ تنہائی کا
آمنہ دیکھ لے اے میں نے میں ایلے خود وہ ہنچھوڑتے ہیں اپنی تاشالی کا
پیاس اکی جو بھی بیگی تو میری کوثر سے طرف عالی ہے ایہ حسد نیالی کا

صیاد کچھ تو پاس لازمِ غریب کا لگا دے شاخِ گل سے نفسِ عندلیب کا
عشاق کی خیزاں ہر معشوق کی بہار غارہ ہر دے گل کو لبو عندلیب کا

عیش میں خستہ بختوں کو ہے اندوہِ صیب شمع کو محفلِ شادی میں بھی رو تے دیکھا

بر صبح کو یہ شور ہے مرغِ سحری کا چونکو کہ زمانہ نہ رہا بے خبری کا

وعدہ آنے کا جو فرمائے گا جیسے آج آنے تھے کل ایسے گا
بکی نظروں پہ نہ چڑھیے اتنا دیکھے دل سے اتر جائے گا
ہاتھ میں نے جو بڑھایا تو کہنا بس بہت پاؤں نہ پھیدائے گا

تم اپنی اتھتی جوانی کی شوخیان دیکھو ابھرا بھر کے بڑھاتی ہر دولہ دل کا

دل کے یار نے چٹوں مٹا دیں جھک کر
نہ میں رہا نہ رہا دل نہ وہ گلہ دل کا

موقوف جرم ہی پر کرم کا ظہور تھا بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا
ای برق حسن یار یہ اچھا ظہور تھا دیدار کو کلیم تھے جلنے کو طور تھا
ای شورِ حشرِ قہر کیا کیوں جگا دیا گوشت مزار کا مجھے آغوشِ حور تھا
فرقت میں کیوں نہ تھا کسی کر دینِ مجھ پر کیا دونوں پیادوں میں لانا صبور تھا
صورت تری کھلے کہو نگا یہ ردِ جزر آنکھوں کا کچھ گناہ نہ دل کا قصور تھا
وہ شوخ آنکھ شوخ نگہ شوخ تھی مگر سب کا جواب ایک لانا صبور تھا
سو شعر ایک جلیے میں کہتے تھے ہم امیر جب تک نہ شعر کہنے میں تھکو شور تھا

یاں تو دل میں کھنگ اور وہ فرات ہیں پیچ کہو تم یہ چر لائی ہو پیکان کس کا

جب ہوا وعدہ اور وفانہ ہوا ہو گیا ایک سب ہوا نہ ہوا
کامِ جاں حسبِ مدعا نہ ہوا دل پیا تو مگر حسانہ ہوا
خاموشی میں بھی کیا حلاوت ہے کہ کبھی لب سے لب جدا نہ ہوا
داغِ دلسوز تو ہوا اے درد تو کسی درد کی دوا نہ ہوا
بیوفائی کو تیری لگتا داغ وعدہ اچھا ہوا و خانہ ہوا
صورتِ لالہ اس جس میں امیر داغِ دل سے مرے جدا نہ ہوا

اس فلک یزت یتہ الی گھٹا اتو راتین حجب کی کالی گھٹا
 تم بھی جوڑا کھول دو آگنی بال کھولے گیٹوں والی گھٹا
 گل نہیں پہوئے چمن میں لائی ہے میکشوں کی نذر کو ڈالی گھٹا
 آپ اچھے وقت پر آئے امیر خوب میخانے پہ جب چھالی گھٹا

کتا کرتی ہے چاند سانہ کسی کا ستارہ ہے چمکا ہوا آرسی کا
 قضا نے کچھ اس ناز کو جان مانگی کہ یاد آگیا مجھ کو غم نو کسی کا

ہو جایگا ای شیخ مراد امن تر خشک میدان قیامت میں پرگی جو کزی ہو پ
 برسات میں دکھلاؤ کبھی رخ کبھی گیسو دو چار گھڑی سایہ ہو دو چار گھڑی ہو پ

نہ راستی کا نشان سر دین گل میں ہو بدل گئی چمن روزگار کی صورت

پر دست ہو جس خورنے دیکھا ہوا ہر گز آنکھوں کو مری چرتی ہے میری نظر آج
 غیر دس کبھی ہر کبھی مجھ سے ہو لگاؤٹ بہکی ہوئی پھرتی ہے محبت کی نظر آج
 آنکھیں مری نشے کی نہیں سرخ ہیں ناب کچھ کچھ چمک آیا ہے اوہ ہر خونِ گل آج

حیف کہ رستے میں مجھے ہم سفر چھوڑ گئے نقش قدم کی طرح

انوار وصل ساقی ہر دل کے دھوکے بہار لوٹتی ہے بلخ کو خزان کی طرح
یہ سیکہ ہے کہ کوئی ظلم ہے ساقی سا جو آئے پیر کی صورت گئی جواں کی طرح

یہ جھک پڑا جہاں میں دریا بہا دیا ساقی مجھے ہے ہمت دست بسو پسند
زائد کو گریہ وقت عبادت ضرور ہے اللہ کو نماز نہیں بے وضو پسند
تعریف دوستوں کی نہیں بترائیر اچھا ہے وہ کلام کرے جو عذر پسند

یار ب پڑی جس رخ پر نور پر نظر ہوتے نہیں جو دیدہ و خورشید ماؤ بند

تیر کھانکی بوسہ تو جگر مدا کر سرفروشی کی تنہا تو سر پیدا کر
کوہ کن کوہ کنی شیوہ عشاق نہیں ہی جو عاشق ل معشوق میں گھر پیدا کر
رنگ چاہو اگر اس باغ میں کی نادی کا نکھت گل کیلچے شوق سفر پیدا کر
قطرہ اشک تو گوہر گوش جانناں آبرو اتنی تو اسے دیدہ تر پیدا کر

کونسی جا ہی جہاں جلوہ معشوق نہیں شوق دیدار اگر ہے تو نظر پیدا کر
میرے ہی لہر پر گر کر کاش یہ بجلی بن کر اے فلک آہ میں اتنا تو اثر پیدا کر

حال کیا پوچھتے ہو میرے دل پر خون کا دیکھ لو بادِ گلزارِ گلزار سے مینا بھر کر
عطر تحفے میں نہ بھیجو مجھے بھیجو کسی دن شیشیوں میں گلِ عارض کا پسینا بھر کر

آباد وہ شہر گاں سے ہر نیا وک فلکی پر منہ تیر و نکا بر سے گا خزاں غلئی پر
ساتھ اپنی جو لہجائیں مجھے بھی وہ سفر میں قربان وطن ایسی غریب الوطنی پر

سیکری سچی بھرتا نہیں پر شرم آتی ہے کہا تک بوجھ رکھیے کاتبِ اعمال کے سر پر

حیا آتی ہے کیا منزل پہ جاؤں کہ کانٹے روکتے ہیں پاؤں پر کر
یہ جنگ زرگری در پردہ ہے صلح ملا دیتی ہے دل کو آنکھ لو کر

منعم ہر شکارِ فرض جو سائلِ حق تیر گرد فانوسِ چمک کوئی شمعِ حیات پر
درکار ہی بہانہ ہے مغفرتِ امیر تقویٰ پہ منحصر ہے نہ صوم و صلوٰت پر

بہارِ لائے گل مہر کبھی کا ہر کو دیکھنے لگے چلے ہیں اس چمنِ سرورِ گنارِ پیر ہو کر

مرے پھر لوغین لیں آو چمن صدقے ہو جو بن پر
 الہی وہ بھی دن آنے کہ میرا ہاتھ محشر میں
 شہر آتش بن لیں کہ فطریہ اشک خمین کے
 کدورت کب جگہ پانی ہو دلیں صاف طینت کے
 کسی گل پیر سن کی جامہ زیبی رنگ لائی ہو
 عجب لذت بھری تلوار سے قاتل نے مارا ہو
 دیوال مصیبت پاک میں دل صاف ہے جن کا
 میں جب کہتا ہوں اس سے جھکوتیری شہر مارا
 امیر ایسا کیا دیراں اجل نے قصر شاہی کو
 ملو ہاتھوں میں مہندی خون سبکا میری گردن پر
 کبھی حبیب کفن پر ہو کبھی قاتل کے دامن پر
 نظر آتی ہیں کچھ چنگاریاں سی جینے اس پر
 نہ دیکھا کرو کو جتنے کبھی دریا کے دامن پر
 گریباں آج کل لوٹا ہوا ہے میرے دامن پر
 مرا خون اسکے سر پر اسکا احساں میری گردن پر
 عذاب سیکشی ہوتا نہیں شیشے کی گردن پر
 تو شوخی ہی حیا الزام رکھ دیتی ہے چتون پر
 کہ آنکھیں کھ کے روئی ایکسیا ایکیا دن پر

تری سفاکیاں نہیں یہاں تک
 کڑی ہے اسقدر منزل عدم کی
 نہ پانی گردنالوں نے اثر کی
 کہ ڈرتی ہے حیات جاوداں تک
 کہ مر مر کر پہنچتے ہیں وہاں تک
 زمیں سے خاک چھانی آسمان تک

جو صدقہ ہو بابر اسے کیونکر کوئی دیکھے
 روشن ہو کہ جاتی ہو نظر حد نظر تک

واہ کیا خوب پر وہاں نکالے بلبل
 اُڑتے ہی پڑ گئی صیاد کے پائے بلبل

انہیں درکار ہے اک چلبلا دل یہ سننا تھا کہ بجلی بنگیا دل
اُسے دیکھا نقد کر دیا دل ✓ کیونکہ کیا مری آنکھیں مراد دل
تری آنکھیں یوں پر خون اس کا چلا اس چال سے تو پس گیا دل
تمہارا جو نہو اسکی خبر کیا ہمارے ہاتھ سے جاتا ہوا دل
تمہیں انسودہ پایا بھج گیا جی ✓ تمہیں دیکھا شگفت کھل گیا دل
ترپنے سے ہے روز وصل کیا کام یہ تمکو سپا کرتا ہے مراد دل

جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہو وہ اُسے جاؤ کہینا ہمارا حال اسے قاصد نہیں تحریر کے قابل
امیر اپنا دل پر داغ سوے کر بلائے چل یہ گلہ سترہ نذرِ روضہ بشیر کے قابل

ہے حسن سے قدرِ عشق بالا گل سے ہے بلند جاے طلس

جاتا تو اُس کے کوچے میں ہے بار بار دل کھائے نہ چوٹ یا س کی امید ہوا دل
بزمِ وصال ہے کہ کوئی مصید گاہ ہے میرا شکار تم ہو تمہارا شکار دل
جسمِ نکل چلا مرے پہلو کو توڑ کر رو یا پیٹ کے تیرے بے اعتبار دل
گستاخِ ترے بھر کی ایک ایک گھڑی ل ہے عاشقِ مینا کے سینے میں گھڑی دل



جنون میں پاس یہ پامالی ضیف کا ہی ✓ کہ چھونک چھونک رکھتے ہیں پاؤںِ ظہیر

ہم لوٹتے ہیں وہ سو رہے ہیں ۷ کیا ناز و نیاز ہو رہے ہیں
 کیا رنگ جہاں میں ہو رہے ہیں دو ہنستے ہیں چار رو رہے ہیں
 دنیا سے الگ جو ہو رہے ہیں ٹیکوں میں مڑے سے سو رہے ہیں
 سوتے ہیں لحد میں سونے والے جو جا گئے ہیں وہ رو رہے ہیں
 ارباب کمال چل بے سب سو میں کہیں ایک دور رہے ہیں
 اے حشر دینے میں نہ کر شور سرا چپ چپ سکندر سو رہے ہیں
 آہنگی نہ پھر کے عہد رفتہ ہم مغت میں جان کھو رہے ہیں
 زانو پہ امیر سر کور کھے پھر وں گزرے کہ رو رہے ہیں

آنے دے غیر کو آتا ہے اگر خلوت میں ۷ کچھ تری شرم نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکون
 کوئی پوچھے تو محبت سی یہ کیا ہوا افسانہ وہ مجھے دل سی بھلا دیں میں بھلا بھی نہ سکون
 نقش ہستی ہیں ابھی مجھ کے دیتا ہوں خط تقدیر نہیں ہے کہ مٹا بھی نہ سکون

ہائے وودن کہ گزرجاتی تھی شبِ باتونیں ۷ اب نہ باتوں میں مڑ رہے نہ ملاقاتوں میں

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے خریدار نہیں ہیں ۷ تو سراپا ناز ہے میں ناز بردار نہیں ہوں
 حشر میں آنا کہو گنا اُس سے میں محروم صل ۷ پاک دامن تو ہے میں کیونکر گنہگار نہیں ہوں

جان پر صدمہ جگر میں درد دل کا حال نار
ہے رے غفلت نہیں ہے آج تک اتنی خبر
وہ کرشمے شانِ حُرّت لے دکھائی کر دِ حشر
زاہد و کافی ہے اتنی بات بخشش کیلئے
کس طرح فریاد کرتے ہیں تباہ و قاعدہ
بیگنا ہونیں چلا زباں جو اسکو دھونڈے
اوپنے اوپنے مجرموں کی ہنگام پرش حشریں
بیگنا ہی کا تو دعویٰ اُنکے آگے کیا جال
گھر کا گھر بھاری کس کے پرستار نہیں ہوں
کون ہے مطلوب میں کسے طلبگار نہیں ہوں
چنچ اٹھا ہر بیگنہ میں بھی گنہگار نہیں ہوں
اُسکو شوقِ مغفرت ہو میں گنہگار نہیں ہوں
اے اسیرِ انفس میں تو گرفتار نہیں ہوں
مغفرت بولی او صرا میں گنہگار نہیں ہوں
کون پوچھ گیا مجھے میں کن گنہگار نہیں ہوں
ڈرتے ڈرتے منہ کی نکلا میں گنہگار نہیں ہوں

ضبط کرنا دلِ حسنین نہ کہیں
چوٹ لگجا میسگی کہیں نہ کہیں
مسکرا کر وہ شوخ کہتا ہے
آج حبلی گری کہیں نہ کہیں

اس شان ہی ہم آئے تری جلوہ گاہ میں
اندھیر کر رہی ہے چشمِ سیاہ میں
کیا دخل جاسکے کوئی اُس جلوہ گاہ میں
دل ہے تباہ قافلہ اشکِ آہ میں
وہ دشمنی ہی دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں
ہم ست محب بھی پتہ ہیں تو کاہنتے ہوئے
قالب میں دلِ ہر دل میں ہے وہ قدرِ دل
مشل دکھائی برقِ تجلی نے راہ میں
شوخی کو قیہ دیکھتے نیچے لگا ہوں
غمزہ چھری لی ہوئے بیٹھا ہی راہ میں
گھیر رہے آندھی پانی نے سیکر کو راہ میں
میں شاد ہوں کہوں تو کسی کا گناہ میں
تو بہ پڑی ہوئی ہی ہمارے گناہ میں
یوسف گرا ہے لیکن زینما کو چاہ میں

وہ دیکھتے ہیں غمِ تمنا جا کے آنکھ
 ڈرتا ہوں جذبِ شیخ کا سن نکلے غلغلہ
 آنکھ اپنی فتنہ کی قیامت پہ کیا پردہ
 قدرتِ خدا کی ہو کہ میں خاک میں تو ہم
 تیرے جلال میں بھی مرنے ہے جال کا
 یہ عکس کسے چاند سے چہرے کا پڑ گیا
 قالم کے بھی قیام نہیں روح کی طرح
 ہم میں سیاہ کا تو جھٹ ہے پردہ پوش
 اندر سے رشک جمع نہیں ہوتے دھوین
 آنسو ہمارے دیکھ کے خوش ہو رہی ہیں وہ
 اسی تیغِ ناز ہاتھ جو تو نے اٹھا لیا
 آمینہ جب سے دیکھ لیا لوٹ ہی رہا
 سودا و میر دونوں تھک لے مگر امیر
 شاعر کو مست کرتی ہے تعریفِ شمعِ تیر

منہدی لگائی جاتی ہے یادِ نگاہ میں
 کھینچ جائے دستِ سنہ کہیں خانقاہ میں
 جکے یہ فتنے ہیں وہ ہے اپنی نگاہ میں
 اور سرمہ گھر کرے تیری چشمِ سیاہ میں
 چشمِ کرم چھپی ہے غضب کی نگاہ میں
 پانی کو ناز نہ ہو کہ میں یوسف ہو چاہ میں
 منزل چلی ہے ساتھ مسافر کے راہ میں
 مے پیتے ہیں تو سایہ ابر سیاہ میں
 روزِ ازل سے پھوٹ ہے خورد شدہ راہ میں
 پازیبِ میتوں کی ہے پائے نگاہ میں
 لیتا نہیں کوئی مجھے اپنی پناہ میں
 یوسف مرا ابھرنے سگا کر کے چاہ میں
 ہے فرق واہ واہ میں اہ آہ آہ میں
 سو بوتلوں کا نشہ ہے اک لہ واہ میں

چلے ساتی پہنے بولے اگر آئی ہے یاروں میں
 حقیقتِ عاشقوں کی مرگ کی ہم کوئی پوچھے
 فرشتوں کی کہ اتنی قیامت میں خبر رکھیں
 جدا ہو دستِ رزک نام بہرِ محبت میں اسی ساتی

دلِ نیک نہ بیٹھے فخر نہ بادِ خواروں میں
 بہت جب نیند آئی سوچے جا کر مزاروں میں
 کہیں چپ چپ کے زارِ دلِ خجائیں بادِ خواروں میں
 پری ہے میکشوں میں حور ہے بریز گاروں میں

شہید
کسی شہید کا ہے رنگِ خون بہا رہیں کسی لہ چسپہ امان پہ لالہ زار ہیں
نہ دور قیب کو تم داغِ اپنی الفت کا زمینِ شور سزاوار لہ زار نہیں

مثلِ تارِ نظرِ نظر میں نہیں اسطرح گھر میں ہوں کہ گھر میں نہیں
عجز بندوں کا کیوں پسند نہو کہ یہی تو خدا کے گھر میں نہیں
دیکھئے تو اسی میں ہر سب کچھ کون کتنا ہے کچھ بشر میں نہیں

وہ انتظار کسی کا کرے جو آپ میں ہو ہم ایک عمر سے اپنی ہی راہ دیکھتے ہیں

غصے کہتے ہیں کہ کیا جلد گزرتی ہے بہار مسکرائیں کی فرست بھی گستاخیں نہیں
اپنے موقع پہ ہر اک چیز بھلی لگتی ہے کاغذِ آن پھولوں کا چھوڑ گیاں میں نہیں

کلیاں یہ سُرخ سُرخ نہیں لالہ زار میں جہنری لگی ہے دستِ عروس بہاڑ میں

شرم آتی ہے کہ یار کو میں بے وفا کہوں اچھا کہا ہے جسکو اُسے کیا بُرا کہوں

چپکے شاخوں میں جنبش ہو پھولوں میں بہار جھول رہی خوشی کے جھولوں میں
وہ گلفزار کہ تلستے تھے روزِ پھولوں میں انہیں کی خاکِ شریک آج ہے بگولوں میں
نظر جو آئے ترے بالِ بال میں موتی گمان ہوا کہ حسین جھولتے ہیں جھولوں میں

محمد عربی سا کہاں ہے کوئی ایسے خدا کے فضل سے ستراج ہیں سو کوئیں

بہی ہر شرم تو وہ آچکے آغوش میں یہ جھٹک لیتے ہیں آنکھیں چاند ہوتا جو ہائیں

دل جدا مال جدا جان جدا لیتے ہیں اپنے سب کام بگڑ کر وہ بنا لیتے ہیں
مجلسِ عظیمیں جب بیٹھتے ہیں ہم میکش دخترِ زر کو بھی پہلو میں بٹھا لیتے ہیں
جی اکیلے شبِ فرقت میں جو گھبراتا ہے فتنہ حشر کو نالوں سے جگا لیتے ہیں
ہو ہی رہتا ہے کسی بُت کا نظارہ تا شام صبح کو اٹھکے جو ہم نامِ خدا لیتے ہیں

فراقِ یار میں شب ہو کہ دن تمام نہیں جو اسکی صبح نہیں ہے تو اسکی شام نہیں
ملی ہے دخترِ زر لرز جھکڑ کے قاضی سے جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں
یہاں کمال تو اضع و ہاں کمال غرور ادھر ہیں سجدے پہ سجدا دھر سلام نہیں
گرہ کی کچھ نہیں جاتا ہے پی بھی لے زاہد ملے جو مفت تو قاضی کو بھی حرام نہیں
زمانی بھر میں پڑی ہے پکارِ حاتم کی دیا ہے جس نے کہ حاتم کو اُس کا نام نہیں
کہا جو میں نے کہ رخ سے کبھی نقاب لٹو تو ہنسکے بولے کہ منظور قتلِ عام نہیں
جو میکشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو ملو امیرِ مسجدِ جامع میں آج امام نہیں

کہتا ہے کون آدمی میں اپنی اثر نہیں ہاں دل دکھے کسی کا یہ نظر نہیں
گھر جانے کا ابھی سے ارادہ نہ کیجئے یہ میرے دردِ دل کی چمک ہے سحر نہیں

دیباے طرفہ سیکدہ بخودی اسیر سبست ہیں کسی کو کسی کی خبر نہیں

دیکھی مجنوں کی شبیہ آج جو تصویر نہیں ہڈیاں سوکھی سی دو چار تھیں زنجیر نہیں
تیغ پر بارہ جو رکھوائی ہے قاتل نے اسیر عید قربان کی خوشی پھیلی ہر خچر نہیں

جو بوئے گل چمن ہیں دھونڈتے ہیں مسافر کو وطن میں دھونڈتے ہیں
ہمیں اسے باغبان بخچوں سے کیا کام مہم اپنا دل چمن میں دھونڈتے ہیں

وحدت و کثرت تو دونوں ہیں اسی کا جگہ پھر جو خلوت میں مڑھیں انجمن ہیں کیوں نہیں

گروہ تباہک نشینوں کی یاد کا رہیں مٹا ہوا شانِ سرِ مزار ہوں میں
ترے کرم میں کمی کچھ نہیں کریم ہے تو مراقصو رہے جھوٹا امیدوار ہوں میں
پڑا ہے دستِ اجل مجھ پہ لاکھ بار مگر نفل کیا ہو ترپ کر وہ بے قرار ہوں میں
کچھ آج میں نے نئی پی پی ہے حضرت اعظا ازل کا مست پُرانا شراب خواہ ہوں میں
نگاہ گرم سے محکوم نہ دیکھ اسے دوزخ خبر نہیں تجھے کس کا گناہگار ہوں میں
پھر اسکی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھے گناہگار یہ کہدے گناہگار ہوں میں
جو مست ہوش میں آنے کا قصد کرتا ہے پکا رہا ہے یہ ساتی کہ ہوشیار ہوں میں
بڑے فرے مگر زرتی ہے بخودی میں اسیر خدا وہ دن نہ دکھائی کہ ہوشیار ہوں میں

در شوخ لاکھ پردوں میں پر نشین نہیں
اور چہرہ دیکھئے تو کہاں ہے کہیں نہیں
گر رہا ہوا زمانہ پھر آتا نہیں کبھی
وہ کونسا ہے دم جو دم واپس نہیں
نقشِ سجود سے درو لدا رہے چین
اک بھول ہی چین کا ہے داغ جبین نہیں
خش میں پڑے ہیں جلوہ گہ ناز میں کلیم
تخمیں نہیں سانس نہیں۔ آفرین نہیں
تو قابلِ سجود ہے اے میرے بے نیاز
پر قابلِ سجود کسی کی جبرائیل نہیں
واعظ کو تم تو دیکھتے ہی نہیں پڑی تیر
باتیں تو ان بزرگ کی گنتے نہیں ہیں

میرا سحر
میری

یادِ قاتل میں لہو سے جو بوئیں تر پلکین
نباغین طائرِ مذبح کے شہرِ پلکین
اثرِ سوزِ محبت نے دکھایا اعجاز
پہ گھیا آنکھ سے دریا نہ ہوئے پلکین

عالمِ شگفتہ ہو جو میں آفتِ رید ہوں
صبح بہار ہوں جو گریہاں درید ہوں
اے اہلِ بزمِ محکو اٹھاؤ نہ بزم سے
شیخِ سحر ہوں عمرِ بیایاں رسید ہوں
میں اور جم ہیں پیرِ مفاں دو تیرے میر
لیکن وہ بد عقیدہ میں خوش عقید ہوں
مجردِ حُسن ہو اکبِ جنس نہیں
یوسف کی جلوہ گاہیں دستِ برید ہوں
اتک کسی پامیری حقیقت نہیں کھلی
حرفِ نگفتہ ہوں سخنِ ناشنید ہوں
پیدا کنے کی شرم الہی ضرور ہے
تو آفریدِ کار ہے میں آفرید ہوں
مطلبِ خزاں سے کچھ نہ غرض ہر بہار
دونوں سے مثلِ سرو میں اس کشید ہوں
دیکھ ل کسی کے عیب تو کیا خاکِ سکوں
ہاں خم سے آئینے کی طرح آبدید ہوں
نبیل ہوں میں گل ہوں گلستانِ میر میں
ہاں اک پر شکستہ وزنگ پرید ہوں

شبم کے اے امیر ملے ہیں مجھے نصیب گل سنس پڑیں ہیں جو میں آید ٹیڈ ہوں

نالہ ذرا کرے تو سمجھو جو جھو کر کرے
تھوڑا سا لطف او بھی اے خجہ جنوں
پیا سی ہیں اب خنجر قاتل کی دیر سے
جتنی رگیں امیر تارے بدن ہیں ہیں

غزاجا بسا تھی تم کے ہیں پھر چھوٹ جاتیں
ابھی کیا علامہ ہو وہ جب لیتا ہے انگڑائی
عجب کتا ہے ساقی عتب جی اکلنا ہو
جہاں یہ ارٹوٹا سا کرشتے ٹوٹ جاتیں
مرے سینے میں سب غموں کے ٹانگے ٹوٹ جاتیں
تو سب جام وں جو چھانکی صورت پٹھو جاتیں

شبم عشق جی جانے ہیں جی تو کیا گزرتے ہیں
یہاں آنکھوں میں ہے اب کوئی ستائیں نہیں
کلفجائے ہیں جس راہ سے یحییٰ کرتے ہیں
اگاتے ہیں جو نہ مرنے کو دور دھرتے ہیں
کسے بے ہوش فضل گل میں رخت نو بد لئے کا
تفاوت اس قدر ہی زادوں میں اور رندوں میں
شبم گل ہیں ہم بھی تم اگر بادِ بیماری ہو
لیا تو میں نے بوسہ خنجر قاتل کا مقتل میں
کبھی بد نظر گرما شقوں کا قتل ہو تم کو
خدا یہ موت دے کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں
قضا کہتی ہے جلدی کیا ہے آئینکے سنو تے ہیں
ہزاروں جنگلیاں لیتی ہیں بنائیں گزرتے ہیں
سمندر کچھ وہ اپنی چوٹیوں سے آپ ڈرتے ہیں
بدن کی مثل گل صیغہ یہاں کپڑے اترتے ہیں
کہ وہ کچھ دلیں لے رہی ہیں یہ سب کھڑکیں
جدہر چلتے ہو چلتے ہیں جہاں تھہر تھہر نہیں
اجل شرما گئی سمجھی کہ مجھ کو پیا کہ بے یمن
ہیں بھی یاد رکھنا ہم بھی تکیہ پیا کرتے ہیں

عجب پردہ ہے پردہ شرمِ حصیاں کا دمِ خضر
مرا خط پھینک کر قاصد کے منہ پر طغیانی بولے
اسی پردہ میں ماری عمر کے بگڑے سنورتے ہیں
خلاصہ سار اس طومار کا یہ ہے کہ مرتے ہیں
نہ انکی پیاس مرنے ہی نہ یہ پیاس ہی مرتے ہیں
کہیں توبہ نہ میخانے میں آئی اس ڈرنے میں
شکستِ توبہ کی آواز پر ہم وجد کرتے ہیں
کہ وہ مجھ کو سمجھتی ہے جو بالِ انکھ بکھرتے ہیں
مسیح و خضر و عزرائیل تینوں تمہی مرتے ہیں
لب ایسے جانفزا خط کا یہ رنگ اس قہر کی لکھیں

شوخی تھی قیامت تری مستانہ ادایں
چھوڑا ہے شگوفہ یہ نیا ناز و ادایں
فتنوں نے قدم چوم لیے لغزشِ پائیں
اک شاخِ تغافل کی لگا دی ہے جہاں
شوخی بھی چھپی بیٹھی ہے پہلوے حیا میں
تاثر کھلی جاتی ہے اس غم سے دوہیں
کہتی ہے شبِ وصل یہ چپوں کی شرارت
بیمارِ محبت نے کبھی منہ نہ لگایا
آج آگ لگا دوں گی میں دامنِ حیا میں

قابلِ عفو میں آلودہ عصیاں ہوں
پھر وہی میں ہوں ہی جامہ درمی جہشتیں
اے اجل صبر کر اتنا کہ لپشیاں ہوں
پہلے دماغ سے ذرا دستِ گریبان ہوں

غم نے ترے نچوڑ لیا سر سے پاؤں تک
خالی ہی جب نہ دے تو گلہ آسمان سے کیا
رگ پکارتی ہے کہ شتر سے کیا کہیں
ساتی نہ منہ لگائے تو ساعر سے کیا کہیں

واقف دلوں کے بھید ہے آفرید گیار
آئینے اپنا حال مکندہ سے کیا کہیں
تنت سے سامنا کبھی ہوتا بھی ہے اگر
پہروں ہی سوچتے ہیں کہ دلبرے کیا ہیں

ستارے مرے دیکھے بھالے ہوئے ہیں
یہ سب کیندا تھیں کے اچھا ہوئے ہیں
کبھی خون سودائیوں کا گرا تھا
اچھل کر وہی قطرے لائے ہوئے ہیں
نہ تھی کوچہ گردی نہ صحرا نوردی
یہ رستے ہمارے کٹالے ہوئے ہیں

ذرا چلن تک آئیں گھر میں کیا نیکی بیٹھے ہیں
ہزاروں سرکفشتاق اک چتوں کے بیٹھے ہیں
اُدھر ہے عکس اُدھر وہ دونوں بانگے نکی بیٹھے ہیں
غضبِ بنِ برد و دو گرز تو لے تنکے بیٹھے ہیں
ملا کر خاک میں بھی ہلے شرم انکی نہیں جاتی
نگہ نیچی کئے وہ سمنے مٹن کے بیٹھے ہیں
علاقہ میرے دشمن سے نہیں جاتا نہیں جاتا
نہیں دشمن تو اب سوگ میں دشمن کے بیٹھے ہیں
دو آما وہ سور نے پر ہم آما وہ میں مرنے پر
بغض میں انکی ہم پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں
دہی انصاف سے کہیں کہ ہر کسی جگہ ابھی
پتنگے کچہ تری شمع رخ روشن کے بیٹھے ہیں
نہیں لڑا ہوش یہ آسمان پر جا جاتا ہے
امیر آتی ہر جگہ شرم اس محل میں کچہ پڑتے ہیں
کہ میں ناقص ہوں ہر کامل یہاں مٹن کے بیٹھے ہیں

آزمائش میں جان لیتے ہیں
خوب آپ امتحان لیتے ہیں
فقرے فقرے میں لپیٹیں چوٹیں
باتوں باتوں میں جان لیتے ہیں
کیوں سراپا نہ جان ہوں مشتوق
سارے عالم کی جان لیتے ہیں

نہیں ساقی یہ قلقل مینا
یہ ملا اوج خاک ساری سے
ہچکیاں نیم جان لیتے ہیں
کہ قدم آسمان لیتے ہیں
پھیریں دل نہیں جو ان کو پسند
کیوں غریبوں کی جان لیتے ہیں

خوش رہا گر لعلِ زلف سُنکھاتے بھی نہیں
یہ بچاں کر کے مجھے سر پہ کھڑے ہیں چپکے
ہاتھ جابے ہم آپ میں آتے بھی نہیں
ہاتھ اٹھاتے بھی نہیں ہاتھ لگاتے بھی نہیں
روز کے رُوٹھنے والے کو مٹاتے بھی نہیں
اب تو مدت ہوئی ہم تلو ستاتے بھی نہیں
دہنیں آتے تو ہم جان ہی جاتے بھی نہیں
لطف مرنے کا دکھائیں کس وقت میں تیر

جھڑے موتی جو سمجھتا ہے نہیں تم دل میں
گر میاں کر کے زلاتے ہو مجھے یاد رہے
چھائے ڈالینگے یہ جلتے ہوئے آنسو دل میں
اٹھ بھی اڑ دو دل بکیوں ہوڑا تو دل میں
دل ہو پہلو میں مرے تیرے پہلو دل میں
پھر گئی کو کب و مدار کی جھاڑو دل میں
حسرتیں جتنی ہیں مٹھی میں دوزا نو دل میں
اگ لگ جاتی جو رہ جاتے یہ آنسو دل میں
جھڑے موتی جو سمجھتا ہے نہیں تم دل میں
گر میاں کر کے زلاتے ہو مجھے یاد رہے
چھائے ڈالینگے یہ جلتے ہوئے آنسو دل میں
اٹھ بھی اڑ دو دل بکیوں ہوڑا تو دل میں
دل ہو پہلو میں مرے تیرے پہلو دل میں
پھر گئی کو کب و مدار کی جھاڑو دل میں
حسرتیں جتنی ہیں مٹھی میں دوزا نو دل میں
اگ لگ جاتی جو رہ جاتے یہ آنسو دل میں

دارِ غالی میں تپا اُس کا کس سے جو چہرے
سب میں پر کسی یہاں کا کوئی ساکن ہی نہیں

نالہ کشن کی کو نہ دیکھا تو وہ کافر بولا
جب کہا میں نے کہ اب تم ہو واجب بولے
اے صنم وصل میں کیا قید کہ ٹھہرے کدن
ان سر پہ وصل کی درخواست وہ چوچا میں کہیں
بے جگہ شام ہونی جاتی ہے جگہ میں ابیر
اچھی مسجد ہی جہاں کوئی توازن ہی نہیں
آپٹا جب کہیں یا فرض یکم ہی نہیں
سب ان اللہ کے ہیں کوئی بزدل ہی نہیں
غمزہ کیوں یحییٰ میں لال تھتا ہی ممکن ہی نہیں
ہاڑ کیا ہو نہیں گئے نزل پر کہ ابن ہی نہیں

الفت میں برابر ہے وفا ہو کہ جفا ہو ✓
آنے جو مرنی لاش پر وہ طنز سے بولے
گھبرا کے وہ بولے جو سنا شور قیامت
کیا شوق تھا مرقہ سے قیامت میں میں پہنچا
جھنجھلا کے سزا دیں وہ مجھے ہاتھ سے اپنی
سہ رنگ میں ہے یا نیاز بگ تھکا
لایا مرہ نو بدر کا آئینہ لٹا میں
کیا ہاتھ تیرے دیکھنے میں آئے تیرے ہونے کی

سہرات میں لذت ہے اگر دیں مزا ہو
اب میں ہوں خفا تم سے کہ تم مجھ سے خفا ہو
دیکھو مرے عاشق کا جنازہ نہ اٹھا ہو
کہتا ہوا اب وعدہ دیدار نہ بنا ہو
ایسی کوئی ایدل جو خطا ہو تو مرے
بے پردہ جو شوخی ہو تو در پردہ جیا ہو
اتنا بھی نہ اچھا کہ مشتاق تھا ہو
چھو لیں گل عارض تو وہی نگہ حسا ہو

بولے وہ آئے جو نا صبح مرے سبھانے کو
تو نے کبھی کبھی پی ہی نہیں کیا تجھے قہر
گوریں آئے نکلیں تو میں یہ سمجھا
ساقیا دختر رز کا تو بڑا رتبہ ہے

کون جو تم نہ سستاؤ مرے دیوانے کو
عجب دیکھ مرے آنکھ سے میا نے و
نا صبح آنکھیں یہاں بھی مرے سر رکھانے کو
بے وضو میں کبھی چھوٹا نہیں پہانے کو

واعظو تم جسے سمجھے ہو حسابِ رحمت لے اُڑی ہری صبادوش پہنچانے کو

پر دے میں تم ہو اُس سپید عالمِ حسنِ کل
پر دے سے باہر آؤ تو کیا جانے کیا کرو
جب پوچھتا ہوں ان کی دوا اور خوشی کی
کہتے ہیں پہلے ہوش کی اپنے دوا کرو

آج وہ چھاؤں میں تارو کی سدا گھر کو
لگ گئی آگ کے ہند لکے میں ہمارے گھر کو
گھر سے ہم وادیِ وحشت کی طرف چل نکلے
چھوڑ کر خانہ خرابی کے سہارے گھر کو

گھر میں مستو نہ آجکل بیٹھو
دیکھو نکلی شہید نازی لاش
جب میں اٹھتا ہوں کوئی قاتل ہے
شرق دیدار کا لقتاض ہے
درود کھتا ہے مجھ سے رہ رہ کر
فصل گل ہے چمن میں چل بیٹھو
تم بھی گھر سے ذرا نکل بیٹھو
روک کر کہتی ہے آجکل بیٹھو
حشر میں سب سے پہلے چل بیٹھو
دیکھو اٹھتا ہوں میں بھل بیٹھو

ہے ایک عمر سے ہماں اسے ملال نہ ہو
جو اچھے زخم بھی ہنستے ہیں میں ڈرتا ہوں
کرو بناؤ سنوارو تم اپنے گیسو کو
عروسِ مرگ سے بھی میں لپٹ نہیں سکتا
شبِ فراق میں ذکرِ شبِصال نہ ہو
ہنسی ہنسی ہیں کسی کو کہیں ملال نہ ہو
پراسقار کہ پریشان کسی کا حال نہ ہو
خیال ہے کہ انھیں اور کچھ خیال نہ ہو

ہنسی جو زلف یہ چہرے کی روشنی پھیلی
میں ڈگیا کہیں صبح شبِ صال نہو
ترے مریض محبت کو کوئی کیا جانے
وہی بتا ینگا یہ حال جس میں حال نہو

مار ہی ڈالتے ہیں گیسوؤں کا دل کو
یہ سچ پڑتی ہے اسد بچا لے دل کو
لوٹ کر آبلے ناسور ہوئے جاتے ہیں
ہائے چلنی کئے دیتے ہیں یہ چھٹا دل کو
کوئی پامال بھی کرنے کو نہیں لیتا ہے
مجھ کو دو بھر ہے کروں گس کے حوالے دل کو
ہو گیا سر و تڑپ کر تو وہ بولے ہے ہے
کیا ہوا آج سر سے چاہنے والے دل کو
سمت نادان ہے کہ مٹا جاوے پاؤں کے تلے
کچھ بھی سمجھے تو کلیجے سے لگالے دل کو
کہتے ہیں شوق سے آئیں مری ٹھل ہیں اتیر
ساتھ لائیں نہ مگر لوتے والے دل کو

اے جنوں لے چلا اپنے بال کھپا
یہ زمیں اور یہ آسمان نہ ہو
یوں متا الفت خدا میں نمودی
نام باقی رہے نشان نہ ہو

دیکھ لے حال شمع دہروانہ ✓
گھر جہنم ہے زن مریہ دل کو

غیر سے آنکھیں چار کرتے ہو
جاؤ بھی کس کو پیار کرتے ہو
چے جو نفرت امیدواروں سے ✓
کیوں پھر امیدوار کرتے ہو
ایک نالہ جو ہم کریں تو ابھی
منتیں تم عزتدار کرتے ہو
روز آنے کو جب کہا بولے
اک تمہیں مجھ کو پیار کرتے ہو

کھ رہی ہے حشر میں وہ آنکھ شرمائی ہوئی
کھل گیا جو بن تو عصمت سے حیا اب یہ کہا
کھ تو اے گلچین سیرانِ نفس کے واسطے
میں تو رازِ دل چھپاؤں پر چھپا رہی بھی دک
سوت آئی روح جاتی ہو کرے کون اہتمام
شعرِ گلہ ستے میں مجھ افردہ دل کے کیا تیر

ہاکی کسی اس بھری ٹھنسل میں سوائی ہوئی
ایک انگڑائی سے ہم دونوں کی سوائی ہوئی
توڑ لوں دو چار کلیاں میں بھی مرجھائی ہوئی
جان کی دشمن یہ ظالم آنکھ تلچائی ہوئی
اک نگاہ پس بھرتی ہے گھبرائی ہوئی
دیں گلچیں میں کچھ کلیاں ہیں مرجھائی ہوئی

رند و جو ملو حضرتِ قاضی کو تو دیک
اُنکس تو وہ محشر میں ذرا چھڑے کی پردہ
لیں ساتھ مجھے ڈرتے ہیں کیوں حضرتِ یکتا
مستوقِ حقیقی میں بھی گرمی کی ہیں باتیں
گھر بٹھے ہیں ہاتھ لگی منزلِ مقصود
سہرا میں دیکھا کئے وہ مصحفِ رخسار
ہر مرتبہ کہتے ہو کہ ہم جاتے ہیں گھر کو

سمجھو کہ بزرگوں میں ہیں یہ نیتِ عنک
آگے ابھی ہو جائیگے پیچھے ہیں جو رب کے
طالب ہیں وہ خود دیدہ و دیدارِ طلب کے
قرآن میں بھی آئے ہیں آیاتِ غضب کے
جب توڑ کے ہم بٹھ رہے پاؤں طلب کے
اس سال میں سب چاند ہوئے ہموارِ جب کے
سب باتیں تو اچھی ہیں یہ فقرِ یزدانِ غضب کے

ناز کی کہتی ہے تسمہ تو لگا رہنے دے
بے پروا بال ہوں طاقت نہیں اٹھنے کی صبا
جب وہ بت نہیں جنت میں تو جنت کیسی

ناز کہتا ہے لگی میری بلار پنے دے
اک ذرا شاخِ نشیم کہ جھکا رہنے دے
ایسی جنت سے تو دوزخ میں خوار ہو دے

لوٹ جو بسہ تہسم وہ دہن کس کا ہے باتیں منہ چومیں وہ انداز سخن کس کا ہے
 فتنے پستے ہیں یہ بے ساختہ پن کس کا ہے حشر کی کچھ نہیں جلتی یہ جلیں کس کا ہے
 بات بھینس بھینس کے نکلتی ہوتی ہیں لپکے اعتدال تک ہوا تیرے دہن کس کا ہے
 تیرہنگی میں کہاں ہاتھ میں پتھر قریب انتظار اب مجھے اے تیرے فکر کس کا ہے

دل کی یارب وہ دربانہ سنے ایسی حسرت بھری صدا نہ سننے
 یوں وہاں چل کر پاؤں کی آہٹ پاساں کیا بے نقشب پاؤں سننے
 کسی نا آشنا کا کیا شکوہ آشنا کی جب آشنا نہ سننے
 جو کسی کو برا بھلا نہ کہئے دو کسی سے برا بھلا نہ سننے
 دل وہاں ٹھنڈی سانس لیتا ہے کوئی فقرہ جلا بھٹانا نہ سننے
 دانے نعمت جو سب کی سنا ہے وہ بھی عاشق کی التجا نہ سننے
 دل جو کہتا ہے بے اثر ہے دوا درد کھتا ہے چپ دوا نہ سننے
 پھول آہستہ توڑا اے گلگلیں دیکھ ظالم کہیں صبا نہ سننے
 وعدہ وصل چپکے چپکے ہو عمر نہ عشوہ ادا حیا نہ سننے
 حال پھولو لگا جو خنداں نے کیا کہیں بلبلیہ ماجرا نہ سننے
 میری فریاد راہیگاں تو نہ ہو بت ہی سن لین اگر خدا نہ سننے
 درد پر دل نثار دلپر درد ایسے دیکھے ہیں آشنا نہ سننے
 بہت اے دل دفا دفا نہ پکار کہیں وہ دشمن دفا نہ سننے
 میں تو سستا ہوں تو جو کھتا ہے اے سنگمرگر خدا نہ سننے

ابرو پر اسکے آگئی اڑ کر ہوا سے زلف
کیا رویت ہلال سیاہی میں رہ گئی
صد شکر حق نے میری تواضع قبول کی
اچھی تھی شے خزانہ شاہی میں لگی
پروے سے اُسکی ذات کو کیا کام تھا ہیر
چھپ کر صفاتِ نامتناہی میں لگی

آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگ بھی
غیروں سے ہیں باتیں بھی عنایت کی نظر بھی
تو چشم سخن گو سے مجھے پوچھ دے آنا
کھلائے چلے جلتے ہیں گل کس کی چاند
زک زک کے جو چلتا ہے گلے پر مرے خنجر
کیا تنگ ہے جلا دمری سختی جاں سے
جاا ہے مجھے واسطہ کی محفل میں نہ کر دیر
جب قتل کو آیا ہے مرے غمزدہ قاتل
کیا غم ہے خزانہ میں جو نہیں طاقت پرواز
ہے شوق جو بالوں کے بزمین کا تو ایجان
پیار میں کس کا ہوں کہ آئے جو سیما
نزدت میں آئیں سہمی برستی ہے ادا سی

آئینہ ترے حسن کا دل بھی ہے جگ بھی
غیروں سے ہیں باتیں بھی عنایت کی نظر بھی
تو چشم سخن گو سے مجھے پوچھ دے آنا
کھلائے چلے جلتے ہیں گل کس کی چاند
زک زک کے جو چلتا ہے گلے پر مرے خنجر
کیا تنگ ہے جلا دمری سختی جاں سے
جاا ہے مجھے واسطہ کی محفل میں نہ کر دیر
جب قتل کو آیا ہے مرے غمزدہ قاتل
کیا غم ہے خزانہ میں جو نہیں طاقت پرواز
ہے شوق جو بالوں کے بزمین کا تو ایجان
پیار میں کس کا ہوں کہ آئے جو سیما
نزدت میں آئیں سہمی برستی ہے ادا سی

پیکان ہی ترے نیر کا پہلو میں درک
ٹھنڈا ہو کلیب یا یہی اُمید بر آؤ
رخست ترے بیکہ لے کرے کون دم نزع
ہچکی ہی آہلی کوئی دقت سحر آئے

اندر سے ستم بخود عیشتی کے ہم پر ✓
 آئے وہ دم باز پس یوں مگر گھر میں
 ہم آپ میں آئے تو کہا تم کدھر آئے
 جس طرح کہیں چاندنی پچھلے پہر آئے
 تم آنکھوں سے دلیں مرے کیوں ملو آئے
 دل دینے کو ہر روز کہاں سے جگر آئے
 کس طرح امیران سے بنا ہے کوئی آفت

ہیں اشارے یہ تیغ قاتل کے
 شرم لیلیٰ تو مانع دیدار
 آوار مان نکا لدوں دل کے
 مفت بدنام پروے محل کے
 پھول منہ چوم لیں عنادل کے
 تم تو ارمان بستے دل کے
 بیچ میں پڑ کے پروے محل کے
 کسی کو نے میں بزر ہے دل کے
 کہو کیا مل گیا نگلے مل کے
 آڑ سے آئینگی دقت مشکل کے
 فیصلہ کر رہے ہیں مجنوں کا
 غم کو نین سے مجھے کیا کام
 پوچھتے ہیں وہ مجھ سے عید کے دن
 اس کی رحمت سے لو لگا کہ امیر

وہ بن سنور کے ادھر تے ہیں جفا کیلئے
 دکھاؤ نگاشب وصل آنکھ پھول انگوں کے
 مڑے ہیں آج دل درد آشنا کیلئے
 لگا رہا ہوں یہ ڈالی اک آست با کیلئے
 بٹھائی جاتی ہے ڈاک آمد قضا کیلئے
 نگاہ یاس تو ہے عرص مدعا کیلئے
 پکارتے ہیں ادھر بھی ذرا خدا کیلئے
 یہ ہچکیاں نہیں آتی ہیں نزع میں چیم ✓
 وہ آئیں نزع میں جلتی نہیں زبان چلے
 امیر کب سے کوجاتا ہوں میں تو دیر سے بت

ہوس لب لیکے خود ہی نگینا ہو بُتِ آہِ بات کیا ہے تم بھی چپکے ہو رہو جانے بھی

کشتہ عشق ہوا دیکھ کے آنکھیں اُسکی شیر کے منہ پہ لگا لیکے آہو مجھ کو

پھر فرما تجھ کو چکھا: نہیں دل آزاری کا چار دن کو بھی جو مل جائے ترا دل ہو جو
کچھ اس انداز سے وہ راز بھرا تھ چلے آگئی نیند تیرے خنجرِ قاتل مجھ کو
نا تو انی نے بنایا ہے مجھے نقشِ قدم پاؤں رکھتا ہوں جہاں ہستی ہو منزلِ مجھ کو

شناختیں اسی کی ہیں یہی جڑ ہے فساد کی پہلو میں دل نہ ہو تو کوئی آرزو نہ ہو

غصے اپنے ملیوں کا خیال لے انسان کی کیا ہے شرمِ عریانی نے خمِ شمشیرِ برآں کو
گلوں سے جاکے میں تیرے دل اپنے ملا تھر نہیں شبنم پسینا آگیا ہے یگلستان کی
ترہنہ جانتا ہوں لذتِ ناوکِ سواوقاتی نہ میں سو فار کو جانوں چپانوں میں پکیاں کو
میں اک غربتِ زدہ بلقی رہا تھا میں بھی آتا ہوں مبارک باد دے آئے کوئی گورِ غرباں کو
خیال سو بگناہِ خاک کا دل سے نہیں جاتا لینیے پھرتا ہوں اپنے ساتھ میں گورِ غرباں کو
پری کو بھی اترتے یوں نہیں لکھا ہوشیے میں عجب انداز میں تو نے آتا را دل میں پکیاں کو
بہت ہی مختصر ہے وصل کی شب کچھ تو بڑھ چکا مری خاطر سے دم بھر کھول دے زلفِ پریتاں کو
بہت ہی زور پر دستِ جنوںِ ناصح اگے ہٹا ترا دامن نہ پکڑے چھوڑ کر مرے گیرِ سبائے کو
تمہاری ایسی کہاں قسمت کہ پھر نچول کے پھو توں کبھی چاکِ قفس ہو جھانک لیتا ہو گلستان کو

گرد اغیار رنج میں تو ہو ہاے کیونکا قضا پہ قابو ہو
پاس سے تم اٹھو تو دل نہ بٹھے کہیں خاک کی نہ اپنا پہلو ہو

وصل کی رات تو راحت بہہ ہوئے دو شام ہی سے ہے یہ حکلی کہ سحر ہوئے دو
تلک لہانے میں ترپنیں کی کی کس دن ہے جو اسپر بھی خفا در و جگر ہوئے دو
ہم تصور میں نہ کھینچیں یہ نہ ہوگا ہم سے لاکھ نازک ہے حسینو کی کمر ہوئے دو

کیوں وصل کی پیسج کو خبر کی آمد ہے جو شام سے سحر کی
اے یاس نہ دل میں پاؤں بھلا پھانسیں چھیں مرے جگر کی
خط لیتے ہی چل دیام کو اتنی ہی لکھی تھی نام برد کی
غفلت میں نہ کھو شباب ایدل یہ رات ہے جان عمر بھر کی
شام شب بھر عمر آخر امید امیر کیا سحر کی

جتنی کمی کہ نامہ سیا ہی ہیں گئی اتنی ہی میر عفو الہی میں گئی
آنکھ آسنے پھیر لی تو کہاں پھر جا رہی آدھی تو جان نیم لگا ہی میں رہ گئی
تھے زار کوے یار میں کیا جاتی اپنی خاک اتنی تھی کم کہ اڑ کے ہوا ہی میں رہ گئی
دیکھا اقلیاں مری تسدیل آہ کی کیسی لڑک کے عرش الہی میں رہ گئی
منہ روزِ حشر موڑ گئی تیغ یار بھی چلتی ہوئی زبان گواہی میں رہ گئی
صد شکر منہ سے نام محمد کفل گیا بات اپنی بارگاہ الہی میں رہ گئی

رات تھوڑی ہی حسرتیں بے حد کیا کرے کیا سنے وہ کیا نہ سنے
جو کوئی درد آشنا ہو ایسے ادھر آئے مرا فنا نہ سنے

دل میں جو داغ ہیں نداس کے پھول ہیں سب یہ باغِ جنّت کے
سوکھے جب پھول میری ثرت کے دوڑے سقے سحابِ رحمت کے
چھپتی پھرتی ہیں حسرتیں پس مرگ گوشے گوشے میں میری ثرت کے
اس ادا سے چلے وہ حشر کے دن فتنے پس پس گئے قیامت کے
عیش کر لو نئی جوانی ہے یہی دو چار دن ہیں فرصت کے
ہجر کی ایک شب نے دکھائے سیکڑوں دن مجھے قیامت کے
دیکھ کر دُختِ رز کو یگھلے شیخ اب تو ٹھنڈے وضو ہیں حضرت کے
وصل کے دن قریب آتے ہیں جوڑ چلنے لگے نزا اکت کے
تیری صورت بن کے بیٹھ رہے کارکن کارگاہِ صنعت کے
قتل کو دوڑ کر چلے آئے وصل میں عذر تھے نزا اکت کے
رکھ کے خنجر گلے پہ کہتے ہیں کیوں چکھا دوں مزے محبت کے
جتنے تکیے میں سو رہے ہیں ایسے یار ہیں سب ہماری صحبت کے

یہ گالی جو اے دلِ سربا مل رہی ہے دعا دی تھی اسکی سزا مل رہی ہے
لگا چاہتی ہے کوئی آگ تازہ شرارت سے اُنکی حیا مل رہی ہے
بھڑ بھڑ سے ہیں عیادت کی باتیں مریضوں کو اچھی دوا مل رہی ہے

مراد وہ تلودن سے ملتے نہیں ہیں ✓ یہ مٹی میں سیری و قائل رہی ہے

قد نے کیو کو سر چڑھایا ہے سر وے بھی بلند نہ پایا ہے
خود نہیں ابر گھر کے آیا ہے شوق مستوں کا گھر لایا ہے
روح پھرا گئی بدن میں مہرے دیکھو ثربت پہ کون آیا ہے
سجدے کرتے ہیں طاق ابرو ہیں ✓ ہمنے کعبہ بنایا ہے
مشرابِ علاج گل میں اے زاہد دیر بھی ایک حرم کا سایا ہے
طرفہ آفت ہے روزِ فرقت بھی حشر نے رس اے تجھایت
دیدہ تر سے کر کے ہم چشمی کیا سمندر نے غوطہ کھایا ہے
نقد طاعت جو روز کرتے ہیں نذر خلد کا پیشگی کرایا ہے
انس پیکاں سے کیوں نہو دل کو اپنا ہسم شکل یار پایا ہے
گھڑیوں روئے ہیں ہم آئیں لہو زخم کوئی جو مسکرایا ہے

کیوں وہ شرمائیں اپنے درباں سے حوریں مھپستی نہیں ہیں رضوان سے
آبلے دل کے جب دکھانا ہوں چھیڑ دیتے ہیں نوکِ مرگان سے
چاک کرنے کی وضع پوچھتی ہے ✓ صبحِ محبت مرے گریبان سے
یادِ مرگان ہوئی پیامِ اجل خون آنے لگا رگ جان سے
پھول جھڑتے نہیں خزاں میں امیر روٹھے جاتے ہیں گل گستاں سے

شکل اُنہ جو حیرت ہوگی دیکھ لینے کی تو صورت ہوگی
 وصل میں شام سے یہ خوف رہا صبح کو کیا مری حالت ہوگی
 دور ساقی کہ ترے مستوں کو ہوش آیا تو قیامت ہوگی
 ہے یہی چال تو دوہی دن میں آگے تم پیچھے قیامت ہوگی
 اُنہ دیکھے ہنسنے نہ مجھے آپ کی بھی یہی صورت ہوگی
 بیخودی شیشہ نہ ٹوٹے کوئی تجھ کو ساقی سے خجالت ہوگی
 آپ گھر غیر کے جائیں ہم بھی مری جائینگے جو غیرت ہوگی
 ہم سے دیوائے اگر جمع ہوئے کیا پریشان قیامت ہوگی
 دل اتھاؤ لگائیں اُس سے نجات ناز اٹھانے سے جو فرصت ہوگی
 ہم بھی محشر میں طلب ہونگے تیسر کیا قیامت میں قیامت ہوگی

جب اُس شمع سے مقابل ہوئی چراغِ سحر شمعِ محفل ہوئی
 چھری کھچکے اُس ترک کی میان کلیجے میں رکھنے کے قابل ہوئی
 ہوا وصل اُس تو اک دم کے دم یہ سٹی کہ شب آنکھ کا تل ہوئی
 میں دیوانہ کیوں ہوش میں آگیا یہ کیسی مری عفتل زایل ہوئی

یہ وقت مرگ لیلیٰ کی دعا تھی الہی خوش ہے جمنون کہاں ہے
 تم اپنے پاؤں سے کانٹے نکالو مجھے اے ہمر ہو فرصت کہاں ہے
 کرے دو حصے تجھ کو تنہی اُس کی امیر ایسی مری تمت کہاں ہے

ہر الفت میں تیری جلتا ہے صبح کا تجھ پہ دم نکلتا ہے
 بے زمانہ بھی کیا ترا بیتاب رات دن کرو میں بدلتا ہے
 شمع کہتی ہے یہ پتنگوں سے کہو پہلے سے کون جلتا ہے
 ہنوز غم بعد مرگ بھی ہے وہی بڈیوں سے دھوان نکلتا ہے
 مے گلزنک یہ نہیں ہے ایتھر دہن شیشہ لعل اگلتا ہے

پھری نہ مرضی جلا دے کبھی گردن مزار بارہ تہ تیغ امتحان آن

کوڑ جاناں میں ہوئی ہے جو شہادت میری دہن حور کے سائیں میں ہے ترجمت میری
 منکے فرماتے ہیں وہ دیکھکے حالت میری کیوں تم آسان سمجھتے تھے محبت میری
 بعد مرنے کے بھی چھوڑی نہ رفاقت میری مری تربت سے لگی بیٹھی ہے حسرت میری
 چارہ گر مجھ سے مکدر ہے الہی کیا ہے آج متی ہوئی جاتی ہے طبیعت میری
 ہو چکے قتل دو عالم تو کہا ظالم نے آج کچھ رنگ پر آئی ہے طبیعت میری
 چاہے قتل کرو پیار سے مٹی دیدہ ہاے اتنی بھی نہیں تم کو مروت میری
 جرم الفت سے میں انکار اگر کرتا ہوں آئینہ سامنے رکھ دیتی ہے حیرت میری
 تجھ سے اے باد صبا جگلو یہ امید نہ تھی چار پھولوں کو برس جا لینگے تربت میری
 دھوم مروت قیامت کی قیامت کیسی آئی ہے بھیس بد لکڑ شیب فرقت میری
 پھول داغوں کے مرے دل میں جو دیکھا تو کہا کیا ریاں خوب بناتی ہے محبت میری
 درِ قاتل کا پتا دیتی ہے شتا قوں کو خضرن چٹھی ہے اُس کو چپے میں تربت میری

تو بہ بھی کر کے خم مے کا نہ پیچھا چھوڑا
میرے گم ہونے سے عالم میں شہرت میری
قبر سے حشر میں یہ کیلے چھڑا یا مجھ کو
دل سے بھی باتیں ہیں کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں
کھڑے دوق میں مرے دل کو لٹین فوں کی
کوڑھ، مٹائی سے وہ دیا چھین کے کہتے ہیں تیر
جان بلب ہو کے بھی دم توڑ رہا ہوں میں تیر
مہر کی طرح لگی رہتی ہے نیت میری
میرے گم ہونے سے عالم میں شہرت میری
جانے دے اسکی طرف دار ہے رحمت میری
سُن رہا ہوں میں کئے جاؤ شکایت میری
انہیں لگیوں نہیں بھٹک جاتی ہے نیت میری
وہ مرا گھر ہے رہے جس میں محبت میری
اس قدر ضعف پر اللہ رے طاقت میری

بے ترے حالت یہ ہے گلزار کی
ہواں وہ لاغر در پر اسکے گر پڑا
حال مجھ سے سر پہننے کا نہ پوچھ
خسک میں ہے یا زطام میں تو ہو
آکے بالیں پر مرے بولی اجل
گل ترے عارض کے دیوانے ہوئے
اے اسیسرا کی لگا دٹ پر نیا
نہکت گل سانس ہے بیمار کی
کھا کے ٹھوکر سایہ دیوار کی
دیکھ لے حالت درو دیوار کی
ہم نظر پہچانتے ہیں پیار کی
میں دوا ہوں عشق کے آزار کی
پھاڑے کپڑے راہ لی بازار کی
مار ڈالیں گی نگاہ میں پیار کی

دم نری انگشت پوشید کا بھرنے والے
عشق میں جی سے گزرتے ہیں گزرنے والے
اک دُرا دیکھ تو کیا کہتے ہیں مرنے والے
دل جلے سینہ طے اُف نہیں کرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے
ادغریبوں کے مزاروں پہ گزرنے والے

آخری وقت بھی پورا کیا وعدہ وصل ✓ آپ آتے ہی رہے مرنے والے
 نزع کا وقت جو گزرا تو خوشی کیا اسکی ایسے صدمے بھی کتے ہیں گزرنے والے
 پھر کہاں دل کا پتا دل میں حسین جب آئے گھر بھی لیجاتے ہیں اس گھر میں ٹھہرنے والے
 موت کہتی ہو کہ دیتے تو حسینو نہ ہیں جان اور مجھے مفت لٹے مرنے میں مرنے والے
 نقش پاسے بھی پایا ج کہیں دیکھے ہی نہیں ہر قدم پر یہ سافر ہیں ٹھہرنے والے
 قابلِ رحم قیامت میں نہ ٹھہریکے امیر رحم دنیا میں غریبوں پر نہ کرنے والے

خاکِ نژاد خاک کے اندر چلے گئے جس گھر سے آئے تھے پھر اسی گھر چلے گئے
 شیشے پکارتے ہیں کہ زندانِ بادہ پوش آئے تباہ کر کے مرا گھر چلے گئے۔

جو گھر میں پھر کے ہم اُن کے حضور سے آئے ✓ کلیم بہرِ ملاقات طور سے آئے
 خدا تو عفو کرے بار بار دیکھکے جرم غضب ہے باز نہ بندہ قصور سے آئے
 ہمیں نہ تم سے ملا کچھ رہے وہی اچھے کہ خالی ہاتھ تو موسیٰؑ اُن طور سے آئے
 گناہ گار ترے گیسوؤں کے محشر میں بندھے ہوئے سن زلف حور سے آئے
 امیر اپنی جو آنکھیں ہوں طالبِ یدار چمک کے برق ابھی کوہِ طور سے آئے

میں دہ دیوانہ عریاں تھا کہ مرقد میں غریزہ دفن کرنے لگے مجھ کو تو کفنِ مجبُول گئے

دل کو اب کب قرار آتا ہے سُن لسیا ہے کہ یاد آتا ہے

تیرے وعدے و عشق ہے اسکو
وصل میں اسکو کس نے بلوایا
روز تکیوں میں جا کے دل میرا
تم کو آتا ہے پیار پر غصّہ
فٹنے کھتے ہیں دیکھ کر اسکو
جائے شکوہ سری زبان پہ آئیر
ساتھ ہی اعتبار آتا ہے
غصہ کیوں بار بار آتا ہے
دوستوں کو پکار آتا ہے
جھکو غصّے پہ پیار آتا ہے
فٹنہ روزگار آتا ہے
شکر بے اختیار آتا ہے

تندے اور ایسے کم سن کے لئے
جب سے بلبل قونے دو تینکے لئے
دن مراد تلہ ہے میری رات کو
ہے جوانی خود جوانی کا سنگار
ساری دنیا کے ہیں وہ میر سوا
درہ درہ دروئے کا زابد و
کیا اگر آگ سا دیکھا نہیں
باغباں کلیاں ہوں پلکے رنگ کی
سب حسیں ہیں زابدوں کو ناپسند
وصل کا دن اور اتنا مختصر
دُخت رزی پاک دامن چاہئے
کہتے ہیں چھپنے کی بھی اچھی کہی
ساقیا ہلکی سسی لا ان کے لئے
لوٹتی ہیں بکلیاں ان کے لئے
رات روتی ہے مری دن کے لئے
ساوگی گھنا ہے اس سن کے لئے
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے
دور ہیں جے چشم باطن کے لئے
تار سونے کے دیئے تینکے لئے
بھجنا ہے ایک کم سن کے لئے
اب کوئی حور آئینگی ان کے لئے
دن گئے جلتے تھے اس دن کے لئے
یشخ جی سے پاک باطن کے لئے
پر دے میں بیٹھنے کے ہم ان کے لئے

دل کا ضامن تو ترا کیا اعتبار
پھلے اک ضامن ہو ضامن کے لئے
لاش پر عبرت یہ کھتی ہے امیر
آئے تھے دنیا میں اس ن کے لئے
صبح کا سونا جو باتھ آتا امیر
بھیجتے تھے موذن کے لئے

ادائیں کیلیتی ہیں رنگ تلوار آنے والی ہے
عجب ناگن ہر زلف انکی کہ جس محفل میں کھلی ہے
عجب بلوں ہے ہم وحشیوں کا خست میرانی
گھٹا کی سیر حجرے سے نکل کر دیکھ اڑنا بد
صراحی دور میں آتی ہر زاہد ہوں جو محفل میں
نظر بازی ہو جوتی ہے لذت دہیں رکھتے ہیں
ادا ہی کرتی مرتابے جو مرتابے دنیا میں
صبا ان منہ بندھی کلیوں نے شب کی چور کا
گلوری کھانی اس خنجر دہن نے تو یہ مرجھاؤ
خوشامدے دل بیتاب اس تصویر کی کینک
امیر ایسے شگفتہ ہیں مضامین نازک و رنگین
لبو کی جلتی ہیں پکار یاں مقتل میں ہوئی ہے
داں کی جو چلا ہے اٹھکے اسکے ساتھ ہول ہے
گریباں ہر نہ دہن ہے نہ پردہ ہر چول ہے
نہلے کو یہ چوٹی حور نے جنت میں کھول ہے
بجھکالیں اپنی آنکھیں دختر رز کی ٹہلی ہے
تسرس دیدار کے بھوکے فقیر ذکی یہ جھولی ہے
تضاکتے ہیں حکو وہ اسی سلچے کی گول ہے
کہ تو نے جس کو ایک ایک کن پچی ٹول ہے
کہ ہے جو پھول گلشن میں سر پاؤں کی صول ہے
یہ بولا چاہتی ہے پر نہ بول سکی نہ بولی ہے
غزل کیا ہے یہ چوڑاں بھری گپیں کی جھولی ہے

پہٹ کے تم سے تصور میں کوئی تو ہے
نہ دست ناز میں رکھیں تو کیا کریں آخر
کہ سہریال تھا رہا ہے کچھ خبر بھی ہے
کہاں وہ تیسخ کو بانڈ میں کہیں کہ بھی ہے

نالہ بیل سے ابرچوٹ ایسی لگ گئی روتے روتے باغباں کو آج ہچکلی لگ گئی
 ہم صغیر واکچن میں ہوں میں وہ درد آشنا غنچہ بھی چٹکا تو مرے دل پہ گولی لگ گئی
 بیعت پیر سغاں سے مل گیا پام مراد سلسلہ پیدا ہوا رفعت کا سیر طری لگ گئی
 واہ رے شوق تماشا وہ ابھی کھڑی ہیں اٹھ گئی دیوار۔ در پر بھیڑ ایسی لگ گئی
 تاکجا بیداد اب فریاد کی طاقت نہیں باغباں آوازمین بیل کی پتی لگ گئی
 درد دل نے اٹھکے پہلو سے وہیں چوکا دیا رات بھر میں ایک پل جیب آنکھ میری لگ گئی

روتی بچے نیم گلستاں میں تو منس پڑتے ہیں پل پانی پانی جو کہے دل کو وہ آنسو اور ہے
 بوسے یوسف مصر سے کنعاں میں لائی ہو صبا اب دہلخ حضرت یعقوب میں بواور ہے
 بہر پالش حور کا زانو ہمیں درکار کیا جس پہ ہم سر رکھنے سوتے ہیں وہ زانو اور ہے
 یار آیا دیکھنے اب تو ٹھہر جا کوئی ہم میرے تڑپانے کا وقت ای در در پہلو اور ہے

تذکرہ کچھ تو کیا میری پریشانی کا آج اب مجھے وہ بہت زلف کی سرگوشی سے

دو جہاں چھوڑ کے عشاق ترے غم میں رہے دونوں عالم سے جدا تیرے عالم میں رہے
 غم بھی رویا مجھے پہانہ بھی رویا مجھ کو جتنے تھے چھوٹے بڑے سب میرا غم میں رہے
 آکے بگڑی ہوئی اس بلغ کی ذیکھی جو ہوا مشورے کوچ کے شب بھر گل و شبنم میں رہے
 دل میں عصیاں کے یہ ہے ایک نہو دخل غلہ عفو کہتا ہے کہ کوئی نہ جہنم میں رہے
 باتیں ناصح کی سنیں یار کے نظارے کیے ✓ آنکھیں جنت میں رہیں کان جہنم میں رہے

مرگ عاشق کی خبر آئی تو جھنجلا کے کہا
روز سو مرتے ہیں کتبک کوئی ماتم میں ہے

وصل ہو جائے ہیں حشر میں کیا رکھا ہے
دل سی شے گرد و کدورت میں تم ہی کہ نہیں
کہتے ہیں میری بلا جلنے ترادل ہی کہاں
کہتے ہیں ناز کی لذت کا تو کچھ شکر نہیں ✓
ہیں تمہارے ہی تو جلوے کے کرشمے سارے
یا داتا ہوں کبھی میں تو یہ نہیں لیتے ہیں
ہیں تغافل میں بھی سرگرم ستم و آنکھیں
ناز سے وار کیا اُس نے یہ کبک مجھ سے
حشر پر قامتِ جاناں کا ہی جلوہ موقوف
جان بھی ہجر میں دیدیتے مگر ہم نے تیر

آجکی بات کو کیوں گل پہ اٹھا رکھا ہے
ہاں کیا خاک میں ظالم نے ملا رکھا ہے
چور ہیں کیا امرے دشمن کہ چور رکھا ہے
اور مزویہ ہے کہ نام اُس کا جفا رکھا ہے
اسکو کیا تکتے ہو آئینے میں کیا رکھا ہے
ایک جوڑا امرے پھولو نہیں بٹا رکھا ہے
آپ تو سوتے ہیں سنوں کو جگا رکھا ہے
لے یہ خنجر بھی تیرے دم کو لگا رکھا ہے
اس قیامت کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے
کسی موقع کے لیے اسکو لگا رکھا ہے

قاتل ابھی سوار بھی گھسے نہیں ہوا
رکھتا نہیں زمیں پر مارے خوشی کے پاؤں
آنکھوں کے نیچے پھرتی ہے تصویر یارک
قاصد کو ہاتھ داغ کے بھیجا ہی ارنے
آجاؤ تیغ باز دھکے پھر سیر دیکھ لو

کشتوں کا ڈھیر چاروں طرف رگزیں ہے
شاید جو اب خط کمر ناسہ بریں ہے
پتلی ہی اک بندھی ہوئی تارِ نظریں ہے
خط کی نئی رسید کھنکھناہ بریں ہے
میرے گلے پہ ہے کہ تیرا ہی کمر ہے

آئینہ سامنے آتا ہے حوض لہینے کو
ہم چو پہنچے تو قیامت میں ہو اعلیٰ
جام مے کا تہ اعمال کو بھی دی ساقی
بولے حسرت سے وہ تابوت کو کاندھا دیکر
لاش پر میری وہ آئے تو نزاکت نے کہا
اپنے آئینے سے وہ پوچھتے ہیں کون ہو تم
کیسی راہ عدم آباد ہے ہموار میسر

ہوش یاراد مرے دیوانہ بنانے والے
دھجیاں دامنِ محشر کی اڑانے والے
دو بزرگ آئے ہیں ساتھ انکے زماؤ والے
بوجھ اٹھواتے ہیں اب ناز اٹھانے والے
کہ یہ کاندھے نہیں تابوت اٹھانے والے
میری تصویر کو سینے سے لگانے والے
چہن سہ سوتے چلے جاتے ہیں جانے والے

دوم اخیر تو ظالم ذرا نگاہ ملے
فنا جو قبلِ فنا ہو بخت کی راہ ملے
میں ہوں وہ کعبہ شیں جا کے دیر کے در پر
ہزاروں وعدے کیے پرز کی دعا اگدن
کرم کرے جو وہ بندہ نواز بندوں پر
چلائیں دشتِ مصیبت میں چال سوزنگی

کچھ اس غریب مسافر کو زار راہ ملے
یہ قلعہ وہ ہے جہاں ہوتے پناہ ملے
پکارتا ہوں کوئی بت خدا کی راہ ملے
فقیر بھی ہیں جھوٹوں کے بادشاہ ملے
بتوں کو ڈھونڈنے نکلے خدا کی راہ ملے
قدم قدم پہ مجھے ڈوبنے کو چاہ ملے

سر راہ عدم کو غریباں طرفہ بستی ہے
تری مسجد میں واعظ خاص ہیں انجمنِ بستی ہے
حمائشہ سے لگائے ہیں انکی کہنشی ہیں
دہمستی شرہ کی اشکباری دیکھ ادر ساقی

کہیں غربت بستی ہے کہیں حسرت بستی ہے
ہمارے میکہ میں رات دن حجت بستی ہے
یہاں کیا کام تیرا یہ تو متوالوں کی بستی ہے
گھٹا ہلکی سی ہے پر جھوم کر کیا کیا بستی ہے

کبھی کروٹ نہیں لیتا کوئی گورِ غریبان
چلے نالے ہمارے یہ زبانِ حال سرِ کبکھر
ترے قربانِ امرِ گریبِ جلاوتِ لعل
نہ شائع گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چینِ بلبل
ہو جو آپ ہی میں اُس سرِ پھر پاسِ دب کیا
بڑھ اڑا رہا اب کنگرے پر عرش کے پہونچی
تری آنکھوں کو کیا تھیجے دیں چشمِ چم آہو سے
نفس کی آمد و شد پر نہ دم بھر زندگانی کا
نئی ترکیبِ پائی چشمِ بدورِ انکی آنکھوں نے
ہیرا ک تختِ مہوار ہے یہ شعر کا کوچہ

یہ کیسی غنیمت سوتے ہیں کیسی انکی مستی ہے
ٹھہر جانا پہونچکر عرش پر ہمت کی پستی ہے
وطن کے دیکھنے کو روحِ مدت سے رستی ہے
تری ہمت کی کوتاہی تری ہمت کی پستی ہے
تکلفِ برطرفِ ساقی کہ وقتِ جوشِ مستی ہے
بلندی کو بلندی جانتا ہمت کی پستی ہے
وہاں شوخی ہی شوخی ہی یہاں شوخی ہو سستی ہے
ارے غافل یہی مقراضِ بہرِ خستِ ہستی ہے
غزالو کی ہے شوخی نرگسِ شہلا کی مستی ہے
طبلِ ک کے تفاوت سے بلندی اور پستی ہے

ایس آئی ہے یہ آواز نا قوسِ برہن سے
بتِ پندار کو توڑ جو شوقِ بت پرستی ہے

بلبلو پھولوں سے کیا پوچھتے ہو حالِ چین
گلِ فروشوں کا ملے رتبہ گل اتنے کھاؤں
منزلِ گور سے دم لیکے بڑھیں گے آگے
ہو جو ہے ہو چکی مہر ہے اب اتریں نیچے
سادہ سمجھو نہ انھیں ہنرِ دو دیواں ہیں تیر
یہی اشعار زبانونہ میں رہنے والے

باغ میں یہ تو ہیں دورِ ذر کے رہنے والے
وہ پکاریں مجھے ادھولوں کے گہنے والے
ہم مسافر ہیں بڑی دور کے رہنے والے
رند کچھ حضرتِ واعظ سے ہیں کہنے والے
یہی اشعار زبانونہ میں رہنے والے

چھڑ گئی افشان جیں پر کچھ ستار رگئے آسمان حسن پر گنتی کے تارے رگئے
 تیغ کا پانی پلایا سب کو اوس سفاکئے تشنہ لب ہم ایک دریا کے کنارے رگئے
 موت آئے یا وہ آئے یا قیامت ہو میرا اب یہی دو تین جینے کے سہارے رگئے

آنکھ اُس کو کھولنی بھی دشوار ہو گئی ہے چلے چمن میں نرس ہیا رہو گئی ہے
 جسے لکھا ہے نامہ اُس عالم آشنا کو جانے کو جان میری تیار ہو گئی ہے
 ہم تم چمن میں چل کر جب چاروں ہی ہیں بلبل میں اور گل میں تکرار ہو گئی ہے
 سب کی نظریں ہیں گودل میں ہیں ہمارے خلوت کی کوٹھری بھی بازار ہو گئی ہے
 انگوریں بھی یہ مے پانی کی چار بوندیں حسن سے کچھ گئی ہے تلوار ہو گئی ہے
 رنگیں بیاں ہوئی ہے بلبل یہ صفتِ گل میں پتی گلاب کی اب منقار ہو گئی ہے

جلود گریا مگر رفت لگہ عام میں ہے جب بُلاتا ہوں میں منتا ہوں کام میں ہے
 دور جاری رہے ہر وقت سے لگاؤ کا پڑھ لے ساقی یہی تحریرِ خطِ جام میں ہے
 نہ ہوتا مالہ و مفلسوم سے ظالم بیدار چھٹک چکا صور یہ مردہ ابھی آرام میں ہے
 آنکھ خالی نہ دکھا لطف بھی کراؤ ساقی جام ہی جام ہے یا مے بھی کہیں جام میں ہے
 الفتِ پنج بستنِ پاک سے دل ہر ہموں پانچ میخانوں کی مے ایک مے جام میں ہے
 موز کی دعدہ خلاتی سے ترا وعدہ بھی ات دن میری طمع کو دس تاہم میں ہے
 نام کا نام تحسین کا تحسین ہے اسیر یہ بڑا حسن خدا داوڑے نام میں ہے

غضبِ شوہ گریِ رو ختمگیں میں رہی کرشمہ بن کے شکن یار کی جبین میں رہی
 تری شبیبہ میں کی صُرفِ اس فداقت سکت نہ پھر قلم صورت آفریں میں رہی
 گھٹا عتاب تو پہنا لباسِ آرایش جبین سے چین جو تری آوازیں میں رہی
 عجب رسائی قسمت ہر اے خناتری چمن جو چھوٹ گیا دستِ نازین میں رہی

تنگ آکر ترے بیمار نے بیباکی میں ✓ جب مسیحا کو پکارا ہے اجل آئی ہے
 موت کو ہم جو حیاتِ ابدی سمجھے ہیں ملک الموت کو بھی نازِ مسیحائی ہے
 بیکسی پھرتی ہے قمری کی طرح گردِ میسر سرو آزاد مرا مصرعِ تنہائی ہے

او بندہ بت دیکھ خدا اور ہی کچھ ہے بت پردہ میں پردہ میں چھپا اور ہی کچھ ہے
 آغازِ جوانی میں ادا اور ہی کچھ ہے اٹھتی ہوئی کوئل میں مزا اور ہی کچھ ہے
 قاصد یہ زباں اسکی بیاں اسکا نہیں ہے دھوکا ہے تجھے اُس نے کہا اور ہی کچھ ہے
 کہتے ہو کہ ہم درد کسی کا نہیں سُننے میں نے تو رقیبوں سے سنا اور ہی کچھ ہے
 ہم مری بھی گئے مری کے ہوئے خاک بھی لیکن ظالم ہی کہتا ہے وفا اور ہی کچھ ہے
 عادت تو امیرِ اچھی ہے فریاد و دعا کی پرشیوہ تسلیم درضا اور ہی کچھ ہے

ہم مر گئے آنے کی جوان کے خبر آئی افسِ اجل چار قدمِ پیشتر آئی

کہئے جو چاہیے سجد میں جنابِ غلط آپ سے ہم ۶۷ تو میخانے میں حضرت ہوگی

بے سبب نفس کشی کیا فقر کرتے ہیں ترک لذت میں بھی انکو کوئی لذت ہوگی

دست معشوق کے ہر حبیب گریباں تاق ای جنوں یہ ترے ہاتھیں نہیں پھینے والے

جو نازک طبع ہیں محفوظ ہیں قبر الہی سے کبھی چھلے جباؤں کے نہ چھوٹا رہا ہے
 و غرض منہ کام آرائش میں اپنی کجکلاسی لرزتا ہے مراد لٹنے کی بدنگاہی سے
 وہ مجرم ہوں گنہ کا عذر بھی میں کر نہیں سکتا کہ رحمت اسکی شرماتی ہے میری عذراہی
 مراد اسے نکر چلتے چلتے کر دیا چھلنی لگائیں برچھیاں مڑنے کے کیا کیا کجکلاہی
 الہی وہ بھی دن آئے کہ وہ بُت جکوبو اؤں مس کہوں میں ایک دم فرصت نہیں یا واپسی

رہ تبہ شمعِ عشق کا گر جان جلیے قربان ہونے والے پہ قربان چاہیے
 خنجر کمر سے کھینچ کے گرون پہ رکھ دیا اور بولے اب تو کھ ترے قربان جلیے
 اچھا ہوا کہ حضرت دل و اوں دھڑ گئے کس نے کہا تھا بنکے نگہاں جلیے
 جیسا ہو دس بھیس بھی ویسا ہی چاہیے جھگڑ کو چاک کر کے گریبان جلیے
 اس بانگین سے قتل ہوا میں کہ کھ اٹھو ایسا ہو جان نثار تو قربان جلیے
 یہ رشک بد بلا ہے دمِ رخصت حبیب کیونکر کہوں خدا ہے نگہبان جلیے
 جانے کو منع میں نہیں کرتا مگر حضور دل سے مرے نکال کے ارمان جلیے
 کناہند میں کمی مے معشوق کی میر شیراز جلیے نہ خراسان جلیے

کس قدر زار ہے عاشق تیرا رنگ کے ساتھ اڑا جاتا ہے
سُرکھ میں ہوں وہ شیر کیف فیصلہ آج ہوا جاتا ہے
دل لگی سمجھے ہو دل کا آنا جان جاتی ہے جب آ جاتا ہے

قتل میں کس لیے ہے اب تاخیر آپ موجود بندہ حاضر ہے
چشم پر خوں کے دیکھئے زائیر دل کا جو رنگ ہے وہ ظاہر ہے

یوں آنسوؤں سے ہے دل مضطر کی خرابی برسات میں ہو جیسے کسی گھر کی خرابی
ہر چند کہ ہو صاف سخن لاف ہے بجا ہوتی ہے گرج جانے سے گوہر کی خرابی

ساتی ہو برق مے کہیں شیشے سے جلوہ گر گلشن پہ کیا سیاہ ہیں بادل گھر پہ ہے

ہاتھ طوق گردن مینا کئے میکدے میں ہم نرے کوٹ لکے
ہم وہ میکس تھو کہ پی جب تک شرب دامن قاضی سے منہ پوچھا کیے
حضرت ناصح یہاں آئی تھے آج دیر تک کچھ بیٹھے جھک مارا کیے
آئسے کو تم نے دکھلایا جانا ہم کنارے بیٹھے منہ دیکھا کیے
منگلے سبب داغ دل بولنا دھڑل پھول جو ہم نے دے تھے کیا کیے
دخت رزائی طارے لایا تیر اور میکس دور سے تاکا کیے

یہ نجاں چھوڑی ہوئی مقتلِ سوا تا ہی وہ شوخ ✓ اے نگاہِ یاس یہ تیرے اثر کا وقت ہے،

صبا کو یہ کیا موج آج آگئی کہ پھولوں سے تربت مری چھا گئی
 نئی چشمِ ساقی کو موج آگئی مری عمر کا جام چھپ لکا گئی
 جہاں سے مجھے لائی تھی میری عمر وہیں سیر دکھلا کے پہنچا گئی
 خدا جانے وہ تیغ کیا وقت قتل گلے مل کے بسل کو سمجھا گئی
 مرے عشق کی وجہِ ناصح نہ پوچھو طبعیت ہی تو ہے ادھر آگئی
 ادھر شرم ادھر توبہ لونی ایتیر شکست آج دونوں طرف آگئی

کہیں یہ بھی نہ چھپ جائے نظر سے نزاکت لپٹی جاتی ہے کمر سے
 نہ آیا تیر جب کوئی ادھر سے لپٹ کر خوب رویا دل جگر سے
 تڑپنے کا مزہ جی بھر کے لیلوں ذرا تھم تھم کے در داٹھے جگر سے
 مبارک تجھ کو اے شوقِ شہادت وہ لی تلوار قاتل نے کمر سے
 ستم ہے تیرے ہوتے آبِ پیکاں مراد دل بوند بھر پانی کو تر سے
 ہجومِ آرزو ہے وقتِ آخر پستنگے لپٹے ہیں شمعِ سحر سے
 ذرا ٹھہرو ابھی جوڑا نہ کھو لو نزاکت پوچھ لے پہلے کمر سے
 ایتیر اس قتل گاہ کو لے چلا ہے لپٹ کر خود مرا دامن کمر سے

رُکنا خجہ جو دستِ نازین سے چھری جھنجھلا کے لی چین چین سے

حذر مے سے مسلم اور جو واعظ
یہ کس کا آستانہ ہے کہ سجدے
ملے دست بتان نازین سے
گرے پڑتے ہیں آغوشِ جنین سے
جفائے آسماں کی دستائیں
سنو گورِ غریباں کی زین سے
چڑھاؤ تیوریاں تم آگئے پر
تمہارے ناز انھیں گئے تھیں سے
اجل بھی سیخ اٹھی ہم نے دم نزع
وہ چشکی لی نگاہِ واپس سے

رہِ عشق میں جس جگہ گر پڑا میں
کہا ضعف نے تیری نسرل ہی ہے
مے دل کو ٹھکرا کے مجھ سے وہ بولے
بڑی دھوم جسکی تھی وہ دل ہی ہے
عدد گو میں اُس بزم سے تو اٹھاؤں
جگہ اُسکے دل میں ہے شکل ہی ہے
امیر اس کرم پر میں صدقے کہ اُنے
کہا میری رحمت کے قابل ہی ہے

یہ کس بیدار کس ظالم پہ اپنا دم نکلتا ہے
ذرا سی جان ہے پر دل جگر پر تو کا دکھو
یہ رہ رہ کر کلیجا چٹکیوں سے کون ملتا ہے
کہ جلتی آگ میں کس شوق سے گر کر کے جلتا ہے
خرام ناز پر اُنکے گریبان چاک کرتا ہوں
کسی کے پاؤں چلتے ہیں کسی کا ہاتھ چلتا ہے
جو کہتا ہوں کہ میرا دم نکلتا ہے تو کہتے ہیں
بہارے وصل کا ارمان تو یوں نہیں نکلتا ہے
سزا قاضی کی کیا چھڑوائیگی متوسلِ بخوار
قلم جب باغبان کرتا ہی انگور اور پھلتا ہے

زاہد و کی توبہ ٹوٹی لٹکھرایا پائے شیخ
ہجیر میں سب بیزہ ہے وصل میں سب بامرہ
کچھ عجب ستانہ رت ہر ساقیا برسات کی
دھنل گرجی کی ہو یا جاڑے کی یا برسات کی

ہم دل جلے گئے تو جہنم پکارا اٹھا یارب سزا ملی یہ مجھے کس گناہ کی
 کس کی سواری آتی ہر صحرائیں اسے جنوں اٹھ اٹھ کے رقص کرتی ہر کیوں گرد راہ کی
 ہم پر کسی نے لطف کیا یا ستم امیر
 ہم نے اُسی کی شانِ کرم پر نگاہ کی

پوچھتا کیا ہو کہاں دل جگر اے جان گئے جاتے کمبخت کہاں سب ترے قربان گئے
 کیا کہیں لے کر کہاں وصل میں رماں گئے ناز کے صدقے تو انداز کے قربان گئے
 قاضی و محتسب ہر سد ہارسے حج کو میکش خوب پیو حلق کے دربان گئے
 حق شناسی کی حقیقت کو انھیں نے جانا
 اسے امیر اپنی حقیقت کو جو پہچان گئے

خود ترے ہونٹ یہ کہتے ہیں کہ بوسہ لیلو اور معشوقوں کی ہوتی ہے اجازت کیسی
 کیا ریاں پھولوں کی دیکھیں جو کبھی گلشن میں یاد آئی مجھے احباب کی صحبت کیسی
 درد اٹھے اٹھ کے تھے خاک جو تڑپاتا ہے بیٹھی ہے فکرو دبا کر مری تربت کیسی
 ناوک ناز کی آمد جو کہیں سُن لی ہے دل میں گھبراہٹ ہوتی پھرتی ہے حسرت کیسی

دیکھ غفلت میں جوان کو نہ کھو عمر بھر میں اک یہی تو رات ہے
 بوتلوں سے رات دن ڈھلتی ہے محو یہ نئی بدلی نئی برسات ہے

ہے توکل پر گزرا اپنی آسیر
اُسکے در کی بھیک پر اوقات ہے

دکھلا گئے اک جھلک جو وہ روپوش ہو گئے
کیا کیا خیال خوابِ فانی ہو گئے
بو سے لئے جو زلف کے مستی میں تو کہا
مے پیتے پیتے تم تو بلا نوش ہو گئے
دفتر گرا ادھر تو ادھر کا تب عمل
تر پے ہم اس قدر کہ سبکدوش ہو گئے
کاندھا ابھی جنازے کو دینا ہی جان
کب کاٹ کر سر آپ سبکدوش ہو گئے
افسردہ داغ دل ہوے پیری میں کیا تیر
گویا چراغِ صبح کو خاموش ہو گئے

ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے
زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے
تری بانکی چتون نے چن چن کے مار
نکلیے سجیلے جواں کیسے کیسے
ہزاروں برس کی ہے بڑھیا یہ دنیا
مگر تانتی ہے جواں کیسے کیسے
اٹھائے ہیں مجنوں نے لیلیٰ کی خاطر
شترِ عمنزہ سارباں کیسے کیسے
جہاں چھیڑنے پر وہ باتوں میں آئے
چلی لیکے نشتر زباں کیسے کیسے
کہیں قتل پر حشرت میں خاتمہ ہے
ابھی دینے ہیں اتحاں کیسے کیسے

لٹکائے کیوں گئے ہیں کیسی ہزاروں
گیو تو خود بلا تھے انھیں کیا بلا ہوئی
موجود آئے وصل میں بھی لو حیا ہوئی
اک جان کا عذاب ہوئی شرمِ میا ہوئی

رحم آگیا کریم کو۔ محتاج دیکھ کر
 اک عمر ہو گئی شبِ فرقت کو میس گھر
 دیکھا نگاہِ گرم سے آج اسے غیر کو
 آئینہ عاشقوں سے سوا ہے تم نصیب
 گھبرا رہے ہو شیریں کیوں اس قدر تیر
 جانت ہی اس غریب کی حاجت روا ہوئی
 اب بھی جواب دے تو بس اتنا ہوئی
 مقبول کس جلے ہوئے دل کی ما ہوئی
 پہلے اسی غریب پہ مشق ادا ہوئی
 اتنی ہی سی تو بات ہے کہمہد خطا ہوئی
 بخشا ایسر روز ازل ہی کریم نے
 یاں پہلے مغفرت ہوئی پیچھے خطا ہوئی

اچھے علی ہو مریضوں کا خیال اچھا ہے
 تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
 دیکھ لے بلبلِ پروانہ کی بیتابی کو
 راتیں اچھی ہیں دن اچھے ہیں جینے اچھے
 دونوں کینے ہیں سہیں ہر قریب سہیں جیب
 آنکھیں دکھلاتے ہو جو بن تو دکھا و صاحب
 اہ کامل مرہ نو دونوں حسین ہیں لیکن
 روزِ آنکسے مرے دل کو تسلی دینے
 ناز کو جان کی ہے تاک ادا کو دل کی
 گرمی شوق یہ کہتی ہے چلو دیکھیں تو
 برتہ اتر کر جی رزقاریں اچھی ہے تیر

ہم مرے جاتے ہیں تم کہتے ہو حال اچھا ہے
 سو سوالوں سے ہی ایک سوال اچھا ہے
 ہجر اچھا نہ حسینوں کا وصال اچھا ہے
 اچھے معشوق سے صحبت ہو تو سال اچھا ہے
 خوابِ معشوق سے عاشق کا خیال اچھا ہے
 وہ الگ باندہ کے رکھا ہی جو مال اچھا ہے
 اک ذرا سن جو ہر کم اس سے ہمال اچھا ہے
 تجھ سے اور دشمن جاں تیر خیال اچھا ہے
 دونوں خوش فکر ہیں دونوں کا خیال اچھا ہے
 سننے ہیں طور پر بھی ایک نہال اچھا ہے
 گرمی حسن میں وہ برق جمال اچھا ہے

ساقیا جاتے ہیں پیارے میخانے سے
 راز میخانے کے باہر نہوں میخانے سے
 رقص کرنے لگا دم بھر میں چھلک کر ساقی
 وہ تو معشوق ہر ترپانے میں ملنے سے مزہ
 کہتے ہیں وصل میں دیکھ کوئی کھل چھڑائی
 میرے غمخوار جو گھیرے ہر انھیں میں کیا دوا
 زاہد و وعظ کی مجلس سے کہ ہے انکار
 شمع سے کتنے ہی اک ساتھ لپٹ جاتے ہیں
 ساقیا دختر رز بھی ہے عجب مشاطہ
 کی تھی ہم چشموں میں تعریف تری شوق کی
 خوب جی بھرنے تصور کا ترے موقع ہے
 زلیت کا لطف تو یاروں ہی کو دم تک ہر تر
 ذکر ہوس دل وحشی نے کیا ہے کہ ایسر
 وہی آواز چلی آتی ہے دیرانے سے

جب آنکھ اس شاہِ خوباں پر پڑی ہے
 مٹی پر پوٹ افشاں کی پڑی ہے
 نظر کس چشمہ فناں سے لڑی ہے
 زلمے بھر کی آنکھ اُس سے لڑی ہے
 نگہ تقدیر بن بن کر لڑی ہے
 کنی میرے کی نیلم میں جڑی ہے
 کہ آنکھوں کو لے کر گس پڑی ہے
 جدھر دیکھو یہی آفت پڑی ہے

تیری تصویر تو آگے کھڑی ہے
 صبا یہ منہ پیسے کیوں پڑی ہے
 یہی تو حاصلِ عمر اک گھڑی ہے
 مری عمر رواں بھی اک گھڑی ہے
 ذرا سی شمع کو اتنی پڑی ہے
 یہ کیسی گرد و اسن پر پڑی ہے
 سامی کو صفتِ مرگاں کھڑی ہے
 ہماری جان تو تم میں پڑی ہے
 تبسم انکی نازک پنکھڑی ہے
 میحاً پاس۔ اجل سر پر کھڑی ہے
 پر پر واندہ ان کی پنکھڑی ہے
 وہ کھو لو جو گرہ دل میں پڑی ہے
 کہاں کی نیند تم کو پھٹ پڑی ہے
 میں سچ کہتا ہوں یہ چھوٹی بڑی ہے
 دلہن چلن میں شرمائی کھڑی ہے
 قضا کیا مفت میں ماری پڑی ہے
 تو اک توار اور اُسے جڑی ہے

شبِ غم مجھ سے بیٹھا جائے کیونکہ
 کلی کو باغ میں چھیرا ہے کس نے
 بہت جلدی نہ کر قاتلِ دمِ ذبح
 نہیں رکتی چلی جاتی ہے دن رات
 فلک کو پھونکتی ہے آہِ دل کی
 ملا کر خاک میں آئے ہو کس کو
 نگاہِ ناز ہوتی ہے برآمد
 اجل آئی ہے نذر اُس کے کریں کیا
 تمہارے لب ہیں باغِ حُسن کے پھول
 وہ نیٹھے ہیں مگر تیوری چر مٹاے
 گرے ہیں جو لگن میں شمع سے پھول
 گرہ بندِ قبا کی کھل رہی سیگی
 مری میت کو ٹھکرا کر وہ بولے
 زباں دی بہرِ وصل اور خود ہی بولے
 نہیں پلکوں کی اوچھیل میں وہ تپلی
 ادا قاتل ہے الزام اُسکے سر پر
 تھکے ہیں جب دہانِ زخمِ بسمل

آگے آگے فتنہ محشر چلے
 چالِ قاتل کی اگر خبر چلے

لالے کے مانند ہم اس بلغم میں داغ لینے آئے تھے لیکر چلے
 کوئے قاتل میں گزرا ساں نہیں آدمی تلوار پر کیونکر چلے
 چھپکے اُس کوچے میں اتوں لوگئے اپنے سائے سے بھی ہم بچکر چلے
 یہ ملی کس جرم پر دم کو سزا حکم ہے دن بھر چلے شب بھر چلے
 جرم اپنا سوج کی تفسیر کیا کیوں حجاب اتنا اٹھا کر سر چلے
 گل گیا آخستہ تربت گفن سا ایک جوڑا حشر تک کیونکر چلے
 صنعت اُس کوچے میں کہتا ہی تیر بیٹھے صاحب کہاں ٹھکر چلے
 رہنے کیا دنیا میں آئے تھے تیر
 سیر کر لی اور اپنے گھر چلے

تری صورت کچھ ایسی ملک قدرت سے جس نکلے کہ انکی ہر اداسے شان صورت آفرین نکلے
 دفا کی داد دینے میں بھی شرمیلی دہیں ہیں دہن پر دے سونکلی یا زباں آفرین نکلے
 ہوا دیدار اُس کا خواب میں باتیں تصویر میں کوئی حسرت کہیں نکلے کوئی حسرت کہیں نکلے
 عجب لذت بھرے ہاتھوں قاتل نے کیا جنی کہ منہ سے اُف نکلنے کی جگہ بھی آفرین نکلے
 تن ہی جان کو زخاک کیا دھڑ دھوکے پیٹا ہے ستم کرتے میں اُستاد آسمان کی بھی زمین نکلے
 شریکِ طالعِ عاشق بیکسی میں کون ہوتا ہے جو نکلے بھی تو کچھ دل سوز آہِ آتشیں نکلے

خبر ہے نقشِ کپس ہو فنا کے آنے کی کہ جان ابھی سے ہے مشتاقِ بلا کے آنے کی
 نکالتے ہیں وہ مانگ اور دل یہ کہتا ہے نکل رہی ہے سڑک یہ بلا کے آنے کی

شبِ سال میں اس شوخ کو پلا کے شراب میں راہیں روک رہا ہو حیل کے آنے کی

گھٹا میں برق جو چمکی تو یاد آئی اسی سر

ادا کسی کے وہ پردہ اٹھا کے آنے کی

یہ آتا ہے جی میں کہ کو شر پہ چلے سہا خرابات میں دور کی سو جھتی ہے

یہاں تو مریجاں پر بن رہی ہے تھیں جانِ من دل لگی سو جھتی ہے

بُرا وختِ رز کو کہے کیوں نہ واعظ بُرے کو بھلی بھی بُری سو جھتی ہے

بُری ہو نہ قسمتِ الہی کسی کی را کہ جو سو جھتی ہے بُری سو جھتی ہے

جو کہتا ہوں اُنے کہ آنکھیں ملاؤ تو کہتے ہیں تم کو یہی سو جھتی ہے

میرے لیے دیے تو مضمون ہیں لاکھوں
نئی بات کوئی کبھی سو جھتی ہے

جوہر انتخاب

گوہر انتخاب کی طرح یہ بھی افراد کا ایک مختلف مجموعہ ہے مگر گوہر انتخاب سے بہت کم ہے۔ کل دو سو چوراسی شعر ہیں۔ صنمخانہ عشق کے آخر میں مثل ضمیمہ کے چہلے ہے۔ ایک ایک شعر فصاحت کی تصویر اور بلاغت کی جان ہے۔ زبان کی شیرینی بیان میں نہیں آسکتی۔ میری رائے میں جس شاعر کے خزانہ تصنیف میں صرف جوہر انتخاب ہو وہ زبان اردو کا سبحانِ اعلیٰ ہونے کا دعوے کر سکتا ہے اور کوئی اسکی تردید نہیں کر سکتا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہاتھ رکھ کر مرے سینے پہ جگر تھام لیا / تم نے اس وقت تو گرتا ہوا گھر تھام لیا
دشت میں کہاں اب کوئی ہمایہ ہو پیرا / سب چل دیے ہمارے پاسیہ سے پیرا
راہ بتا دی عدم کی خضر منزل مل گیا / گھر سے اچھے وقت نکلتے تھے کہ قال مل گیا
کیف حاصل ہو لگے داغ نہ میخواری کا / مستی عشق بُرا کام ہے ہشیاری کا
جان کر دوست وہ ہوئے شاکی / چائے شکر اس شکایت کا
لے لے مسجد سے مجھ کو منع کیے / توبہ توبہ میں پکارا ہی کیس
بستر خواب کو دیکھو کہ ہے ٹکڑی ٹکڑی / حال کیا پوچھتے ہو ہجر کی بیتابی کا
قبر کھولی تو مگر یہ مرمی حشت سے ڈرا / اپنی چادر بھی یہیں دزخ میں چھوڑ گیا
خط وطن کو لئے جاتا ہے تو لیجا تا بعد / پر مر مر حال نہ یارِ انِ وطن سے کہنا

مجھ سے یکس کے پاس رہتا ہوں کتنا مسکین نواز ہے غم دوست
 حقا کہ دو جہاں میں ہے ذاتِ الہ ایک دو آنکھیں بطرح کہ ہر آنکھیں نگاہ ایک
 ہے قصد شبِ غم میں کہیں دل ہی باتیں پھر کہتے ہیں دیوانے سے کیا بات کریں غم
 دن کیارات ہوئی رات گئی دن آیا نہوئی پر نہوئی گردشِ ایام تمام
 دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں رنگی ایک نہیں ہاں کا کہیں نام نہیں
 دیکھنے کو تمہیں اے اہلِ عدم آتے ہیں خیر اگر تم نہیں آتے ہو تو ہم آتے ہیں
 ہر چند نہیں وصال ممکن وہ چاہے تو ہے محال ممکن
 کھا کے تلوار جو قاتل کی فغاں کرتا ہوں

لذتِ زخمِ رقیبوں سے نہاں کرتا ہوں کوئےِ جاناں سے میں کب جاتا ہوں
 روز کہتا ہوں کہ اب جاتا ہوں کبھی وہ دن تھے کہ خورشید تھا میں
 اب تو سائے سے بھی دب جاتا ہوں ہجومِ رنج ہے اس کا خیال کچھ بھی نہیں
 ملال یہ ہے کہ اُن کو ملال کچھ بھی نہیں دل بھی ہے انتظارِ یار میں غم
 اب کہو کس کا انتظار کروں بند مرگ آئے ہیں وہ تربت پر
 اب کہاں جان جو نثار کروں کیوں نہوں اُنے کہ چھوڑو شیوہ جو رستم

ترکِ عادت ہے عداوت میں کوئی دشمن نہیں اُس کو چے میں کچھ رہو ورنہ نقشِ قدم میں

کچھ طالبِ دیدار بچھا آئے ہیں آنکھیں کہاں کوئی محرم کہوں کس سے غم
 کہ غم کے سوا کوئی محرم نہیں

ٹھہر ٹھہر کے ذرا بچلو مرنے کی بات کہاں امید کہ پھر آؤں کوئی قاتل میں
سیرے و علہ پہ شاد ہوں کیونکر اپنی قسمت کو جانتا ہوں میں
فقط دو ہاتھ سو ہے ایک میں جام ایک میں شیشہ ص

کہاں وہ ہاتھ ہے اب جو پرے ساتی کی گردنیں
جان دی تب ملی مجھے رحت موت سے کچھ میں شرمسار نہیں
آہ کرنے یہ کیوں بگڑتے ہو تم تو صاحب ہوا سے لڑتے ہو
نہیں گھیرا ہے پلکوں نے یہ چشم مست دلبر کو

لیا ہے دونوں ہاتھوں سے کسی میکش نے ساع کو
منکر گوشہ نشینان خرابات نہو کہ یہی گوشہ کہیں قبلہ دعا جات نہو
پہلے زلفوں کو سنگھا کر مجھے بے ہوش کرو
پھر مرے سینے سے تم تیر کا پیکاں کھینچو۔
سناؤں کیا انہیں نالے میں اپنے راتوں کو

وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں ایسی باتوں کو
آپ تو دیکھتے چلتے ہیں جو بنایا
دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا دیکھتے ہو
دیکھے کہاں تھے ایسے حینون کی جھنگٹے
محشر کا روز اور الہی دراز ہو
نالتے ہیں روز وہ پردل مر امرو درے
آج کل کب تک کرنیکے کیا قیامت دور ہے
ہے دختِ رز حلال تجھے کیا تیر ہے
واعظ یہ زر خرید ہماری کینز ہے
دل چرایا ہے مر اپروہ خجل کتنا ہے
فق ہوا جاتا ہے منہ چور کا دل کتنا ہے
وہ دوپہر کو گھر سے ہمارے نکل گئے
ہم دن ڈھلا تو گور کے باغ میں ڈھل گئے

جاری ہے لین دین یہ رسم زمانہ
دریا کا ابراہیم کا دریا خزانہ ہے
وہ ہم نازک دلوں کو آنکھ دکھلائے تو کیا گزندے

دکان شیشہ گرمی مست آجائے تو کیا گزندے
میرے گھر ہے قصداً نیکا تو آؤ ناز سے
بتوں کی روش کوئی کیا جانتا ہے
پر ذرا چھپ کر سپہر تفرقہ پر داز سے
قرت میں زندگی یہ غنایت خدا کی ہے
بڑے بے وفا ہیں خدا جانتا ہے
اسلئے در پر صدا دیتا ہوں میں
آگے جو کچھ کہوں تو شکایت خدا کی ہے
جیسا بھی دل جلوں کو تمہارے رحمت ہے
بول اٹھے شاید وہ اتنا کون ہے
نشہ سے نے کر دیا اندھا
پسند آئی نہ دست جنوں کی بیماری
خاک سو جھے رہ صواب مجھے
ہم بتوں سے امیدوار کرم
جنوں میں اس لئے پہناتے ہیں پیر میں
عجب دلچسپ نقشہ عالم ایجاد کرتا ہے
جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اسے دل یاد رکھتا ہے
نہ یہ ساعد نہ یہ بازو نہ یہ آنکھیں نہ یہ ابرو

فقط تیرا ساق ہے اور کیا شمشاد رکھتا ہے
دل بے آرزو بھی دی تو ہے لطف
یوں تو سب کچھ دیا خدا نے مجھے
دے کہیں حکم نہ وہ گھر سے نکلوانے کا
دیت کے واسطے محشر میں کب ہوں دامگیر
بے خود ہے منظور اپنے قاتل کی

کون جاتا ہے کہیں بے مطلب
جان لینے کو اجل آتی ہے

اکدن مرے گھراہِ محرم میں تو آؤ اب ہندی لگائیکا بہانہ تو نہیں ہے
مجھے جب دور سے دیکھا وہ بولے کوئی نادک فلن ہے یا نہیں ہے
قدر مرنے کی ہم سمجھتے ہیں صدے جھیلے ہیں زندگانی کے
پُرزے خط کے ہیں دستِ قاصد میں ✓ ایک کیا سو جواب لایا ہے
شبِ فرقت تو ابد تک نہیں ہونے کی نام ✓

میرے عشاق کو اندیشہ فردا کیا ہے
میں ہر اک سے جو خط اپنی بیاں کرتا ہوں ✓
ہے یہ مطلب کہ اُسے کوئی ستگر نہ کہے

دشمنوں کا شکوہ کرتے ہیں حضورِ دوستاں
دوست ببِ دشمن ہو پھر کس سے شکایت کیجئے
وعدہ وصل نے کیا بخود ✓ دیکھئے کیا وصال میں گزرے
پوچھو نہ اس زمانے میں اُلفت کا حال کچھ ✓

اک رسمِ تخیِ قدیم سو مو قوف ہو گئی
خوشا تقدیر بلبلِ پیشِ گل کہتی ہے حال اپنا

نہ قاصد کی ضرورت ہے نہ حاجت کی کبوتر کی
مُتساقِ ستم ہو گا نہ مجھ کو ہی بسمل
چمنِ اشکِ مخجون سے سنبھالے ہے شاید
خواب میں آئے تھے وہ غیر کے ساتھ ✓
تکلیف ہو بر شکر گدا کو ہے مناسب
شاہوں کی طرح کچھ غمِ عالم تو نہیں ہے

محمد خاتم النبیین

یہ حضرت امیر کا نعتیہ دیوان ہے۔ نعت گوئی میں وہ آزادی کہاں جو عاشقانہ تغزل میں ہوتی ہے۔ باوجود اس کے حضرت امیر کا نعتیہ کلام بہت رنگین و با مزہ ہے۔ جو شخص ان اشعار کو سنتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ عاشق رسول کا کلام ہے۔ اور محافل میلاد و سماع میں اس کلام سے بڑی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو یہ شاعری دراصل امیر کی چکش خاطر ہے۔

مولانا غلام امام شہیدؒ کی نعت بھی عشق میں ڈوبی ہوئی ہے لیکن امیر کی نعت میں عشق کے ساتھ متانت اور فصاحت و بلاغت کا زیادہ لطف ہے۔ اور قوتِ گویائی مصرع مصرع سے نمایاں ہے تھوڑے سے اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

مردہ اے امت کہ ختم المرسلین پیدا ہوا	انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوا
نورِ حقایقِ خلقت تھا ہوا اسکا ظہور	رحمتِ آئی رحمتہ للعالمین پیدا ہوا
کانِ رحمت سے ہوا یا قوتِ رمان کا ظہور	قلمِ توحید کا درِ ثمنیں پیدا ہوا

داعِ نبیین جو حضرت کی محبت کا پڑا ممسما ہم یہ سمجھے کہ چراغِ شبِ تربت پایا

بالائے آسمان کہ سر لاکھان نہ تھا اچڑ کے حُسن پاک کا جلوہ کہاں نہ تھا
معراج کے سفر میں لاکھ تھر راست چپ افسوس میں غبارِ پسِ کارواں نہ تھا
اچھا ہوا کہ اُلغٹِ حضرت میں جاؤی ان دامنوں اے امیر یہ سودا گراں نہ تھا

مومن کو عشقِ سرورِ عالی صفات کا طوفانِ حشر میں ہے سفینہ نجات کا

یہ بھی حضرت کی محبت کا تصرف ہی امیر غرق دریا ہوئے دامن نہ ہوا تراپنا

بیاں کیا ہو شہنشاہِ عرب کی شان و شوکت کا
فلک جس کے درِ دولت پہ نقارہ ہی نوبت کا
دکھاتا ہے تماشہِ نختِ دل کیا یادِ عارض میں
فرہ سے گرتے گرتے پھول بن جاتا ہے جنت کا

خلف وہ ہے کرے جو نام روشن جبرِ امجد کا
الف احمد کا میم احمد کا دال آدم میں احمد کا
کہچا ایسا پری نقشہ سراپائے محمد کا
کہ نقاشِ ازل نے آپ سایہ رکھ لیا قلم کا
اُتر کر عرش سے لیتے ہیں بوسے راتِ منِ قدسی
دبا یا سنگِ در نے تیرے پہلو سنگِ اسود کا

شبِ معراج حوروں نے بچھائیں اسقدر آنکھیں
 کہ سبزہ نرگستاں ہو گیا چرخِ زبرجد کا
 مدینے میں نہ کیونکر پہلے سبزہ جنت
 خضر چھڑکا دُکرتے پھرتے ہیں آبِ زمرد کا
 تمنا ہے کہ اک اک بال کی سوسو بلائیں
 دلِ صد چاک شانہ بن کے گیسوئے محمد کا
 قدم سے کیا ہی تیز آئی سواری جانبِ اسکاں
 نہ پہونچا تھا آخر بگیا سایہ وہیں قد کا
 سیہ کارِ اِنِ اُمت اور سب کڑیاں اٹھالینگے
 الہی سلسلہ چھوٹے نہ گیسوئے محمد کا
 امیر اُس موضع پر پہونچوں تو استغفار میں ہوں
 جو یہ مقصد روا ہو قصد ہے پھر ترک مقصد کا

قابِ قوسین جسکو کہتے ہیں ہے وہ ادنیٰ مقام احمد کا
 ہم نے میخانہ ازل میں امیر پی لیا بھر کے جام احمد کا

کیوں عالمانِ دین کا نہ قایل ہوں میں امیر
 یہ لوگ بھی ہیں مظلومِ انوارِ مصطفیٰ

تو اسے دل و حشت زرد دیوانہ ہو کر کس کا
 حوروں نے کہا دیکھ کے ملبوس اویسی
 کن آنکھ ہوے بالوں کو سلجھاؤ کی دھن
 دعویٰ جو کرے الفت محبوب خدا کا
 حضرت کے جوتوں کا دباں دور نہیں ہے
 ہیں دیدہ و دل دونوں امیر اس کے ٹھکانے
 کس شمع پہ قربان ہے پروانہ ہر کس کا
 بختنا ہوا یہ غلغلتا فنا ہر کس کا
 یارب دل صد چاک مرا شانہ ہر کس کا
 یہ حوصلہ ہے ہمت مردانہ ہر کس کا
 خورشید چھلکتا ہوا پیمانہ ہے کس کا
 یہ قصہ ہے کس کا وہ جلو خانہ ہر کس کا

جب مدینے کو رواں ہند سے محل ہو گا
 آپ کے نور کو خالق نے کیا جب پیدا
 حسرت آتے ہیں دم نزع نہ گھبراؤ امیر
 مجھ سے بھی چار قدم آگے ملے دل ہو گا
 آئی آواز یہ پیغمبر کامل ہو گا
 ابھی آسان ترا عقدہ مشکل ہو گا

یہ سوال آخری ہے بندہ درگاہ کا
 طوف کرتے کرتے روئے کا چمک اٹھ نصیب
 خاتمہ بالخیر ہو صدقہ رسول اللہ کا
 گرد پھرتے پھرتے بالہ نگیاں ماہ کا

قطرے کے منہ سے نام جو ان کا نعل گیا
 لکھا جو وصف گیسو بیچان مصطفیٰ
 حضرت نے جسکے حق میں کہا جو وہی ہوا
 بادل سے گر کے روئے ہوا پر نعل گیا
 کچھ منفرت میں کل جو رہا تھا نعل گیا
 کہا اختیار تھا کہ مقدمہ بدل گیا

میں نے چاہا ہے اُسے جسکو خدا نے چاہا ✓
 دل ہٹا کر کیا روز قیامت ہو گا

جھونکا جو کوئی آئے مدینے کی ہوا کا ٹھنڈا ہو کیجا ترے مشتاق لقا کا
بیمار ہوں میں الفتِ محبوبِ خدا کا اس درد میں ملتا ہے منہ جگودو کا

خلشِ دردِ محبت میں بڑی لذت ہے ✓ اور اس درد کو پہلو میں بڑا دیا رب
عُش تری شانِ جلالی سے مجھے آیا ہے ✓ دامنِ شافعِ محشر کی ہوا دے یارب

کیا سنا تے میں یہ واعظِ جہنمِ جنتِ جنت اپنے نزدیک تو بے روضہ حضرتِ جنت

چل مدینے وقت تو نے نہیں کھو باہت راتِ تھوڑی ہے چونک اری خبرِ سویا بہت
جاگتے سوتے ادھر کی اور ہر دل کو لگی پھر نہیں پروا ہی تو جاگا جو کم سویا بہت

کس کے آنے کی فلک پر ہی خبر آجکی رات آنکھ سوچ سے ملتا ہے قمرِ آجکی رات
ہے سہرِ شام سے رحمت کے فرشتوں کا نزول لیلۃ القدر ہے عالم میں مگر آجکی رات
خویرِ فردوس ہی نکلی ہیں نچا اور کرنے سر پہ رکھے طبقِ لعل و گہر آجکی رات
سہر پہ سلطانِ دو عالم کے ہے سایا کرنا سب ملک بیٹھے ہیں تو نے ہو کر آجکی رات
ریشنی پھیلی ہے خورشیدِ رسالت کی امیر ✓ میرے گھر شام سے مہمان ہی نہ آجکی رات

وہ دُائرہ جسکا کہیں آغاز نہ انجام نقطہ تھا جو اندر وہی باہر شربِ معراج

اللہ رے پاس ادب احمد مرسل ✓ جبریل نے آنکھوں سے جگایا شمع

بازو در عرفاں کا ہے بازوئے محمدؐ
توسین ہے تفسیر دو ابروئے محمدؐ
زنجیر اُسی دروازے کی گیسوئے محمدؐ
کو عین تہیہِ خُلس دو گیسوئے محمدؐ

ہوں مست ہے الفت گیسوئے محمدؐ
دل میں ہے خیال رُخ نیکوئے محمدؐ
کیا رنگِ تصور ہے کہ ہر سانسِ مکر
محشر میں فرہ ہوگا کہ اٹھ اٹھ کے جد
ابرومہ نو عید کا دن ہے رُخِ یور
سبطین سے ظاہر ہے وہی شانِ ہی ان
کس طرح اٹھائے ہوئے ہیں بارِ دو عالم
اللہ رے رفاقت کہ ابو بکرؓ و عمرؓ نے
رحمت کا وہاں شوقِ شفاعت کیا ہوا
سینے سے لگاؤں میں امیر آنکھوں میں کہوں

ڈور و نکی جگہ آنکھوں میں ہیں موئے محمدؐ
اللہ کے گھر میں ہے بسی بوئے محمدؐ
آتی ہے ہوائے چمن کوئے محمدؐ
سب سوئے جہاں جانینگے ہم سوئے محمدؐ
عاشق کی شبِ قدر ہے گیسوئے محمدؐ
اک بوئے محمدؐ ہے تو اک خوئے محمدؐ
ظاہر میں تو نازک سے ہیں بازوئے محمدؐ
چھوڑا نہ پس مرگ بھی ہلوئے محمدؐ
خالق کو پسند آئے نہ کیوں خوئے محمدؐ
ہیں پھول مجھے خارِ خس کوئے محمدؐ

تھے جلوہ گزین پہ حضرت مگر امیرؐ دیتے تھے قدسیوں کو سبق آسمانؐ

خوش تھے یوں اصحابِ روئے مصطفیٰ کو دیکھ کر

مصطفیٰ جس طرح انوارِ خدا کو دیکھ کر

چٹک کے کہتا ہے غنچہ غنچہ گلوں سے بڑھ کر ہمار تم پر
 چٹک رہی ہے چمن میں بلبل ہزار جانیں تار تم پر
 جلاؤ دوزخ کو کیسا کیسا بساؤ غلبہ بریں کو کیا کیا...
 مزا ہو روزِ جزا جزا کو جو رکھ دے پروردگار تم پر
 نبوت اک بے بہا تھا گنہگار سلسلہ وار سب نے پھینا
 تمہیں کیا خاتم النبیین کھلا کچھ ایسا یہ ہمار تم پر

پوچھ لوں شہ سے تو لکھتوں حور سے شادی کا خط
 مانگتا ہے مجھ سے رضواں خانہ دامادی کا خط
 شافعِ محشر جو حضرت ہیں تو پھر کیسے گناہ...
 نامہ اعمال ہے دوزخ سے آزادی کا خط

خلق کے سرور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم
 مرسلِ داورِ خاصِ ہمیر صلی اللہ علیہ وسلم
 نورِ مجتہمِ نیرِ اعظم سرورِ عالمِ مونسِ آدم
 نوح کے ہمدِ خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم
 فخرِ جہاں ہیں عرشِ مکاں ہیں شاہِ شہاں ہیں یفِ باں ہیں

سب یہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم
 بحر سخاوت کاں مروت آئینہ رحمت شافِ امت
 مالکِ جنتِ قاسم کوثر صلی اللہ علیہ وسلم
 قبلہ عالم کعبہ اعظم سب سے مقدم راز سے محرم
 جانِ مجسم روحِ مقصور صلی اللہ علیہ وسلم
 دولتِ دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تو نگر مس
 مالکِ کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم
 رہبرِ موئی ہادیِ عیسیٰ تارکِ دنیا مالکِ عقبی
 ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم
 چشمہ جاری خاصہ باری گردِ سواری بادِ بہاری
 آئینہ داری فخرِ سکندر صلی اللہ علیہ وسلم
 مہر سے ملوریش ریشہ نعتِ امیر اپنا ہے پیشہ
 ورد ہمیشہ دن بھر شب بھر صلی اللہ علیہ وسلم

پہنچ ہی جائینگے محبوب کے دیار میں ہم یہ شوق ہے کہ نہیں اپنے اختیار میں ہم
 کیا ہے جذبہ کامل نے قافلہ سالار ابامی سجہ تو ہیں گو نہیں شمار میں ہم
 امیر لے کے چلے داغِ عشقِ شاہِ کاکل کرینگے سیرِ جہاں گوشہِ مزار میں ہم

ضعف سے گوہر اٹھانا مجھے دشوار قدم شوق کہتا ہے کہ ہے شہرِ نبی پلِ قدم

سوئے تو آپ کے کوچے میں پہنچ کر سوئے
واہ رکھتے ہیں عجب طالع بیدار قدم
ساتھ جب تک کہ نہ لے لینگے گنہگاروں کو
مصطفیٰ خلد میں رکھینگے نہ زہار قدم

جو غرق ہیں دلائے رسالت تاب میں
کیونکر چلینگے حشر کے دن آفتاب میں
بطین مصطفیٰ ہیں جو رہبر کے نورین
رحمت کے یہ دور ہیں ام الکتاب میں
آئینہ ہے یہ بیخشن و چار یار کا
نقطے ہیں چار حرف میں پانچ آفتاب میں
جتنے سوال جاہیں کریں منکر و نکیر
حضرت کا ایک نام ہے سب کے جواب میں
بھرم ہو پاک آئے جو حضرت کسمائے
ہوتا ہے خشک دامن تر آفتاب میں
کس قیدی بلا کا نہیں آپ کو خیال
پہوئے خبر جو بند ہوا ہو حباب میں
جلے جو سوئے عالم بالا نگاہِ قہر
بانی کا قطرہ قطرہ شرر ہو سیلاب میں

مقام امتحاں میں دل جو اپنا تول لیتے ہیں
وہی سودائے بازار محبت مول لیتے ہیں
رقم کرتے ہیں جب مضمون سوا چشم حضرت کے
سیاحی مردک کی آنسو نہیں گھول لیتے ہیں
گستاخیں سب طرح کی ہر سرِ شرکان اچھیں
اسی ناخن سے عاشق دل کو عقد گھول لیتے ہیں
تراز و طبع سنجیدہ ہی اپنی فیض حضرت سے
یہیں اچھے برے اعمال اپنی تول لیتے ہیں
امیرِ الفت جو دلیں لکھتے ہیں ابرو حضرت کی
وہ اس کجی سے فضل بابِ جنت گھول لیتے ہیں

جو لوگ الفتِ حضرت بن جان دیتے ہیں
نکاح انہیں کوجاں کی زبان دیتے ہیں

کہد و رضواں سے ہمیں سیر کی تکلیف نہ دے ہم مدینے ہی کو گلزارِ ارام جلتے ہیں

دہ دن بھی ہو کہ روضہ اقدس میں مقیم رضواں بلائے مجھ کو کہوں میں نہیں نہیں
بے شبہ ہے ثبوت کے لائق وہ آستان ۷ پر لائقِ سجود کسی کی جہیں نہیں
سجود

دشگیری نہیں کرتے ہیں مجھ کو کسی کون گرتا ہے کہ وہ تھام نہیں لیتے ہیں
اب تو لعل اللہ رخ انور سے نقاب دزل جگر سینے میں آرام نہیں لیتے ہیں
خاکساروں کو ترے آبِ بقائے کیا کام خضر دیتے ہیں انہیں جام نہیں لیتے ہیں
جان دیتا ہے جو حضرت پہ وہ پاتا ہیشت ۷ ایک کا مال وہ بے دام نہیں لیتے ہیں

پھونچا امیر خیر وری کی جناب میں ہے لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں حسرت آتی ہے یہ پہونچا میں با جاتا ہوں
الہو المدد اسے شافعِ روزِ محشر بوجھ بھاری ہو گئی ہوں کہ دبا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں شوق کھینچے لئے جاتا ہوں کیا جاتا ہوں
کارواں رہِ یثرب میں ہوں آوازِ درا سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں

دودھ پیتے ہوئے اطفال نہ کیونکر بولیں جب لبِ لبّ کی تاثیر سے پتھر بولیں
دل زائرین جو اکسیر کا آجائے نیاں بوٹیاں آپ ہی جنگل میں برابر بولیں

عاشقِ شاہِ ہون جگر میں جو قیامت میں ملک ہے یقین میری طرف سا پہنچے بولیں

ہوں تو مجرم پر نہیں ہے سرِ اقبال میں نام حضرت بھی ہے میرا نامہ اعمال میں
یادِ انجمن جو روئیں اپنی نگہیں اے امیر ابر تر بھر بھر کے موتی لیکے رومال میں

غل ہر معراج کی شب شاہِ اُمم آتے ہیں
آبِ بالائے براق آتے ہیں اور روح میں
نکلنے کی عالمِ امکاں سے سواری شب کو
شانِ رشوک کوئی دیکھے تو شہنشاہی کلک
اہلِ مستی کا تو کیا ذکر ہے ایسی ہے خوشی
غول کے غول ملاک میں ادھر اور ادھر
جو کڑی آتی ہے آواز یہ آتی ہے امیر
مالکِ مہر و مہر لوجِ قلم آتے ہیں
بوسے دیتے ہوئے بالائے قدم آتے ہیں
رکھنی کرنے کو انوارِ قدم آتے ہیں
کہ ملائک لے ہاتھوں میں علم آتے ہیں
تہنیت کیلئے اربابِ عدم آتے ہیں
واہ کس شان سے باجاہ و چشم آتے ہیں
تو ہر اسان نہو ہم آتے ہیں ہم آتے ہیں

نہیں ہے آپ کے رخ کا شمار پھولوں میں
نثار کر رہیں لے جل کے اے صبا اس پر
ہر ایک گلِ چمنِ فاطمہ کا ہے اک باغ
نملے بھر میں ہے اصحابِ یک کی خوشبو
کسی میں آگے بڑھی کسی میں آگے کانگ
نہیں میں اشک یہ اُس رخ کی یاد میں جاری
بسی ہوئی ہے عروسِ سن ہا پھولوں میں
پڑی ہوئی ہے یہ ہر سو پکار پھولوں میں
یہ انتخاب ہے ستر ہزار پھولوں میں
مہک گیا چمنِ ہر چار پھولوں میں
عیاں ہے رحمت پرور و کار پھولوں میں
امیر ہے یہ رواں آبشار پھولوں میں

فرشتوں میں ہنگامہ رسول پاک آتے ہیں
 کھلیں رحمت کے دروازے شہِ لولاک آتے ہیں
 ستاروں سے گہوا نکھین پچھائیں انکی آمد ہے
 ملائک جنکے در پر حجاز نے کو خاک آتے ہیں
 طلب مشوق کی عاشق نے کی ہے بھیج کر خلعت
 لئے جبریل سر پر آپکی پوشاک آتے ہیں
 برقی برق دم سے برق خوش ہو ہو گئی کہتی ہے
 چلن کیا کیا تجھے اے توسنِ چالاک آتے ہیں
 ہے آمد آمد انکی جن کے سوزائے محبت میں
 عدم سے سوئے سستی گل گریباں چاک آتے ہیں
 اٹھا کر انگلیاں کہتی ہیں موجیں بحرِ رحمت کی
 کہ دریائے رسالت کے بڑے پیر اک آتے ہیں

دینے میں دلِ پرداز اپنا لیکے جاتا ہوں
 بڑے سرکار کے دربار کی ڈالی لگاتا ہوں
 دینے کی زمیں کو جھاڑتا پلکوں سے جاتا ہوں
 جو کانٹے راویں ملتے ہیں آنکھوں سے اٹھاتا ہوں
 بہت ہی ناتواں ہوں نہیں قدم مشکل سے اٹھاتا ہوں
 تو اے دل گے آگے چل میں پیچھے چھ آتا ہوں

ضعیف و زار ہوں گو قافلے بھر سے مگر دیکھو
 میں آوازِ جرس کی طرح آگے سب جاتا ہوں
 تصدق اس عنایت پر میں اس اعجاز کے صدقے
 کہیں ہوں آپ لیکن میں تو اپنے دل میں باتوں
 فلک جو داغ دیتا ہے مجھے عشقِ محمد میں
 اُسے آغوش میں لیکر کھینچے سے لگاتا ہوں
 امیر اب میں یہاں گھبرا گیا ہوں جی نہیں لگتا
 اٹھا کر ہند سے بسترِ مدینے میں لگاتا ہوں

مدینے کو سفر ہم اسے دل ناسا کرتے ہیں
 چلے جو سوے شرب اس کے دامن یہ چلے
 بجھے افلاک اتنی خاک کا پیوند کرتے
 ادھر عاشق پہ صدقے ہیں ادھر مشوق پر قرباں
 خدا کرنے کو حضرت پر لئے چلتے ہیں اب اول
 کلام عاشق و مشوق میں بھی رنگِ حدت ہے
 شفیع عاصیاں اب جلد آپ میں شفاعت کو
 مدینے میں صبا لانی ہے مشردہ کس کی آمد کا
 جدائی میں کئی اک عمرِ یارب وہ بھی دل کے
 امیر تہی حقیقت ہے بیماری نشت گوئی کی

یہ گھر برباد کرتے ہیں گھر آباد کرتے ہیں
 ہم اس حسرت میں اپنی خاک کو برباد کرتے ہیں
 مگر تیرا بھکر جسم یہ جلا د کرتے ہیں
 خدا کے ساتھ محبوب خدا کو یاد کرتے ہیں
 تو اک مدت کا قیدی ہے مجھے آزاد کرتے ہیں
 وہی ارشادِ باری ہے جو آپ ارشاد کرتے ہیں
 گنہگار ان اُمتِ دیر سے فریاد کرتے ہیں
 کہ مرغانِ چین شورِ مبارک یاد کرتے ہیں
 کوئی کہہ دے کہ چل سکر کا بھلا یاد کرتے ہیں
 ملا ہی مہرباں فریاد رس فریاد کرتے ہیں

آتسو مری آنکھوں میں نہیں آئے ہوئے ہیں
 ہم اور عبادات قریاضات کی لذت
 دیدیجئے پابوس کی اب ہکو اجازت
 احکام تری شمع کے ہر نفس شقی کو
 کیا پوچھتے ہو لوٹتے ہیں کیوں جگر و دل
 اندر رہے حیا حشر میں اللہ کے آگے
 امت کا مری بال نہ بیکا ہو یہ ہٹ ہے
 میں نے جن خلد کے پھولوں کو بھی دیکھا
 کن آنکھوں کا بیمار ہوں یا رب کہ مگر گھر
 عشاق کی آنکھوں کو رلاتے ہو تمہیں تو
 شاخوئیں یہ پتے نہیں اے غیرت گلشن
 پھولوں کی طرح ہجر میں عشاق کے دل لگا
 جی بھر کے ہیں دیکھنے دو حشر میں دیدار
 روشن ہوئے دل پر تو رخسارِ نبی سے
 آئے ہیں جن وہ بخود دی شوق کو سنکر

دریا تری رحمت کے یہ لہرائے ہوئے ہیں
 سب تجھے یہ مہر کا رہی کے لئے ہوئے ہیں
 کب سے دل بیتاب کو ٹھرائے ہوئے ہیں
 روکے ہوئے دانہ بی ہوئی دیکھائی ہوئے ہیں
 یہ دونوں تمہاری ہی تو ٹپائی ہوئے ہیں
 ہم سب کے گناہوں پہ تہ نہری ہوئے ہیں
 گیسو سہر دوش اسلے ل کھائے ہوئے ہیں
 سب آگے ترے چہرے کو چھایا ہوئے ہیں
 عیسیٰ بھی مجھے دیکھنے کو آئے ہوئے ہیں
 یہ جام تمہارے ہی تو چھلکانے ہوئے ہیں
 سب ہاتھ ترے سانسے پھیلانے ہوئے ہیں
 افسردہ ہیں پیر مردہ ہیں مہر جھائے ہوئے ہیں
 اک عمر کے ترے ہوئے ترے سائے ہوئے ہیں
 یہ ذرے اسی مہر کے چمکائے ہوئے ہیں
 اس وقت امیر آپ میں ہم آئے ہوئے ہیں

صد اداس رہی ہے یہ گور غریباں
 دل دیدہ ابھری ہوئی گھر تھے دونوں
 یہ ان سب فلک کے شاہی ہوئے ہیں
 یہ ہر گناہ کی کے بٹا ہوئے ہیں

ولہ

عمر بھر دولت کو نین کی کرتا تھا تلاش
اب جدِ فخرِ عرب آپ میں فخرِ آب و جد
ملگئی آج تہہ دامنِ احمد مجھ کو
میں وہ محبوبِ خدا اس سے کہے محبوب
یاد آجاتی ہے اُس شاہ کی آمد مجھ کو
نہت گل کبھی گلشن سے جولا تی ہے صبا

اب کہاں چینِ خردی مرے جی نے مجھ کو
عاشقِ چہرہ حضرت تھا گیا بے کھٹکے
کہ مدینے میں بلایا ہے نبیؐ نے مجھ کو
بہرِ آفت میں نبیؐ اور علیؑ ہیں حامی
درِ فردوس پہ روکا نہ کسی نے مجھ کو
پار اترنے کو لے ہیں یہ سیفِ مجھ کو
کی یہ تسلیم او پس قرنیؑ نے مجھ کو
عشقِ کریمِ رسل سے کہ خدا راضی ہو
شمعِ ساں موت کو آتھیں سینے مجھ کو
آتشِ عشق میں جلتا ہوں شب بھر دمِ صبح
سما ہم تن شوق بنایا ہے خوشی نے مجھ کو
لے چلے جذبہٴ دل جلد مدینے مجھ کو
سب بتا دینگے زیارت کو قرینے مجھ کو
کہ پکارا ہی غریبِ الوطنی نے مجھ کو
ملی و ہاشمی و مطلبی نے مجھ کو
اب کیا یاد رسولِ عربیؐ نے مجھ کو
شوقِ محبوبِ الہی میں نہیں صبر کی تاب
ہے یقیناً اہ میں طجائینگے جبریلِ امین
اب ٹھہروں جو کرے میری خوشامد بھی وطن
مومن و زائر و حاجی ہوں دینِ شرف
راستہ من ہند میں رہتا ہی رہی دینِ اکبر

عاجِ خوانِ مومن میں آواز نہیں ہے تو نہ ہو ۷ سوزِ حاصل ہی مجھے ساز نہیں ہے تو نہ ہو

مہرتے ہی پھاند کے دیوار میں داخل ہو چکا
 زندہ دل جتنے ہیں اقرار نبوت ہی نہیں
 آپ کا نام تو لیتا ہے موزن پر صبح
 درِ الفت کا ہوا انجام الہی اجہا
 آشیانہ ہے دینے کے درختوں پر مرا
 دور سے دیکھ لیا کرتے ہیں حضرت کا جمال
 رہ نہیں جانے کا میں ادی مدحت میں امیر
 بابِ فردوس اگر باز نہیں ہے تو نہ ہو
 مردہ دل قائلِ اعجاز نہیں ہے تو نہ ہو
 مثلِ داؤد خوش آواز نہیں ہے تو نہ ہو
 خوبصورت اگر آغاز نہیں ہے تو نہ ہو
 اب اگر طاقت پر واز نہیں ہے تو نہ ہو
 پاس اگر جلوہ گہ ناز نہیں ہے تو نہ ہو
 تو بس فکر سبکتاز نہیں ہے تو نہ ہو

یہ باعث تھا کئے سجدے فرشتوں نے جو آدم کو
 کہ دیکھا اُن کی پیشانی میں نورِ خسرِ عالم کو
 شرف بخشا دینے کو خدا نے ہفت کشور پر
 بندی جیسے دی ہفت آسمان سے عزتِ عظم کو
 سفارش سے تمہاری قوتِ اعجاز دی حق نے
 یدِ موسیٰ عمران کو لبِ عیسیٰ مریم کو

غبارِ کوچہ حضرت کا سر نہ ہے عجب سہرہ
 یہ شوقِ یدِ مرقد ہی کہ جب بند ہوتا ہے
 اجازتِ طاہرِ سدرہ کو ہو تو نخلِ تیر پر
 تمہارا بوسہ در یوں بدو کو نیک کرتا ہے
 کیا ہے جس نے روشن دیدہ خورشیدِ روشن کو
 فتنے چھانکتی پھرتے ہیں دیوار دیکے روزن کو
 بنائے آشیانہ چھوڑ کر اپنے نشیمن کو
 بنا دیتا ہی سونا سنگ پار میں جیسے آہن کو

براق اڑتا ہوا قطع رہ معراج کرتا تھا ملے جب شہسوار ایسا خوشی ہو کیوں تو س کو

طاعت حق ہے محمد کی اطاعت مجھ کو جج ہے کیسے کا مدینے کی زیارت مجھ کو
شاید آجائیں ہاں ختم رسالت کے قدم جلد اسے مرگ دکھا گوشہ تربت مجھ کو
منظر رحمت حق تو میں سراپا عصیاں منفرت کیلئے کافی ہے نسبت مجھ کو
عشق محبوب الہی میں وہ لذت ہے امیر درد و رماں ہے غم و رنج ہے راحت مجھ کو

عشق شہ والا و دل زار کو دیکھو اس کاہ کو اور کوہ گراں بار کو دیکھو
کہتی ہے کہ میں پر تو چشمان نبی ہوں لو اور سنو زگر گس بیمار کو دیکھو
فاقوں میں اس ابرو کا رہے دیان تیر ہر ماہ رمضان دیکھ گے تلوار کو دیکھو
اے اہل جنوں سلسلہ بخشش کا یہی ہے بل کھائے ہوئے گیسوئے خدا کو دیکھو
جنت میں یہ کہتے ہیں فرشتوں سے فرشتے یشرب میں چلو شاہ کے دربار کو دیکھو

فیض قدم شہ سے ضیا پائی ہے ایسی خورشید ہے اک درہ صحرائے مدینہ
محشر میں ہوا لالہ گلزار شفاعت جس دل میں پڑا داغ تمنائے مدینہ
بازار محبت میں کہاں مجھ سا خریدار سبز بیچ کے لیتا ہوں میں سودا مدینہ
ہر صبح بند ہا روضہ حضرت کا تصور جب آنکھ کھلی کھل گئے درہا مدینہ

یہ سیگنی ہے دل میں تمنائے مدینہ ہر سانس سے آتی ہے صدائے مدینہ

ہے تجھ کو ہوائے چمن آراے مدینہ
 آنکھیں ہوں یہ تجورخ زیبائے مدینہ
 اے حسرت دیدار دکھا جذب کی تاثیر
 خضر رہ مقصود ہواے ولولہ شوق
 عاشق کے کلیجے سے لگی رہتی ہے ہر دم
 سوتے میں بھی آکے دکھا جاتا ہے جلوہ
 ہے وصل میں بھی شوق وہی فصل کاباتی
 یارب یہ جیسے رنگِ تنہا مے دل میں
 یارب وہ عطا کر مری آنکھوں کو بصیرت
 سو جان سے اس بخود ہی شوق کو صدمہ
 روئے سے آ میر آتے ہیں جھونکی جو ہوا کے

جنت میں کروں کیا مجھے لجائے مدینہ
 کہے کو بھی دیکھوں تو نظر آئے مدینہ
 پتلی کی طرح آنکھیں میں کھج آئے مدینہ
 دکھلا دے مجھے گنبدِ خضر آئے مدینہ
 کیا پیاری تنہا ہے تنہا ہے مدینہ
 غش ہے انہیں باتوں پہ تو شیدا مدینہ
 کہتا ہوں مدینے میں بھی میں ہائے مدینہ
 سینے سے کھیل لالہ صحرائے مدینہ
 گھر بیٹھے رہوں مجھ تماشا آئے مدینہ
 جب آپ سے باہر ہوے دیکھ آئے مدینہ
 کیا جھومتے میں مست شجر ہائے مدینہ

زہے بختِ مینر بانِ مدینہ
 مدینے میں اک اک سے میں پوچھتا ہوں
 مجھے اور قصوں سے کیا کام و غلط
 یہ ہے رشکِ دل کو کہ قاصدِ جو بھٹکوں
 فصاحت ہر صدقے بلاغت ہر قریاں
 برستا ہے یہ نور دیوار و در سے
 موطر ہیں گلیاں منبر ہیں راہیں

خدائی ہے سب مہمانِ مدینہ
 کہاں ہے وہ بانگِ جوانِ مدینہ
 سنا دے کوئی داستانِ مدینہ
 بتاؤں نہ ہر گز نشانِ مدینہ
 کچھ ایسی ہے پیاری زبانِ مدینہ
 کہ ہے لامکاں ہر مکانِ مدینہ
 یہ اے نامہ بر ہے نشانِ مدینہ

امیر اسپہ کیونکر نہ ہو جان صدقے کہ جانِ دو عالم ہے جانِ مدینہ

رہتی ہے زبانِ پیوستہ شانِ مدینہ
اللہ نے بخشی ہے جسے شاہی کونین
حاصل ہے مجھے زریں تین بھی کایہ لونی
روضہ شہید کونین کا کعبے سے نہیں کم
کہتا ہے امیر اسلے عالم مجھ سب کا
ہوں مرغِ نواسخ گلستانِ مدینہ
سلطانِ مدینہ ہے وہ سلطانِ مدینہ
بستر ہے تہِ نخلِ بیابانِ مدینہ
اللہ کا مہمان ہے مہمانِ مدینہ
ہوں حسنِ طبیعت و سخاوتِ مدینہ

دل سے نکلی گئی نہ حضرت کی محبت ہرگز
کچھ لیجائینگے کس طرح فرشتے سوار
حورِ باہر نہ کبھی باغِ ارم سے ہوگی
حلقِ پیٹی ہوئی حضرت کے علم سے ہوگی

جاتے تھے جب براق پہ حضرت چڑھے ہو
تسلیمِ جبریل امیں تھی برائے نام
اے اشوقِ قافلہ جو مدینے کو ہو رواں
پلہ ہونیکیوں کا گھٹا ہے تو غم نہیں
اللہ کے شوق چھوٹے مدینے میں دن ہے
حضرت کا علم علمِ لدنی تھا اے امیر
قدسی پکارتے تھے کہ آگے بڑھے ہو
حضرت وہیں سے آئے تھے کھٹے پڑھے ہو
باتکِ جبرئیل پاؤں ہوں آگے بڑھے ہو
امت کے دل میں تیری بدو بڑھے ہو
منزل سے ہم اگر چہ رواں نہ چڑھے ہو
دیتے تھے قدسیوں کو سبقِ بدو بڑھے ہو

غل کرینگے یہ ہمیں دیکھ کے محشر والے
غول کے غول وہ آتے ہیں ہمیر والے

ہو گئے نامہ اعمال شفاعت سے سفید
حشر میں لینگے یہ ہم ساقی کوثر کو صدا
دشمن شاہ ابو جہل ہو عاشق ہوں اولیں
ہے جو محبوب خدا ہے وہ ہمارا محبوب
کوچہ حضرت کا وہ کوچہ ہے جہاں میٹھیں
خوف کیا حشر میں امت کے سید کاروں کو
زور یہ قوت بازوے محمد نے کیا
میں نے دیکھا ہے وہ ایلنہ زخار امیر

اپنے دفتر لے بیٹھے رہیں دفتر والے
ایک ساغر ہمیں اوشیشہ و ساغر والے
حیف گھر والوں سے اچھے ہیں باہر والے
حق تو یہ ہے کہ کہا ہم سے مقرر والے
سلطنت چھوڑے ہوئے سکڑوں شور والے
کہ لینگے انہیں بال وہ گھونگر والے
کہ جسے دیکھ کے شکر ہو خیر والے
کیوں نہ قسمت کی قسم کھائیں کندروالے

چاہے مجھ پر عنایت شہر دیں تھوڑی سی
آرزو ہے کہ محبت میں تمہاری کٹ جائے
ہے وصیت کہ گفن میں سر رکھیں احباب
زعم میں اپنے ہی یہ بات کہ آفت شہر کی
سنگ در آب کا لجاؤ تو سجدے یہ کروا
سیر تھی نعمت دنیا سے طبیعت ایسی
لول کیا دول کہ مری طبع یہ کہتی ہے امیر

دیجئے قبر کو شراب میں زمیں تھوڑی سی
عمر باقی ہے جو اے خمر و دیں تھوڑی سی
خاک روغن کی جو لجاؤ کہیں تھوڑی سی
ہم بہت رکھتے ہیں جبریل امیں تھوڑی سی
سودہ ہو کر مری رہ جائے جس تھوڑی سی
کہ غذا اچھی تھی نان جو میں تھوڑی سی
شہر تھوڑے سے کہو یہ زمیں تھوڑی سی

جس روز مینے کی طرف گھر سے چلینگے
وہ ہم نہیں رہ جائیں جتنی صفت گرد

آنکھوں سے رواں ہو گئے کبھی سر سے چلینگے
اڑتے ہوئے بڑھتے ہوئے صرصر سے چلینگے

حضرت ہو شاف تو گنہگار ہی پہلے جنت کی طرف عرصہ محشر سے چلنے لگے

جنت ہے درِ خسرو و ذیشان مرے آگے کہدو کہ نہ لے دوں کی رضواں مرے آگے
شاہی ہے مجھے کوچہ حضرت کی گدائی کیا مال ہے گنجینہ سلطان مرے آگے
صد مہ جو ذرا پیاس کا ہو دوڑ کے آئے ظلمات سے خود چشمہ حیواں مرے آگے
یہجا و حضورِ شہرِ زیباہ فرشتو لاؤ نہ مرا نامہ عصیاں مرے آگے

ناجی ہو کیوں نہ محشر میں امتِ رسول کی حضرت نے کی دُعا تو خدا نے قبول کی
جائے عجب نہیں جو بہا انگلیوں سے آب بحرِ کرم تھی ذات جنابِ رسول کی
وہ ابرمِ رحمت کہ طراوت اُسی سے ہے ایک ایک برگِ نخل کی ایک ایک پھول کی
کافی ہے یہ ثنا کہ حبیبِ خدا تھے وہ حاجت نہیں ہے مدحتِ دلائلِ طول کی

آتے تھے یوں ملائکہ حضرت کے سامنے جیسے فقیر صاحبِ دولت کے سامنے
قطرہ ہے بحرِ آبی ہمت کے سامنے ذرہ ہے مہرِ مہرِ مروت کے سامنے
نہیں رکوں میں مینے کی راہ ہیں ہر چند سیکڑوں ہوں قیامت کے سامنے
اندھا کیا ہے شوق میں دریا ہو یا کنواں کچھ سو جہتا نہیں ہے ہمت کی لہر میں ناظر

یا دُشہ میں جو کوئی رات گذر جا لگی بہت اچھڑتا سری! اوقات گنہگار لگی
دیر ہوتی ہے زیارت میں تو بہتا ہے یہ دل عمرِ ہی شرح سے یہ بات گذر جا لگی

ہوگا اللہ کا فرمان بھی موافق اسکے آپ کے ذہن میں جو بات گزر جائیگی

سوے شیرب بنگے ہم زائر چلے
راہِ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق
یارِ سواں امڈا جلدی آئیے
نخلِ دل میں تھے گناہوں کے جو برگ
شکر کی جا ہے ون اپنے پھر چلے
پاؤں تھک جائیں تو اپنا سر چلے
نہ شکر اند وہ میں ہم چلے
حبِ حضرت کی پہ اسے گر چلے

گھر خوشی سے رہ خالق میں لٹانے والے
لکھ گئے اپنی کتابوں میں نبوت کی نشان
بھوک میں پیاس میں ایک ایک ہزاروں سے لڑا
حیف صد حیف رہی خود لب دریا پیاسے
آج تک نقشِ شریعت نہ مٹا پر نہ مٹا
تو بھی راہی ہو دینے کی طرف جلد آمیر
چند صابر تھے مجھ کے گھرانے والے
علمِ موسیٰ و عیسیٰ کے زمانے والے
کیا بہادر تھے مجھ کے گھرانے والے
حشر میں چشمہ کوثر کے لٹانے والے
مٹ گئے آپ ہی جتنے تھے مٹاؤ والے
نخل کے غول چلے جاتے ہیں جانے والے

کبھی جو دیدہ دل میں فضا دینے کی
دماغ توئے حبیبِ خدا کا ہے مشتاق
خدا کی راہ جسے اہل دل سمجھتے ہیں
حسن کو بہتر تو رنگت کی حسین کو مسخ
جدا ہو دل مرے سینے سے کچھ نہیں پروا
نسیمِ خلد کو سمجھا ہوا دینے کی
ادھر بھی آئے الہی ہوا دینے کی
وہ راہِ راست ہے کھلے گی یامین کی
بہی نواسوں میں کیسی حنا دینے کی
پر آرزو نہ ہو دل سے جدا دینے کی

حضرت ہوشیار تو گنہگار ہی پہلے جنت کی طرف عرصہ محشر سے چلتے

جنت ہے درخسرو زینت مرے آگے
شاہی ہے مجھے کوچہ حضرت کی گداؤی
کہدو کہ نہ لے دوں کی خواہ مرے آگے
کیا مال ہے گنجینہ سلطان مرے آگے
صلوات سے خود چشمہ حیاں مرے آگے
لاؤ نہ مرا نامہ عصیاں مرے آگے
یہجا و حضورِ شہرِ ذیجاہ فرشتو

ناجی ہو کیوں نہ حشر میں امت رسول کی
جائے عجب نہیں جو بہا انگلیوں سے آب
حضرت نے کی دعا تو خدا نے قبول کی
بحرِ کرم تھی ذات جناب رسول کی
ایک ایک برگِ نخل کی ایک ایک ٹھول کی
حاجت نہیں ہے مدحتِ فالامحل کی
وہ ابرِ رحمت کہ طراوت اُسی سے ہے
کافی ہے یہ ثنا کہ حبیبِ خدا تھے وہ

آتے تھے یوں ملا کہ حضرت کے سامنے
قطرہ ہے بحرِ آب کی ہمت کے سامنے
جیسے فقیر صاحبِ دولت کے سامنے
ذرہ ہے مہرِ مہرِ مروت کے سامنے
نکس نہیں رکوں میں مینے کو راہ بس
اندھا کیا ہے شوق میں دریا ہو یا کنواں
ہر خند سیکڑوں ہوں قیامت کے سامنے
کچھ سوچتا نہیں ہے محبت کی لہر میں ناظر

یا دُشمن میں جو کوئی رات گزر جا سکی
ویر ہوئی ہی زیارت میں نہ لہتا ہے یہ دل
بہت اہلِ مری اوقات گنہگار کی
عمر اسی طرح سے یہاں گزر جا سکی

ہوگا اللہ کا فرمان بھی موافق اس کے آپ کے ذہن میں جو بات گزر جائیگی

سوے تیر بے بنکے ہم زائر چلے شکر کی جا ہے دن اپنے پیر چلے
راہِ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق پاؤں تھک جائیں تو اپنا سر پہنچے
یارِ سوا اللہ جلدی آئیے لشکرِ اندوہ میں ہم سر پہنچے
نخلِ دل میں تھے گناہوں کے جوہر گر حبِ حضرت کی ہوا سے گر چلے

گھر خوشی سے رہِ خالق میں لٹانے والے چند صابر تھے محمدؐ کے گھرانے والے
لکھ گئے اپنی کتابوں میں نبوتِ کریمان عطا ہوئی و عیسیٰ کے زمانے والے
بھوک میں پیاس میں ایک ایک ہزاروں سے لڑا کیا بہادر تھے محمدؐ کے گھرانے والے
حیف صد حیف رہی خود لبِ دریا پیاسے حشر میں حشر کو تر کے لٹانے والے
آج تک نقشِ شریعت نہ مٹا پر نہ مٹا مٹ گئے آپؐ ہی جتنے تھے مٹانے والے
تو بھی راہی ہو دینے کی طرف جلد امیر نخل کے غول چلے جاتے ہیں جانے والے

کبھی جو دیدہ دل میں فضا دینے کی نسیمِ خلد کو سمجھا ہوا دینے کی
دماغِ بُوکے حبیبِ خدا کا ہے مشتاق ادھر بھی آئے الٰہی ہوا دینے کی
خدا کی راہ جسے اہلِ دل سمجھتے ہیں وہ راہِ راست ہے کھمکے کی یاد دینے کی
حسن کو سبز تو رنگت کی حسین کو سرخ نبیؐ نو اسوں میں کیسی حسنا دینے کی
جدا ہوا دل مرے سینے سے کچھ نہیں پروا پر آرزو نہ ہو دل سے جدا دینے کی

مقدم آپ کا ہے نور سارے عالم پر
نہوئی ہے عرش سے پہلے بنادینہ کی
کمال ہند میں دل تنگ ہو رہا ہے امیر
دکھا دے سمت اسے یا خدا دینے کی

جو دینے سے رو ملکِ مہم لیتا ہے
گھر سے چلتا ہے دینے کی طرف جو زائر
کب ٹہرتا ہے کہیں خلد میں دم لیتا ہے
ہر قدم بڑھکے ثواب اس کے قدم لیتا ہے
طے ہو کس طرح سے میدانِ صفتِ حضرت کا
ٹھو کریں راہ میں رہو راہِ قلم لیتا ہے

بن آئی تیری شفاعت سے رو سیا ہوئی
ثوابِ جملہ عبادت کا ہے زیارت میں
یہ ایک راہ ہے اے دل ہزار راہوں کی
نہیں ہے گرو نواحِ مدینہِ نخلستان
کے فرد داخلِ دفتر ہوئی گناہوں کی
ذرا جی شہم کرم ہو تو لے اڑیں حریں
یہ ایک راہ ہے اے دل ہزار راہوں کی
نظارہ کر کے رخِ پاک کا جو بھرتی ہیں
بلائیں لیتی ہیں آنکھیں غری گناہوں کی
فرستے کرتے ہیں دایانِ مزلِفِ حور سے صفا
جو گڑ بڑتی ہے اُس روضے پر نگاہوں کی
کھلینگی خشنیں من جب گھڑیاں گناہوں کی
کرے گی اس کے شفاعت تیری خریداری

فرمان ہو تو بولے مٹھی میں نگر نگرے
سچ ہے کہ تھے دلاور اصحابِ شاہ کیا کیا
ایما ہوا تو دوڑے اشجار کیسے کیسے
لے لیتے تھے مولِ جنتِ سر نیچے تھے اپنا
الحق کہ تھے بہادر انصار کیسے کیسے
غازی جبری مجاہد دیندار کیسے کیسے

پڑھتے ہیں پانچ وقت نمازیں جو اہل دین
بجھتی ہے پانچ وقت یہ نوبت رسول کی
مفتاح بابِ خلد جسے کہتے ہیں امیر
آفت رسول کی ہو وہ آفت رسول کی

وہ بزمِ خاص جو دربارِ عام ہو جائے
امید ہے کہ ہمارا سلام ہو جائے
ادھر بھی اک نگرِ لطفِ عام ہو جائے
کہ عاشقوں میں ہمارا بھی نام ہو جائے
ترے ظلم کی شوکت جو دیکھے محمود
ابھی ایاز کی صورت غلام ہو جائے
میں قائل آپ کے روضے کا ہوں قائلِ طور
کیسے سے نہ کسی دن کلام ہو جائے
مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
ثناے زلفِ رخ شاہ کا ہے شوق ایسا
کہ بیٹھوں صبح سے لکھنے تو نام ہو جائے
شکستہ لاکھ ہودل بادہ ولا نہ گرے
یہ شیشہ ٹوٹ بھی جا تو جام ہو جائے
بلاؤ جلد مدینے میں ہے امیر کو خوف
کہیں نہ عمر دروزہ تمام ہو جائے

لحد میں ہو کوسرائے گناہ کیا ہوگی
وہ ناخدا ہے تو کشتی تباہ کیا ہوگی
مقابل آپ کے یوسف کو کون پوچھیکا
کنارِ بحرِ رواں قدرِ چاہ کیا ہوگی
جو روئے میں غمِ شام میں گناہ سے پاک
برس چکی ہے جو بدلی سیاہ کیا ہوگی
بغیر شوقِ زیارت نصیب ہوتی ہو کب
نہ پیاس ہوگی تو پانی کی چاہ کیا ہوگی

زبانِ ہر مہینِ خشک ایسی ہنس طاقتِ حکم کی
بہین بھی کوئی ساغیر میر کو ترخیر ہو خم کی
پسند آتا ہر کتنا مسکرا نہ غچہ گلِ سکا
شباہتِ دل کو یاد آتی ہر حضرت کیے تبسم کی

زبے رحمت جو گرمی اہر محشر کی ہوئی تھا
سب سے کاروں کے سر پر چھا گئی بدلی ترم کی
کہ ورتا امنوں کو پاک دامن جلدش لب سے
ادھر بھی موج آجائے کوئی رحمت کی قلم کی
جو حضرت ناخدا ہیں بحر طوقاں خیر محشر میں
آئیں اپنے سینے کو نہیں دشت تلاطم کی

دست پر اجل ائے کاش میسر ہوتی
میری تربت بھی شہیدی کے برابر ہوتی
تھی جواب برق سر طور نائش منظور
آکے قندیل درِ روضہ اطہر ہوتی
راستہ کون دینے کا بتاتا مجھ کو
تپش دل نہ خضر بن کے جو رہبر ہوتی
سے ترے یہ زین پاک کی حسرت اس کو
در نہ کیوں کہت کل جامو سے باہر ہوتی
مگر مجھ کو نکیرین سے در پیش ہے آج
آکے شریف جولائے تو ہم سر ہوتی

یا خدا جسم میں جب تک کہ مری جان رہے
تجھ پہ صد ترے محبوب پہ قربان رہے
شامیانہ پر جبریل کا ہو تربت پر
کشتہ عشق محمد کی یہ پہچان رہے
دین و دنیا میں جو پایا وہ وہیں سے پایا
ہم تو جس گھر میں ہے آپ کے جہان رہے
ماغز فناک سے مقصود تھا یہ حضرت کا
بے خبر اپنی حقیقت سے نہ انسان رہے
نایامدی سے بچانا مرے دل کو یاب
وصل ممکن نہیں تو وصل کا ارمان رہے
کچھ رہی نہ رہی پر یہ دعا ہے کہ آئیں
نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

لے کے جنت سے خبر باد بہاری آئی
سو توفیق کو حضرت کی سواری آئی
پر رہہ رحم میں اسے برق تجلی ہو ظہور
دور ہوئی گا گیا اب مری باری آئی

واہ کیا شانِ کرمِ ہر جو میں ویاد م نزع مسکراتی ہوئی تصویر تمہاری آئی

یوں مدینے سے نسیم سحری آتی ہے ناز کرتی ہوئی جس طرح بری آتی ہے
غش جو آجائے گا کس طرح میں دیکھو نگاہِ مال لیجئے جلد خبر بے خبری آتی ہے

بہار آئی ہو گل بھولے ہیں بادل گھر کو آیا ہے مدینے کا چمن اس وقت آنکھوں میں سما یا ہے
حقیقت پوچھ لی مجھ سے کوئی فردوس طبعی کی رخِ احمد کا پر تو ہے قدِ احمد کا سایا ہے

عجب سستی مدینہ ہے جہاں رحمت برستی ہے زیارت کو ہماری رُوح مدت سے ترکستی ہے
تصویریں تصویر مجھ گرد پھرتے ہیں ہماری بُت پرستی درحقیقت حق پرستی ہے
پری کو جو رکھ دیکھیں یہ یاد دیکھنے والے کن آنکھوں میں یہ غوغا ہی کن آنکھوں میں سستی ہے
مرہ ہر زندگی کا یاد محبوب الہی میں جو غفلت میں بسر ہو سکتے بدردہ دستی ہے
دو عالم کی حقیقت کیا ہے جنسِ عشق کے آگے عجب نعمت ہے جز قیمت کو ہاتھ آجائی سستی ہے
مدینے کو امیر اب ہند سے چل چو نکا و غافل یہ کیسی نیند سوتا ہے یہ کیسی تیر می سستی ہے

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے
کثرتِ جرم سے ایسا ہونہیں مجھ پر نادوم توبہ کرتے ہوئے بھی مجھ کو حیا آتی ہے
شمع پر روضہ اقدس کی جو گرتے ہیں تپنگ پر جبریل کی کانوں میں صدا آتی ہے
خاک چھائیں تو رہِ عشق نبیؐ میں چھائیں دڑے دڑے سے یہاں بوِ وفا آتی ہے

یا اُنڈاتی ہوئی قبلے سے گھٹا آتی ہے
 اس گستا میں دے پاؤں صبا آتی ہے
 فانی خُلق کی درجنت سرِ صدا آتی ہے
 حور آتی ہے الہی کہ قضا آتی ہے
 پس کہ جب سامنے آنکھوں کو خفا آتی ہے
 پھول دامن میں بھرے باد صبا آتی ہے

غم اُٹھیں سرے دل نکلتا ہے دھواں
 روضہ پاک میں سب ضبطِ نفس کرتے ہیں
 آپ کے عشق میں مرنا بھی عجب دولت ہے
 موت کو دیکھ کے کہتا ہے دسیے میں میرِ نص
 خونِ ناحق شہد اکا مجھے یاد آتا ہے
 جب میں جاتا ہوں تو اس روضہ اقدس سے ایمر

حبیب خاص محبوبِ خدا کی آمد آمد ہے
 کہ خوش ہو شافعِ روزِ جزا کی آمد آمد ہے
 مینگلی ظلمتیں شمعِ ہدا کی آمد آمد ہے
 چمن میں دھوم ہے بادِ صبا کی آمد آمد ہے
 اب آنکے دن پھرینگے رہنما کی آمد آمد ہے
 یہاں خیر البشر خیر الہی کی آمد آمد ہے
 جہاں روشن ہے نورِ کبریا کی آمد آمد ہے
 مبارک ہوشِ عقدہ کشا کی آمد آمد ہے
 اسی شمس الضحیٰ بدر اللہجے کی آمد آمد ہے
 کہ اہل اقتدا میں مقتدی کی آمد آمد ہے
 جفا جاتی ہے دنیا سے وفا کی آمد آمد ہے
 کہ یاں سرتا قدم شرم و حیا کی آمد آمد ہے

زیرِ رحمت کہ ختمِ انبیا کی آمد آمد ہے
 ملائک شہرہ دیے ہیں گنگھارِ ان امت کو
 زمانہ تیرہ و تاریک تھا اب روشنی ہوگی
 بہارِ ایمانی گل پھولینگے بلبلِ چھپائی ہوئے
 بھٹکتے بھرتے تھے جو فاقے راتوں کو رہیں
 عدم کی راہ لیں کہد و فساد و فتنہ و شر سے
 زمین و آسمان سے متصل ہے نور کی بارش
 ازل سے تابد ہو جائینگے حل جتنے عقدہ ہیں
 یہ ہر وہم میں جسے فرس یا انداز کے ٹکڑے
 عبادت کی جماعت کی مڑوٹھیں گے جی بھر کر
 ستم پال ہو گا دورِ عدل و داد آتا ہے
 کہ خوشی سے اب جا کر چہرِ حور و فی انکھوں

ادب آواز دیتا ہے سنبھل بیٹھو سنبھل بیٹھو
خدا دی لاکھ جانیں تو امیر اس دم کروں قربا
کہ فخر اولیا و انبیاء کی آمد آمد ہے
مری موتی مری حاجت روا کی آمد آمد ہے

گل مہتاب سے اس رُخ کا تپا ملتا ہے
روشنہ پاک بھی رتبہ میں نہیں عرش سے کم
بو تو کچھ بھی نہیں پر رنگ ذرا ملتا ہے
جو پہونچتا ہے اسے قُرب خدا ملتا ہے
زائروں کیلئے یہ جہد زیارت میں ثواب
چھانتے ہیں جو گدا خاک ترے کوچہ کی
مر بھی جائیں تو ثواب شہدا ملتا ہے
صورتِ خضر انہیں آبِ بقا ملتا ہے

یوں تو حُسنِ ابرو میں ہر تر گاہیں ہی گیسو میں ہے
ہجرِ حضرت میں یہ کافی ہے مہر کی کین کو
حُسن کا عجیب ترین گیس جادو میں ہے
آپ کی تصویر دل میں دل کے پہلو میں ہے
واہ رے خلقِ نبی بالونین بھی یہ میل جول
نر گسی آنکھوں کا تیری ہے رسیلا پن کہاں
ہی وہی تو وجہ جو پیوستگی ابرو میں ہے
بلک فقط شوخی ہی شوخی دیدہ آہو میں ہے

دو عالم کے سرتاج افندو والے
یہ عالم ہے داغِ جدائی سے دل کا
مجھے اب تو قدموں میں اپنی پڑا لے
پڑے ہیں مجھے اپنے جینے کے لالے
کھٹک سی کھٹک ہر تپک سی تپک ہے
کھیں مجھ کو ٹھنڈا نہ کر دیں جلا کر
نکیرین آنکھیں دکھانے نہ پائیں
دھڑکتا ہے دل ہجر کی دشمنی سے
یہ بیدر دایسا نہو مار ڈالے

میری جان نکلے تو قدموں پہ تیرے
خدا یہ بھی ارمان میرا نکالے
کہیں دفن ہوں عاشقانِ محمد
مگر سب دینے کو نہیں جانے والے
رسولِ خدا سے جدائی ہے آفت
خدا یہ مصیبت کسی پر نہ ڈالے
میری روح نکلے بدن سے تو حویریں
کھڑی ہوں درِ خلدیر منہ نکالے
جدائی کے صدمے ضعیفی کا عالم
کہاں تک امیر اپنے دلوں کو سنبھالے

حلم تھا حضرت کی گھٹی میں پڑا
تہیں حلیمؑ نام دائی آپ کی
اک جھلک پر دین و دنیا سب بھار
دونوں عالم روغنائی آپ کی
شوق نے برسوں مجھے تڑپا لیا۔
تب کہیں صورت دکھائی آپ کی
سو نگہنے والے جو پڑھے ہیں درود
بو کہاں پھولوں نے پائی آپ کی

خلق سمجھی ہے جسے سایہ ابرِ رحمت
ہے وہ اک گوشہ دامنِ رسولِ عربی
مہر و مہ ارض سما جو ملک جن و بشر
ہیں یہ سب تابع فرمانِ رسولِ عربی
واہ کیا نوکِ پلک ہو کہ جب آنی دل میں
رگِ جان تنگیِ مشرکانِ رسولِ عربی
آبِ تاب اور بڑھی جنگِ احد میں انکی
ذرعِ سلطان ہوئے زندانِ رسولِ عربی
نعرہ یا ساقی کو ترکا جہاں سنتے ہیں
لوٹنے لگتے ہیں ستانِ رسولِ عربی
حشر میں نامہ اعمال ہوں جس دم تقسیم
ہو مرے ہاتھ میں دامنِ رسولِ عربی

خلفے میں رسولوں کے وہ ماہِ مدنی ہے
کیا چاند کی تنویر ستاروں میں جھپی ہے

کہدے مہرے عیسیٰ سے مدینہ میں کوئی
 محبوب کو بے دیکھے ہوئے لوٹ رہی ہیں
 گھر سے کہیں اچھا ہے مدینے کا مسافر
 معراج میں جوروں نے جو دیکھا تو یہ بولیں
 اک عمر سے جلتا ہے مگر جل نہیں چکتا
 عشاق سے پوچھے نہ گئے حشر میں حال
 یاد احمد مختار کی ہے کتبہ دل میں
 کہتا ہے مسافر سے یہ ہر نخل مدینہ
 اللہ کے محبوب سے ہی عشق کا دعویٰ
 کیوں شمع نے روضے میں تنگنوں کو حلا یا
 جو داغ ہو دل میں وہ مدینے کا ہی اک پھول
 آنکھوں سے چمکتا ہے میری رنگاویسی
 میں اسکے غلاموں نہیں ہوں جو سب کا ہر آقا
 اعدائے جہاں مانگی ان رک گئی چل کر
 مقتل پہ چپن نفش پہ عور و نکاح ہے مجمع
 پہونچی ہیں کہان آہن اولیس قرنی کی
 کچھ ملج پڑھوں روضہ پر نور پہ جل کر

اب جاں پہ بیمار محبت کی بنی ہے
 عشاق میں کیا رنگاویس قرنی ہے
 یاں صبح وطن شام غریب الوطنی ہے
 کس نوک پلک کا یہ جوان مدنی ہے
 کس شمع کا پروانہ اولیس قرنی ہے
 کیا بگڑی ہوئی بات محبت میں بنی ہے
 مکے میں عیاں جلوہ ماہ مدنی ہے
 آرام ذرا یلو یہاں چھاؤں گھنی ہے
 بندوں کا بھی کیا حوصلہ اللہ غنی ہے
 گلگیر سے کہدو کہ یہ گردن زدنی ہے
 جو سانس ہے میری وہ نسیم مدنی ہے
 جو تخت جگر ہے وہ حقیقی یمنی ہے
 سر دارِ رسل سید کی مدنی ہے
 شمشیر حسینی میں بھی خلق حسنی ہے
 کیا رنگ میں ڈوبی مری خونین کفنی ہے
 باغوں میں مدینے کے ہواے یمنی ہے
 یہ بات امیرا تو میرے دل میں ٹھنی ہے

بدن پر خاک پا جب سے ملی ہے مری رگ رگ مدینے کی گلی ہے

یہ ڈالی ٹوٹ کر پھولی پھلی ہے
تسے روضہ میں جو شب بھر جلی ہے
تو کیا کیا رشک سے بجلی جلی ہے
بھی تو اس جن میں اک کلی ہے
نہال عشق کی پہلی کلی ہے
وہ خاکِ آستان شاید ملی ہے
کہ محضی خونِ اعدا کی ملی ہے
غزل یہ خوب ہی پھولی پھلی ہے

سُردن مدینے کو گئی روح
وہ در پردہ ممدول ہے نہیں شمع
بک دیکھی ہے جب سے درِ دل کی
بل شیدا کے اُچھڑی تو ہے دل
پسند آنا خدا کو حسنِ احمد
جبینِ ماہ میں ہے یہ چمک کیوں
عجب مشتوق ہے شمشیرِ حضرت
امیر اشعارِ نعمت اور ایسے رنگیں

مصور کو تیرے ہزار آفریں ہے
جو دنیا کے پردے پہ خلدِ بریں ہے
حرم میں تھیں یادیر میں تھیں جہاں تھیں
یہ کس کے در فیض پر جبہ سا ہوں
زسے شانِ دیوانگانِ محمد
ادھر رقص کرتا ہے اُس پہ سجدہ
ستارے ہوئے نور سے جسکے پیدا
خدا کی ہے قدرت مزارِ مقدس
امیر اب ہو ذکرِ خدا و محمد

کہ تصویر بھی تیری ناز آفریں ہے
تو کے مدینے کی وہ سر زمیں ہے
اُسی آستانے پہ میری جہیں ہے
کہ اب لوحِ محفوظ میری جہیں ہے
گریباں ہے ٹکڑے بٹھی آئین ہے
ادھر اپنی قسمت پہ نازاں جہیں ہے
خدا جانے وہ ماہ کیسا جہیں ہے
اسی گھیر میں خورشید سایہ نشیں ہے
وہ کہفِ مٹیں ہے یہ حصنِ حصیں ہے

روشن باغ جناب کی کیا بھلی معلوم ہوتی ہے ✓
تصویریں وہ صورت کیا بھلی معلوم ہوتی ہے
ملا کر دیکھتا ہوں جب تمہاری رو روشن ہے
جہاں دل ٹوٹتا ہے در و سر باقی نہیں رہتا
مدینے کی فضا کے سامنے وسعتِ دو عالم کی
مدینے کو ہو پختہ بہارِ آرزو دیکھو
بہارِ ہر دو عالم اس گلِ رخسار کے آگے
ولا ایسی ہی غالب جب کسی کی بات سننا ہو
زہرِ حب علی ہر باغ میں مجھ کو ہر اک پتی
امیر اس حسن کی کلیاں میں شاخِ نخل شیریں

✓ مجھے تو یہ مدینے کی گلی معلوم ہوتی ہے
کوئی تصویر سا بچے کی ڈھلی معلوم ہوتی ہے
تو صورت چاند کی بھی سانوی معلوم ہوتی ہے
زیرِ مٹنے کی ساری صندلی معلوم ہوتی ہے
بہت ہی تنگ تاریک اک گلی معلوم ہوتی ہے
یہ ڈالی آج کیا پھولی پھلی معلوم ہوتی ہے
مری آنکھوں میں چھوٹی سی گلی معلوم ہوتی ہے
ہرے کانوں کو آوازِ علی معلوم ہوتی ہے
خطِ گلزار میں نادر علی معلوم ہوتی ہے
گلے میں رکے چمپا گلی معلوم ہوتی ہے

یہ دنیا میں غفلت ہوئی ہوتے ہوتے
فنائے بقا کا تماشا دکھایا ✓
جگانے میں کی شورِ محشر نے جلدی
سیاہی گناہوں کی دل سے نہ چھوٹی
ریاضت کا مٹی سی دنیا میں بھی پھل
سلا دیتی ہے ہاں پھر مجھ کو قسمت

✓ کہ دنِ عمر کا ڈھل گیا سوتے سوتے
اُسے یاد آئے آپ کو کھوتے کھوتے
لگی تھی ذرا آنکھ ابھی روتے روتے
تھکے دیدہ تر مرے دعوتے دعوتے
یہ کیا تھا ابھی آتی ہے بولتے بولتے
امیر آنکھ کھلتی ہے جب موتی سوتے

لشتی مری تباہ ہی پارے خدا لگے ✓ ایسی ہوا چلے کے مدینے کو جا لگے

ہو عرش پر دماغ مری مشت خاک کا
لیجا اسلام امیر کار و صفیہ شاہ کے
دامن کی آپ کے جو ذرا بھی ہوا لگے
لیکن زمین پر نہ قدم اسے صبا لگے

حشر میں نین عمل کا مجھے گھسکا کیا ہے
آنکھ جب عارضِ روشن کی ٹانگرتی ہے
بے حجابانہ اٹھا دو رخ روشن سے نقاب
میں تو کہتا ہوں کہ پرکریں احمد کے احد
ہند سے مجھ کو مدین میں بلا لیں سرکار
وجد میں ہرگز زیارت ہوئی روضے کی نصیب
دیکھ کر کہتے ہیں روضہ کی جھلک جو ملک
دیر سے امت مرحومہ کھڑی روتی ہے
گر می حن سے رخسار کی بھیلی ہے جھک
در داٹھ اٹھ کے مرے دل کو یہ سمجھاتا ہے
نقل اس مہر نبوت کی یہ باتھ آئی ہے
دل حسرت زدہ کو ہے تو یہ حسرت بانی
آپ عکسی ہیں میں بیار جو چاہیں کو کریں
خاص طہوس اولیس قرنی نے پایا
اگر نہ نرمان محمد کا اگر دھیان نہیں
میری شہرت کا سبب تیجِ پیمبر امیر

احمد پاک ہیں پلے پہ تو پر واکیا ہے
دل یہ کہتا ہے کہ تو غلط بھی دیکھا کیا ہے
دل میں جب آئے تو پھر آنکھ سرور کیا ہے
اور ہم بھی جو نہیں تو پھر اجا کیا ہے
پھر یہ میں عرض کرونگا کہ تمنا کیا ہے
لوٹتا ہے دل متیاب تر تپا کیا ہے
فرش پر عرش اتر آیا ہر نقیشت کیا ہے
اب شفاعت میں توقف سرور کیا ہے
عطرے خلد کے بھولوں کا پینا کیا ہے
جل بدینے کو چلیں نہ دیں کہا کیا ہے
بوچھو موسیٰ سے حقیقت یہ دیکھا کیا ہے
بوچھ لیں آپ کبھی تیری تمنا کیا ہے
میں سمجھتا نہیں حق میں مری اچھا کیا ہے
دین اشد کی ہے اس میں اجا کیا ہے
پھر یہ رہ رہ کے کلیجے میں کھٹکتا کیا ہے
ورنہ ارباب سخن میں سر اترتا کیا ہے

دامن میں تر و گل بھی نہیں جنت کی خبر بھی ✓
 ناسوت سے لاہوت تلک نور ہے تیرا
 آرام نہ گھر میں ہے نہ توشہ ہے سہل نہیں ✓
 ٹکراتا ہوں فرقت میں تیری سر جو ٹر بکر
 دنیا سے تعلق کو تراشوق مٹا دے
 نازک بھی بہت نزع کا وقت ای میری مولا
 دنیا سے جو میں جاؤں تو یار صفتِ حور

او مالکِ فردوس بریں کچھ تو ادھر بھی
 ہے ایک ہی جلوہ کہ ادھر بھی ہے ادھر بھی
 دشوار اقامت بھی ہر شکل ہے سفر بھی
 دیوار بھی روتی ہے سرے حالِ در بھی
 یہ کیا ہے توجہ کہ ادھر بھی ہے ادھر بھی
 ہے پیغمبری لیجئے اب میری خبر بھی
 کھولے ہوئے آنکھیں ہو فردوس کا در بھی

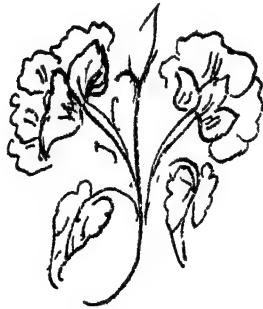
ترا کرم جو شہِ ذی وقار ہو جائے
 ہوائے عشق سے دوفی بہار ہو جائے
 یہ آرزو ہے کہ ہر عضو عشقِ احمد میں
 بہت ہی پیاری ہی نوک ان کو تیرا کمانی ✓
 یہاں تک اس گلِ رخسار کا تصور ہو
 بڑھے جو رحم ترا سوسے امتِ عالمی
 پلا دو خواب ہی میں آ کے شہرت دیدار
 جو دیکھ پائے گلِ داغہائے عشقِ رسول
 ادب جو روضہ پر نور کا اجازت دے
 اٹھا دو محفلِ میلاد میں جو رخ سے نقاب
 غبار بھی جو دینے کی راہ سے اٹھے

گدائے خاک نشیں تاجدار ہو جائے
 جگر بھی دل کی طرح داغدار ہو جائے
 تڑپ تڑپ کے دل بیقرار ہو جائے
 خدا کرے یہ کلمے کے پار ہو جائے ✓
 ہر ایک سانسِ نسیم بہار ہو جائے
 شہرِ رحمت پروردگار ہو جائے
 یونہی علاجِ دل بیقرار ہو جائے
 گلے کا ہر نسیم بہار ہو جائے
 اتر کے چاند چرخِ مزار ہو جائے
 نثارِ شمع بھی پروانہ وار ہو جائے
 تیرا بر رحمت پروردگار ہو جائے

ہوائے عشق نے رنگ لاکیری ہیں کہلے یہ گل کہ خزاں میں بہار ہو جا کے
 یہ عشق جلیب میں ڈوبے ہوئے اشعار درحقیقت چمنستانِ فردوس کے
 پھول ہیں جن کے رنگ و بو پر انسان کیا فرشتے بھی وجد کرتے ہونگے -
 بلب سدوس ان گہمائے نعت کی قدر و منزلت پوچھنا چاہئے جو خود بھی مدح رسول
 میں امیر کے ہم نوا ہیں

زبانِ اردو کا باکمال شاعر جو تغزل و قصاید وغیرہ میں علمِ استادِ بلند
 کرے اور پھر نعت گوئی میں ایسا چمن بے نظیر کھلائے جو سوا حضرت امیر کے
 کوئی اور نظر نہیں آتا -

اب غزلیات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے - ہزار ہا شعرا انتخابِ انتخاب پیش کئے
 جا چکے ہیں ناظرین خود ہی اس کا اندازہ کر لیں گے کہ امیر کی گویائی
 کس پایہ کی تھی -



قصائد

تمام اصناف سخن میں قصیدے کا مرتبہ اعلیٰ مانا گیا ہے اس کے لئے بڑی قوت اور استعداد اور تخیل بلند رکا رہے۔ قصیدہ ہر شاعر نہیں کہہ سکتا۔ امیر کی قصیدہ گوئی اور بھی حیرت انگیز ہے جب ان کے تغزل کا رنگ پیش نظر ہوتا ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ صرف غزل گوئی کے استادِ کامل ہیں اور جس وقت ان کے قصائد پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی صنف میں انھوں نے عمر بھر شاعری کی ہے اور کمال پیدا کیا ہے۔ فارسی میں خاقانی اور عربی کے قصائد جو بلندی رکھتے ہیں اور اردو میں سودا اور ذوق کا جو پایہ ہے وہ سب اوصاف امیر کے قصائد میں ماضی زائد موجود ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ شوکت اور رفعت کے ساتھ نزاکت و لطافت اس غضب کی ہے کہ ایک ایک شعر پر دل لوٹ جاتا ہے۔ تغزل میں ایسی لذت کیا ہوگی اور یہ بال نرالی بات ہے کیونکہ معنائے و بدائع و شوکت و رفعت کے ساتھ کلام کا لطیف و لذیذ ہونا بہت دشوار ہے۔ صرف ایک ہی قصیدے پر نظر ڈالنے سے امیر کے پایہ استاد کی کاثبت ہو جاتا ہے۔ انھوں نے دو چار قصیدوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بہت سے قصائد کہے ہیں۔ ایک سے ایک جید اور معرکہ آرا ہے اور اکثر کی زمینیں بہت سنگلاخ ہیں۔

میں پہلے نعتیہ قصائد کے اشعار پیش کرتا ہوں۔ نعت شریف و منقبت میں کئی قصائد کہے ہیں ہر ایک زیر و مست ہے اور ہر شعر درود پڑھنے کے قابل ہے۔ ”آد کا خوشامد“ کی زمین میں سب سے پہلے شہیدی گئے قصیدہ کہا اور وہ بہت

مقبول ہوا۔ اس کے بعد جناب تحسن کا کوہی مرحوم نے بہت زور لگاکے نعت گوئی
کی۔ بعد ازاں امیر نے طبع آزمائی فرمائی۔ اگرچہ ان دو قصیدوں کے بعد اس زمین
میں گنجائش کہاں تھی مگر اس پر بھی امیر کی طبع خواہش نے اپنے حصہ کے گوہر شہوار
نکال ہی لئے اور نہ صرف قصیدے پر اکتفا کی بلکہ ایک دو غزل بھی نہایت نادر کہا جو دیوان
میں موجود ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں امیر نے اپنی قوت فکر یہ کے جوہر دکھا دے
ہیں۔ پوری تشبیب بوجہ طوالت اس جگہ نہیں لی گئی۔

قصیدہ نعتیہ

تفکر امتیاز جان و جانان میں کیا حد کا	عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت متقا کا
نفختہ خبہ من روحی کے معنی سے ہوا آتا	خزانہ ہے محیط اس چشمہ روح مجسّر کا
گیا شبہ سمجھ میں آئے خبسل الوریہ آیا	رگ گردن مقام خاص ہے محبوب سرمد کا
سمٹنا نکاح جو بھڑکا تھا وہی تھا سوچ کا بڑبنا	کھلیں آنکھیں تو عالم ایکے یکھا جزر کا مد کا
سو اجیرت کے کیا ہے فکر تہ کنبہ حقیقت میں	یہ وہ گھر ہے کہ جس میں بند دروازہ ہی مقصد کا
کلید فہم دندان طبع کیا تیز کرتی ہے	کبھی ممکن نہیں ہے کھولنا اس قفل اسجد کا
لحاظ ضبط معنی چاہئے مشتاق معنی کو	جدا کرنا ہے ہمایا لفظ میں حرف مشدّد کا
نہ کیوں سوئے مقدم ہو رجوع دل ہو خرکی	کہ مرکز ہے ہر اک مسند الیہ اسناد مسند کا
کہہ عشاق احمد سے کہ انیں اس کے سننے کو	قصیدہ اک نیا پڑھتا ہوں میں نعت محمد کا

مطلع

الف آدم میں ہے محدود احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ وہاں سائے تھیاں سایہ نہ تھا قدا

بلاؤں سے بچے جزا نام لے دل سے محمد کا
جوانکھیں ہوں تو نام پاک سے پیدا ہے یکتا
شروع دفتر اسکاں میں بسم اللہ کے بدلے
فلک پر ہوں نہ کیونکر دیدہ شمس و قمر روشن
کئی اُس سے نہیں کی میں نے بھی توصیفِ حضرت
اثر میم شدہ میں ہے ذوالقرنین کی سدا
کہ آغوشِ احد میں جلوہ گر ہے میسم احمد کا
قلم نے نام لکھا لوح پر پہلے محنت کا
لکھایا کرتے ہیں آنکھوں میں سرمہ خالکِ مرقد کا
شہیدی گو کہ موجد ہے اس آئینِ مجدد کا

مطلع

ظہورِ آخر ہے اولِ انبیا سے نور احمد کا
ابھی آئے وہ جھونکا ہواے شوق بے حد کا
چلے جس سبز میں پراسکو کعبے کی بزرگی دی
دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لائق
وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلِ خدا حضرت
نبی سب مجمعِ اعجاز کب تھے مثلِ حضرت کے
وہی توجہ رخِ اختر ہے جو روزِ خلقت آدم
نسکونت کی جگہ درکارِ نوحلوں کی تھی اُن کو
غش آجائے جو موسیٰ اس تجلی زار کو بھیں
ہوے ہیں جمع اسکاں قدم ذاتِ مقدس میں
رہائی پائی قیدِ بطنِ ماہی سے جو یونس نے
اصولِ خمسہ اسلام جو مشہور ہیں پانچوں
شکم پر رنگِ اسود اور فاتے سے شکم خالی

بجا ہے گر لقب ہو اولِ آخر محمد کا
اڑا لہجے دکھلا دے مجھے روضہ محمد کا
شرفِ ہر نگہ ہے نقشبِ با سے رنگِ سود کا
خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا
جد اگر نا بہت دشوار تھا حرفِ شدہ کا
ماتھا اُن کو تو ایک ایک پارہ اس جلد کا
گرا تھا باجِ نورانی سے آویزہ زمرہ کا
یہی باعث ہوا بنیادِ نہ طاقِ زبرجد کا
چراغِ طور ہے رخسارِ کس روضے کے گنبد کا
محل میں ہی مطلب تھے ہے میسم شدہ کا
اشارہ یہ بھی تھا کہ نونِ ابرو سے محمد کا
محسّس آپ کے دیوانِ ارشادِ منوکہ کا
ہو اثابت کہ کعبہ بھی مستند ہے محمد کا

کہا جو کچھ کہہ سنا تھا سنا تھا وہی قائل وہی سامع سماں آواز گنبد
گئے حضرت پھر حضرت مٹی گری تیر کی قدم تھا ایک ہی گویا در آمد کا برآمد کا
زیارت کو چلوں یا رب سے غل میں ہے غلام آیا محمد کا غلام آیا محمد کا
اس قصیدے میں مع تیشیب (۱۲۸) ختم ہیں۔

قصیدہ نعتیہ دیگر

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخاں پھول
کتنے ہیں سرخ و سبز تو کتنے سپید و زرد
انجم تے ہیں چمک میں سو کچھ عجب نہیں
پائے جواون انہ پر کرے زر گر فلک
آرہن چمن میں ہے کیا شکر بہار
بخشنی خدا نے جو شرف صفا سے وہ برق برق
سیمین تاراں چرخ جو چاہیں معاوضہ
وہ نشہ سرور کہ ہمیشہ وقت میں
توڑے سے زرد کے کم نہیں ہر گلبن چمن
نیرنگ خن عشق سے خالی نہیں ہے باغ
صبا کی طرح جو بجا ہے رگوں کا بال
چھوڑیں شگوفے آپ ہی بلبل کے سامنے
کترت سے اس قدر کہ سخی باغباں ہوا
ہر گھر میں ہر کھان میں حشر میں ہیں

دکھلا رہے ہیں باغ خاں کی بہار پھول
ہر رنگ میں ہیں صنعت پروردگار پھول
پھینکیں سپر پر کلہ افتخار پھول
سیم و طلا سے شمس و قمر کے نثار پھول
کتنے پیادہ آئے ہیں کتنے سوار پھول
ایک ایک ملک حن میں ہے تاجدار پھول
بدلیں کبھی نہ پیر ہن زر نگار پھول
شبنم کو جاتے ہیں مے خورشیدگار پھول
اس میں درم ہزار تو اس میں ہزار پھول
مجنوں ہے بید لیلیٰ محفل سوار پھول
کھلیں گے عندلیب کا شاید نسکار پھول
پھر آپ ہی ہنسی سے ہوں گے افتخار پھول
دیتا ہے مفت اہل تماشا کو ہار پھول
یہ جاتی ہے اڑکے نسیم بہار پھول

گلیوں میں کچے کوچے میں چھو لاکم ہے درخ
 بلبل ہو مردہ کنج نفس میں کہ دام میں
 میں کے خریدنے کو جو مالک کوئی کہے
 آیا ہے خوب ہاتھ بہانہ ہمار کا
 گلشن ہر ایک خانہ قصاب بن گیا
 پھونچے جرباغ میں نظر آنی عجیب سیر
 جتنے درخت ہیں وہ جمائے ہوئے ہیں صاف
 پوچھی جو میں نے وجہ تو کہنے لگی نیم
 وہ لالہ رو کہ جس سے زمانے کی ہے بہار
 دیکھا نہیں ہے جسکے کئی دن سے روئے بار
 نزدیک ہے کہ در و جدائی سے ہو کے تنگ
 آئے نظر جو چہرہ حضرت تو عید ہو
 اس قصیدہ میں (۵۵) شعر ہیں۔

قصیدہ در منقبت

کیونکہ نہ کروں ملک معانی کو میں تسخیر ۱
 آئے جو تعلق پہ مری بہت عالی
 جو منہی روشن ہے وہ ہے غیرت خورشید ۲
 سرکش مری نرمی سے کبھی بڑھ نہیں سکتے
 دل صاف بان صاف سخن صاف ہے میرا ۳
 خام ہے مراد دستِ ید اللہ کی شمشیر
 دشوار نہیں قلعة افلاک کی تسخیر
 سودا نہیں کجگو جو کروں مھر کو تسخیر ۴
 لہر آب کے شعلے کے لیے بنتی ہے زنجیر
 موتی کی لڑی ہے کہ مسلسل مری تقریر ۵

طائر اتر آتے ہیں ٹھہر جاتی ہیں نہریں
 عکس آئے ہیں میرے اشارے سے ہے گویا
 جاسکتے ہیں کب اڑ کے کہیں مرغِ مضا میں
 شراب نے بیاغِ دلِ غلباں پہ جو لکھوں
 ہو صاحبِ معنی تو معانی مرے سمجھے
 خضرِ رہِ باطن ہے مری غفلتِ ظاہر
 جو بات مرے مُنہ سے نکلی جائے وہی ہے
 قلِ نیکلے زبان سے جو مری ہو قومِ عیسے
 ٹھہرے نہ قدم ایک کا میدانِ سخن میں
 مَن مَن کے مجھے گرم طبیعت ہوئے شاعر
 دیتے ہیں مزہ قدر شناسانِ سخن کو
 کہتا ہوں وہ سنتا ہوں جو اتنا دازل سے
 تھے قبضہ خسر و میں معانی کے جو کشور
 جب معصی دیر پئے تہنیت آئے
 بچارہ ہو جس کیا ہے کہیگا جو قصیدہ
 البتہ مقابل ہیں مرے عسرنی و فیضی
 لطفِ سخن تازہ کہاں اُن کے سخن میں
 روکیں جو علالت نہ رکے میری طبیعت
 میدانِ سخن جہت لئے میں نے ہزاروں

داؤدِ صفت ہے وہ مرے سخن میں تاثیر
 لبِ میرے جو ہلتے ہیں تم بول اُٹھتی ہے تصویر
 وابستہ قراک ہیں سب صورتِ پنجمیر
 دے دے دھڑک جھڑکیا ہی پئے تحریر
 ہو صاحبِ توقیر تو جانے مری تو قیر
 یوسف کی زیارت ہے مرے خواب کی تعمیر
 گویا ہوں زبانِ قلم کا نسبِ تقدیر
 واں جی اُٹھے مردہ تو یہاں لال اُٹھے تصویر
 چلجائے اگر میری زباں صورتِ شمشیر
 ذروں نے جو پائی ہے تو خورشید سے تنویر
 یہ لفظ یہ معنی ہیں جو مثلِ شکر و شیر
 ہوں صورتِ طوطی پس آئینہ تقدیر
 سب میں نے کئے تیغِ زباں کھینچے پنجمیر
 تھوڑی سی زمین ہی انھیں اس ملک میں لکیر
 ایسے تو بہت ہیں مرے گلشنِ بی عصافیر
 پر فرق ہے آتما میں جو ایں طبع ہوں پیر
 کہنے ہوں دوائیں تو بدل جاتی ہے تاثیر
 پڑتی ہے بھلا پائے نگہ میں کوئی زنجیر
 بار ہے قوی جھولتی ہے عرشِ پنجمیر

یہ عز و شرف اس کی غلامی سے ہے حاصل جو صاحبِ قبر ہے دلا جس کی ہے اکیہ

اس قصیدے میں (۸۲) شعر ہیں

ان کے علاوہ اور بھی قصائد نعت و منقبت ہیں جو دیوانِ نقیہ میں درج ہیں

اب مدحیہ قصائد ملاحظہ ہوں

قصیدہ مدحیہ مشتمل بر مناظرہ و نشو و نما

تخت کا غدیہ ہوا صدر نشین شاہِ قلم
دائے پیل کی صورت میں الف شکلِ علم
ہیں جو یہ عرصہ کا غدیہ پر حر و حرکات
یہی لشکر ہے یہی فوج یہی خیل و خدم
ہے فصاحت جو مصاحبِ بلاغت ہے نیم
دورا قرینہ و دیدہ و جبہ و حشم
منتخب ہیں جو مضامین تو معانی میں لطیف
ان فر نے جو کی کھول کے بستوں کی نشست
ہیں ہی گنج و حسنائیں و ہی نیار و دم
کبھی منصب کبھی تقسیم ہوئیں جاگیریں
گردن منشی گردوں ہوئی تسلیم کو خم
وقت دربار ہوا جمع ہوئے مجبرائی
کبھی منصب کبھی تقسیم ہوئیں جاگیریں
دقت دربار ہوا جمع ہوئے مجبرائی
سامنے آنے لگے خیر طلب ہمہ سلام
رو برو خسرو و جہاد و فلک فر کی نگاہ
ہوئی مجرے سے بخوبی جو فراغت حاصل
رو برو دستخطِ خاص کو لایا کاغذ
عرضیاں گزریں خلافت کی برائے طلب
بعد اخبار کے پرچوں کی جو نسبت آئی
کہ ملازم ہیں جو سرکار و دانش و ہم

دائے پیل کی صورت میں الف شکلِ علم
یہی لشکر ہے یہی فوج یہی خیل و خدم
دورا قرینہ و دیدہ و جبہ و حشم
ہیں ہی گنج و حسنائیں و ہی نیار و دم
گردن منشی گردوں ہوئی تسلیم کو خم
شوق نکھے گئے ہونے لگے فرمانِ قلم
عقل و فہم و خرد و ہوش و تدبیر و حکم
مرد ہا تھا جواد ب کا وہ پکارا پیہم
تا ابد سلطنتِ پشت و پناہ عالم
منہ حکم ہوئی مطلع انوارِ قدم
حکمت الدلہ جو تھا منشی باقوتِ قلم
لب ہوئے لعلِ فشان کھل گئے ابوابِ کرم
نئے مفعول کا اک پرچہ ہوا پیشِ اسدِ دم
در دولت پہ ہے ہنگامہ لڑے ہیں باہم

بحث اک بات کی دونوں میں پڑی ہے اسی
 حکم عالی یہ ہوا جلد کرو حاضر ہر دم
 حاضر ہر دم ہو سے وہ تو ہوا یہ ایسا
 عرض انشع نے کیا روزا بد تک قائم
 بندہ حاضر نے دیکھے ہیں ہزاروں ناں
 ایک ماکم ہے فلک طہ خرمند زکی
 نام ہے کلب علی خان بہادر ججہا
 علم میں ہم ہیں جو دو کرم و مہمت میں
 جس میں جج بات ہو کیونکر لے کوئی نہ کہے
 میرے لئے کو ذرا دہم نے باور نہ کیا
 کہ کمالات کا حصر ایک میں ہے ناممکن
 کیسے کیسے نہیں گزرے ہیں جہاں میں نامی
 سارے عالم میں ہے سب جان کی فصاحت شہور
 کس کو معلوم غلاطوں کی نہیں ہے حکمت
 چار سو مہمت قائم کا ہے آوازہ بلند
 توجہ کہتا ہے کہ ان سب سے بڑھ کر کوئی
 میں یہ کہتا ہوں میں محمد میں اپنے صدا
 کچھ یہ سنتا نہیں اسکا یہ باندہ ہی ہے کمر
 ہو گیا حکم کہ ہاں محکمہ بحث ہو کرم

کہ ہم گتھ گئے ہیں صورت خط تو ام
 دیکھیں کیا کتھے میں خود دونوں میں ہم گتھ حکم
 کیوں لٹے کیا سبب جنگ ہے آگاہ ہوں ہم
 یہ حکومت یہ ایالت یہ شہامت چشم
 حکمرانان زمانہ روسائے عالم
 صاحب علم و ہنر معدن اخلاق و کرم
 جس کے خدام ہیں ہم مرتبہ قیصر و جم
 بے وہ یکتائے زمانہ سراقہ کی کم
 پیش انصاف گزین حق کا چھپانا ہے ستم
 بلکہ مارا رہ انکار میں منکر نے قدم
 کارخانہ ہے خدا کا نہیں خالی عالم
 خواجگان عربستان و عناد ید عجم
 سارے آفاق میں کسریٰ کی عدالت ہے علم
 حکم نادر ہے عیاں جلوہ ناعشرت جم
 شش جہت پر ہے عیاں سب جہتیں اتر جم
 زعم باطل ہے فقط مانتے ہیں کب اسے ہم
 ہیں دلائل جو ہوں گش شنبو انگوشت اصم
 گفتگوئے طرفین کی نہیں ہو کے حکم
 ایک اک بات کا فیصلہ لاہو کہ نہم

وہم بولا کہ مجھے عدل میں پہلے ہے کلام
فی البیر یہ اُسے دانش نے دیات یہ جواب
میرے مدوح کا وہ عدل جو تھا عدلِ مہول
کفر و اسلام کے آئین میں ہے ظاہر تفریق
چپ ہوا وہم کہا خیر یہ مانا ہم نے
ہمس کے دانش نے کہا یہ بھی نہ سمجھا تو نے
وہ بھی دیتا تھا خلائق کو جو دیتا تھا خدا
بیش ازین نیست کہ دعوت میں کیا کرتا تھا
میرے مدوح کے کشور نہ خزان کی ہے حد
تسے سال تھے قبیلے میں نبی طے کے کہاں
روڈ پاتے ہیں زر و گنج ہزاروں سال
گرتے ہیں صاحب زر ہو کے غنی زر بخشی
بات معقول تھی کچھ وہم کو آیا نہ جواب
بعد کچھ دیر کے بولا کہ رہا اب یہ کلام
سکس جو اُمر دے مانا نہیں بولیا اُس کا
سن کے اس بات کو دانش کو ہو کچھ سکوت
شاہنامہ نہیں کیا تیری نظر سے گزرا
سیتاں میں تھا فقط ایک وہ کُنا م سائل
میرے مدوح کی جرات تھی بھلا اُس میں کیا

نام کسری کا ہے انصاف و عدالت میں علم
چاہے اب بھی پاتا ہے کہیں رتبہ یہ ہم
عدل کسری میں ضلالت کے طریقے منظم
چشم بنیا میں کبھی ایک نہیں نور و ظلم
کون حاتم سے زیادہ ہے ہم جو دو کرم
بادشہ تھا نہ کسی ملک کا حاکم حاتم
اس میں جتنے ہوں میرا سے دینار و درم
گو سفند و بزدیش و شتر و اسب و غنم
سب وہ حصہ ہے خلائق کا ہے جو دو کرم
جمع اس کے در دولت پہ ہے سارا عالم
ہر تہید ست ہے اب مالک دینار و درم
یہ وہ حاتم ہے کہ ہیں اس کے گدا بھی حاتم
نطق ہو نہ تو منہ کھول سکے کیا اکلم
کہ شجاعت میں یہ افضل ہے کہ افضل ستم
قابل جراتِ رستم ہے عرب تا بعجم
مین بھی سوجو د تھا بولا کہ خموشی ہے ستم
آپ کہتا ہے یہ فردوسی اعجازِ رقم
شاہنامہ جو کہا میں نے بنایا رستم
عرب سکے صغیر جاتی ہیں برہم درہم

ابن ہیں اسلحہ جنگ آگے تھے کہاں
اس پہ پڑ جائے صفِ فوجِ عدویں بھاگڑ
اس میں بھی بند ہوا دم تو لی اور ہی اہ
کی یہ تقریر کہ اچھا نہ سہی ذکر بسر و
جامِ جمشید کی پوشیدہ نہیں کیفیت
مُن کے دانش نے کہا خوب کہاں تھج کو تیز
فرخِ دم کہ دہیا ہوں سب سبب انشا ط
آپ ہی میں جو نہ ہو اُس کو ہو حال کیا خاک
اگلے لوگوں میں کہاں تھی یہ تراش اور خرا
پیرین شک چمن بو قلموں رنگ برنگ
خوبصورت وہ میں ہا میں پیش نظر
کیک دھاؤں کی رفتار تو چیتے کی کمر
رقص نہ جس سے سر اسیمہ ہو طاؤں فلک
جامِ حم سے اگر آئینہ تھا احوالِ جہاں
طرح میں وضع میں ترمیم میں ایجادوں میں
نہ چلی وہم کی اس میں بھی تو بولا مجبور
حکمِ نادر کا فلاطوں کی ہے حکمتِ باقی
کہا دانش نے کہ یہ بات بھی دشوار نہیں
وجہ ترجیح کی نادر سے تو یہ حکم میں ہے

نہ یہ تو میں نہ یہ گولے تھے نہ سیلِ نغم
سر میداں جو دکا رے صفتِ شیرِ جرم
رزم سے پھر کے دہرا زرم میں ناچار قدم
کس نے آہستہ کی ہر دم طرب صورتِ حم
جس سے تھا پیش نظر آئینہ حالِ عالم
مست ہوش کو کیا ذاکتِ ناز و نعم
مطرب و ساقی و نقل و نئے و اصوات و نغم
لذتِ سامعہ ذوالقہ و قوتِ ششم
یہ نفاستِ یزاکت یہ لطافتِ یشیم
زیور دہن میں چمکے نور کا جن میں عالم
خمِ خم زلفِ رسائے زانو و شکم
آنکھیں ہوشیخ کہ آہوئے نوازِ انِ حرم
کانِ زہرہ بھی کپڑے وہ مزا میر و نغم
راز کوئین سے آگاہ یہاں لہر دم
متاخر ہیں سرا سر قدما سے اقدم
خیر قائل ہوں پرلے فاروقِ انوار و ظلم
فرق ان کا بھی سنوں کن ہوا کون کے کم
لائقِ مدح ہے ممدوح وہ میں قائلِ نغم
وہ ہمہ ظلم و تم تھا یہ ہمہ عدل و کرم

آنکھیں کس کی نہیں نادر نے نکالی بے جرم
کس کی گردن پہ نہ نادر کی چلی تیغ جفا
اور حکمت میں غلا طوطا ہے کیا ذکر کہ وہ
یہ وہ در باکہ خم خم چرخ جہاں ایک جباب
طرفہ ملکیت کہ نبی کا بھی وہ قائل نہ ہوا
کفر و ایماں میں بٹا فرق ہے لازم ہے تمیز
جب سننے ایسے برا ہیں یہ ہوا دم کا حال
چشم الطاف سے دانش لے بھی کی اس پر نظر
یہ تو تھے تیرے سوالات کے اچھے جواب
علم میں علم میں الطاف میں دانائی میں
ہر سر شغلہ فریاد رسی و اد رسی
جتنے جس شہر سے آتے ہیں مسافر وہاں

سر نہ روشنی چشم ہے یاں خاکِ قدم
گردیں سیکڑوں احوال سے اسکے نہیں خم
بیٹھکے خم میں ہوا راہی اقلیمِ عدم
پھیل کر قطرہ نہ دریا سے کبھی ہوا عظم
دل صفا سے ہے کہاں مطلع انوارِ قدم
وہ اگر ہیبت و دوزخ ہے تو یہ سرِ دارم
خم کیا سر کوئے ددڑ کے دانش کے قدم
بہرِ تفہیم کہا سن کہ تو ہے نیک ششم
وصف مدوح جو ہیں اور وہ بگتے ہیں
ایک ہی فرد ہے کتا ہے وہ فخرِ عالم
یہاں سیکڑوں ہر شام سرِ خوانِ کرم
کیمیا کرتی ہے اُن کو نطفہ فیضِ ششم

اس قصیدے میں (۱۱۵) اشعار ہیں۔
قصیدہ دیگر

تاکجا کو تھی لے دست ہوس کر جیوٹ
جیتنا ہو جو سواران سخن سے میڈل
یہ بھی گو ہے یہی میڈل ہی منی یہی لفظ
پی گئے گو کہ می صاف سخن کو سے نوش
خم میں مینا نے میں ایسے بھی کہ ٹوٹی نہیں مہر
پردہ شرم سرخ شاہد منی سے اُلت
پھینکنا چاہتے رہو رفت کم کو سرپٹ
اسی اپنی ہے دم معرکہ پر ڈانٹ ڈپٹ
رہ گئی ساغر و مینا و سبویں تلپٹ
کھول منہ جگر کے صلمی کو لیے بجا غٹ غٹ

واقعہ سکہ رائج ہیں لیکن سلیپٹ
کچھ بھی کاٹا نہ گئی تیغ زبان بھی اچٹ
پر فصاحت سے یہ کہتے ہیں کہ حل دور ہوٹ
اول اول تو طبیعت کو مہوئی گھبراٹ
کر لیا تازہ مضامین کا علاقہ کورٹ
وہ می صاف نہیں نام کو جس میں پٹ

مطلع

آئی اک حور لقا پاس الٹ کر گھونگھٹ
ساتھ ہی چرخ پھرے لیے یہ زمانہ کروٹ
شوخ عیار غضب تھر جھلا دانت کھٹ
شرم آجائے تو انکھیں کہیں حل دور ہوٹ
کھینچ لے دلو وہ پوشاک میں خوشبو کی لپٹ
لشکر جھیرن کیجھ کے کھائے گھونگھٹ
کھینچ کر تیغ ادا جیت لے میدان جھٹ پٹ
تمریش رس حُسن میں وہ گدراہٹ
دست افشار طلا سے بھی سوار ماہٹ
توسن ناز کو پوئی سے وہ پھینکے سر پٹ
بے چھوٹے گاہ بجا لو کی طرح جائے سمٹ
ناچنے ہی کو جو سکلے تو کہاں کہاں گھونگھٹ

د و قصیدے جو سنے مصحفی و انشا کے
سخت پھر سے جو تھے قافیہ نامانوس
ذائقہ ہے تو فقط گرمی دے باکی کا
ہمت فکر نے باندھی جو کمر بہر جو آ
آخر آخر یہ مہوئی نظم کی قوت پیدا
لو سنو گوش توجہ سے ذرا نظم فصیح

شب و شبنم جونی خراب میں نیچ کرٹ
کچھ عجب فتنہ کہ اسکی جو نظر جالے پٹ
شعلہ رخسار جفا کا رقیامت آفت
رحم دکھلاے جو منہ دور سے پھر جالے نگاہ
گر پڑے جان زریور کی چمک سے بجلی
وہ نگاہیں غضب آلود وہ شرکاں کی یہ
لیکے اکھ کا جو لشکر آترائے مرتخ
پختہ کلاں سکو جو دیکھیں طبع خام کریں
طرز چھڑے کی لطافت وہ نہری گت
آپ تہ چھڑ کرے آپ ہی پھر حد سے ہر
مستی سوز بہ گروں میں کبھی دل سے ہاتھ
بہینا دل تلخ کی در پردہ اشار دینے ہیں

مانگے مانگے کھا کر کبھی عشاق کے دل
 رخ و گیسو پر مرے اتنے مسلمان ہندو
 فتنہ حشر کو دیکھے تو کہے زلف سے آنکھ
 طاق کا کل وہ بھیکتی میں کہ سر کی کوئی چوڑ
 ہاتھ چھو جائے جو گیسو کو نوکھائے یوں پیچ
 دیکھ کر ابرو سے پیوستہ یہ ہوتا تھا گماں
 جلوہ گرم دم چشم و صدف شرکاس سے یہ صاف
 پھیر کر آنکھ کہے آنکھیں نہیں گس کی بھٹی
 چوری چوری چمن رخ میں جہر آ جانے نگاہ
 وصف لکھے لب شیریں کا جو کوئی کاتب
 بڑھ کے گل رنگ سے بھی وہ کف گینازک
 آرزو ہر کو مشرق سے نکل کر ہر صبح
 استخوان تن میں نہیں ایک یہ ہوتا تھا گماں
 کس طرح ہونہ گلا کیف می من سے مست
 سینہ آئینہ شفاف شکم چشمہ حسن
 شورِ خفاں سناتے جو رواں ہو دو کام
 غرض اس شکل کی معشوقہ کیا جس کا بیاں
 شوقِ دل نے یہ کہا مست ہے یہ ستر مہی
 ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ چھپے سر کی

باندھ لے گا کھول کے وہ زلف کی لٹ
 مقبرے ہو گئے تعمیر بھرے سب گھٹ
 لاجپٹے میں اسے دیر نہ کرو وڑھپٹ
 روک لے مڑکے تو وہ جھاکے لگائے پاٹ
 جس طرح کاٹ کے کالاکوئی جاتا ہے پاٹ
 پہلوان دہیں کہ کشتی میں ہوتے ہیں غٹ پاٹ
 حور بیٹھی ہے درخندہ کھولے ہوئے پاٹ
 دہن تنگ دے منہ کہ ہے غنچہ منہ بھٹ
 زلف مشکیں کی رس باندھ لے مشکیں بھٹ
 صفحہ سے صفحہ عذوبت کے سبب جاے چٹ
 غنچے لیں انگلیوں کی کیوں بلا میں چٹ چٹ
 کہیں جن کی طرح جاؤں میں بازو سے لپٹ
 گل مخمل کی طرح تن میں غضب نہ مارٹ
 پی ہے نشے میں مراح کی صراحی غٹ غٹ
 موج دریا سے لطافت شکم صاف کی بٹ
 مڑے اٹھ بیٹھیں تہ خاک یہ ہو گھبراٹ
 نظر آئی تو عجیب جی گو ہوئی للچا ہٹ
 عشق سچے کی طرح چائے مستی میں لپٹ
 سر قدم تک تھانہ نہ پوچھا گئی دور وہ ہٹ

چوٹ سی لپ لگی ہاتھ گیا جب خالی
 ہنس کے ظاہر میں کہا دہری ٹھنڈی گرمی
 چپ رہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد
 ہوش میں آؤ ذرا خیر ہے کیسا ہے مزاج
 میں وہ ہوں سچی ہوں میں ہیں ہزاروں نامی
 نہ ہو بالائے فلک کشہ شمشیر نگاہ
 مرغ دل سیکڑوں شہبازِ نظر کے ہیں شکار
 ذوقِ وصلت میں مجھے گور کنارے کتنے
 سند تک دم سے جتنے کہ میں شہزادے
 پاؤں کتنوں کے گھسے مثل سبوسر پھوٹے
 ناطقہ خاندانِ دولت ہے مرانا مہفت
 لہم غیب نے بھیجا تو میں کی ترے پاس
 وصف تو کرتا ہے جبر کا میں اس کی وصف
 رائے انور سے اُسی کی مرے آنکھ نہیں ہوتے
 صدفِ مرگاں سیمیاں نچہ پر زور کی شکل
 اسکی جو بستی طبع وہی قدیم سرا
 مصحفِ کعبہ کو جو دیکھو تو نمایاں رہی شان
 کون وہ کلمہ علیٰ علی بہادر حجابہ
 آزیانے سے نہیں کم وہ پڑے تیغ جو پٹ
 آپ ہی لطف و کرم آپ ہی یہ جھجھلاہٹ
 تھی ملاقات کہاں کی کہ یہ تیزی جھٹ پٹ
 خفقان سے تو طبیعت میں نہیں گھبراہٹ
 سیکڑوں مر گئے تھی جن کو مرے نام کی ٹ
 خلقِ مریخ کو بچا نسی ہے مریخ لطف کی ٹ
 خال دہ زراغ یہ ہے کہ کیلجے کئے چٹ
 شوق دیدار میں کتنوں کی گئی آنکھ لٹ
 صبح تا شام ہے اسٹار مرے در پر جھٹ
 بادہ وصل کی پانی نہ کیتے تلجھٹ
 میں مکیں میں تو مکیاں طلبے زریوم سے پٹ
 ہو گراں تجکو جو آنا ابھی جاؤں میں لٹ
 دیکھ اعضا کو ذرا پر دہ غفلت کو اوٹ
 خلقِ اس کا مرے گیسو میں ہے خوشبو لٹ
 عزم اس کا مرے شاہیں نگہ کی ہے جھٹ
 وہاں فیض کا لنگا دہ مری زلف کی ٹ
 کعبہ لکو جو دیکھو تو اُسی کی چو کھٹ
 دیتے ہیں جکو ملک عالم بالا کی رپٹ

قصیدہ دیگر

فصل گل آئی ہو گلزارِ جنت بوستاں م بڑے کے رضواں سے ہے ان ہندوں مرغِ باغِ جاں
 ہر طرف گلبائے رنگارنگ گلشن میں کھلے ۷ جیسے صبحِ عید بکجا ہوں حسیناں جہاں
 خم نہیں شاخیں رختوں کی ہوا سے خاک پر ۷ کر رہے ہیں سجدہ شکر خدا سے انہی جاں
 خد باذن اللہ کہتی آئی گلشن میں بہار ۱ جی آٹھے جو ہو گئے تھے مردہ دلِ وقتِ خزاں
 جھوم کر آیا ہے اب کو ہب ساری باغ میں رقص میں ہے ہر روش طاؤس ہو کر شاداں
 لالہ کہتا ہے کہاں موسیٰ ہیں اگر دیکھ لیں صاف جلوہ ہے چراغِ طور کا مجھ سے عیاں
 جھوننا مستوں کی صورت ہے درختوں کا سجا ۷ نکہت گل میں بھی ہے کیفیتِ شرابِ رغواں
 لالہ احر نے یا قوتی کی ڈبیہ کی درست ۷ رگسِ شعلانے رکھی مہیتر وشی کی دوکان
 دار بستِ ناک میں خوشے نظر آنے لگے ۷ جس طرح جھڑ ستاروں کا فرازِ آسمان
 سیمِ نچ کیوں نہ بید ہو ز رگل بے شمار ۷ رکھتی ہے اکسیر کی بوٹی بہارِ بوستاں
 ہر روش پر بیٹھی ہے بزازِ سنکر خرمی ۷ جس طرف دیکھو کھلی ہے سبز غل کی بوکا
 فیضِ شبنم نے دئے اشجار کو آبی لباس ۷ بریں ہے مردم گیا کے جامہ آبِ واں
 نود و سان چمن کو ہے جواہر کا جوشوق ۷ بیچنے فیروزہ آیا ہے چمن میں آسمان
 یوں ہے خندش میں جیسے ہر نہال سایہ ار ہو خراماں جس طرح کوئی حسینِ امن گشاں
 ہے مبارک فال کوئی ہو نیوالی ہے خوشی ہر چراغِ لالہ جوشِ رنگ سے ہے گلِ خزاں
 جان بھولوں میں پڑی زندہ ہوئی خاکِ چمن ہے دمِ جاں بخش عیسیٰ یا سیمِ بوستاں
 قمریوں کا قول ہے ہم ہیں طیورِ باغِ خلد سر دکھتا ہے کہ مین ہوں طبری باغِ حناں
 صحنِ گلشن میں نہ اکت نے جایا ہے یہ رنگ مرغِ بوکا آشیایاں ہے شاخِ بکھیرتی گراں

ہے محیط مشرق و مغرب بزنگِ کہکشاں
 بھول جائے مہر جنبش مثل قطبِ آسماں
 چادر مہتاب ہے فرشِ فضاے بوتان
 گیسوئے مشکیں سنبلِ بیکہ ہے عنبرِ نقاشاں
 خواب میں کرتا ہے سبزہ سیر گلزارِ اجاں
 نوک کی لپٹے ہیں کانٹے یا پھبتے ہیں شاں
 مثلِ فوارہ اگلتی ہے زمیں گنجِ نہاں
 وہ زبان بے دہن ہے یہ دہان بے زبان
 یا سہیں پیدا کریں گز گز میں ہیں استخوان
 نقتہ فساد اگر کھولے رگِ سنگ گراں
 تر ہے چوبِ خشک ناک بار و در شاخِ کماں
 گل ہے یوسف گرد آس کے بلبلوں کا روائں
 عمر کرتے ہیں عبث و یر و حرم میں آئیناں
 ان مکانوں میں ہے پوشیدہ یہاں ہر عیالیں
 جلوہ گر ہے ہر طرف زنگِ بہار بے خزاں
 پر ہے کبھی اور ہی زنگِ زمین و آسماں
 سر و گلزار ریاست صاحبِ بخت جواں
 مادہ اوجِ چرخِ قدرت مہرِ اوجِ کنِ نکماں
 روحِ جسمِ انس و جان فخرِ زمین و آسماں

ہے بلندی و درازی اس قدر ہر شاخ میں
 پاسے گر سوج کھچی کے سایہ میں تھوڑی جگہ
 چودہویں کا چاند ہے جو چاندنی کا پھول ہے
 سیر کو جو آئے اُس کا ناف آہو ہو مشام
 دیدہ بیدار گرس کا تو کیا مذکور ہے
 ہے تہِ غنچہ گل کا کہ تیغِ آبِ دار
 جس طرف دیکھو زنگِ باغ میں انبار ہے
 غنچہ و سوسن سے کیا ہو شکرِ احسان بہار
 اس قدر جوشِ طراوت ہے عجب کیا ہے اگر
 قطرہ خوں سے عوضِ نکلیں گلِ دیا قوتِ بول
 ہے عجب فیض ہو اپیکیاں کے غنچے کھل گئے
 مصر کا بازار کہئے باغ کے بازار کو
 مومن و کافر سے کہہ دو آئیں سب گلزار میں
 جسکی کرتے ہیں پیرش جسکی رکھتے ہیں طلب
 آئینہ خانہ ہے گلشنِ آئینہ ہے برگِ برگ
 گرچہ صحنِ باغ میں ہر سال آتی ہے بہار
 ہے سبب اس کا کہ ان دزدانِ مہربانیں
 منبعِ جود و سخاوت معدنِ لطفِ کرم
 انتخابِ صنمِ حقِ عالی نسب و العجب

نام نامی وہ کہ ہے سب کے گین لپتیش ۷ نامور کلب علیخان بہادر نوجواں
اس قصیدہ میں (۱۱۷) شعر ہیں۔

قصیدہ دگر

مشتملہ مناظرہ شانہ آئینہ

مرثوہ اہل تماشا کہ ہے ہنگامِ نظر
بزمِ عشرت میں ہو ہے جمع حسینِ شکِ قمر
صرف آرائشِ زینت ہیں حسینانِ جہاں
بدلے جاتے ہیں لباس اور مرصعِ زیور
بدھیاں بھولوں کی ہیں زیبِ فرے بردوش
دستِ پامیں ہے خمیا سر رہے منظورِ نظر
کرتیاں ہیں شکمِ صاف پر ادھی ادھی
بند انگیا کے کسے زلفِ رسا تا بہ کمر
اس قدر مستِ محسن کہ سر سے سرِ دوش
آرہا دھل کے ڈوٹیا نہیں اتنی بھی خبر
شانہ ہوتا ہے طلبِ آئینہ آتا ہے حضور
بنتے ہیں گیسو و رخ کرتے ہیں جو بنِ قطر
شانہ آئینہ ہیں بسکہ مصاحبِ ونوں
ایک سے ایک نے باندھی ہے رقابتِ پیر
آئینہ شانہ سے کہتا ہے کہ سر چھو نہ بہت
منہ کی کھال نہ کہیں چاکِ دتیر امرو جگر
دیکھ مجھ کو کہ جگہ گو کہ ہے زانوں پہ سری
حیرتِ محسن سے ہرے کی طرح ہوشِ شہ
صاف طینت ہوں صفائی کا ہے مجھ میں جو ہر
مرا تہ ہے مرا تجھ کو وہ حاصل ہے کہاں
کون سی بزم میں ہوتی نہیں حاجتِ میری
غاندہ بردوش ہوں پردیسِ اسیر ونگے ہے گھر
آبداریِ کار سے سامنے دعویٰ جو کرے
روبر و صاحبِ انصاف کے جھوٹا ہو ہر
یہن ہے اہل جہاں کو مسرہ انظارِ رخ
دیکھتے ہیں مجھے جب دیکھتے ہیں با صفر
صافیِ قلب سے پایا ہے یہ ترسِ مین نے
چاندی سونے کا دیا ہے مجھے اللہ نے گھر
آبِ نان بھگو نہیں ہے کسی جہاں سے عزیز
دشمنِ دوست کے منہ پر بہت کثادہ مراد

نہیں کھتا ہوں لگی حال بد و نیک میں کچھ سمجھتا ہوں
 مجھ سے بھی عقدہ نیرنگ جہاں کھلتا ہے
 بزم عالم میں فقط وجہ سے میری ابتک
 مجلس خاص نبی میں تھی رسائی میری
 وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہونے پر
 ہاتھ سے دامن دولت نہ کسی دم چھوٹا
 اہل تنجیم کی آنکھوں میں بھی ہے قدر مری
 بولتا ہے مری تائید سے طوطی اُسکا
 خاکساری ہے ان اوصاف پہ مجھ میں ایسی
 ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا نام کو نور
 پارہ چوب جگر چاک دنی بے قیمت
 بال بیکا ہوسینوں کا تو توڑیں تیرے دت
 قاعدہ بزم ادب کا تجھے بھولے جو کوئی
 پنجم شل سے نکلتا نہیں ہرگز کوئی کام
 بال بویں منہ میں ترے ٹوٹ کے رہا تھا
 کر کر تیری تیرے ندان سے ہوئی اور تری
 کشمکش نے تری کانٹوں میں گھسیٹا ہے تجھے
 سوز بانیں ہیں ترے منہ میں تو مال کیا ہے
 اس لیاقت پہ یہ دعوے تجھے کیا مال ہے تو

صاف کہہ دیتا ہوں آتا ہے جو کچھ پیش نظر
 جم کو دیتا تھا اگر جام زمانے کی خبر
 نام روشن ہے چہرے غمخدا اسکندر
 ابتدا سے مرے طالع کا ہے روشن اختر
 جتنے صحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیش نظر
 اہل دولت ہی کے رانوں پہ ہوئی عمر بسر
 ہوں کبھی مشتری و زہرہ کبھی شمس قمر
 ورنہ طوطی میں کہاں ہے کوئی سرخاب پر
 غارہ چہرہ نہیں اور بحسب زفا کستر
 زحل آساترے طالع کا سیر ہے اختر
 چار پیسے کو جسے مول نہ لیں اہل ہنر
 دانت دینے لگیں ایذا تو شکستہ بہتر
 پیش جائے نہ تری ایک کرین زہرہ زہر
 خشک ہو شاخ تو اس سے نہیں امید کر
 جس طرح شانہ ضحاک میں تھامنا پکا گھر
 جس میں ذمہ انے پڑیں تیغ ہے وہ بے جوہر
 بھلوؤں میں میں ترے خار اور ہر اورا دہر
 گنگ کی طرح سے خاموش ہے تو آٹھ پھر
 کہ چڑ ہے لالہ رخاں سمن اندام کے سر

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی میں کہیں ڈوب کر
 صاف صاف آئینے نے بڑھکے کیا جب آ
 کھپ گیا شانہ ملامت کا نشانہ ہو کر
 بہمن پر کے زباں کہنے لگا یوں سر دت
 رتبہ میرا مجھے معلوم نہیں سن مجھ سے
 ہے حسنینوں میں سائی تری گا ہے گا ہے
 رات دن خندہ شادی سے عیاں میں دانت
 میری ہی کل سے مقبول دل عالم ہے
 کہتے ہیں پیچہ مرگاں کو جو شانہ شاعر
 ہے جو لبرِ عمل شانہ زنبورِ عمل
 کی ہے تشبیہ نے پیدا جو شبامت میری
 شانہ عاج کبھی شانہ شمشاد کبھی
 صاحبِ لیش نہ جب تک کہ کرے شانہ کشی
 اس میں بھی لفظ ہے شانہ کا ہے غرور و شرف
 تو نہ مانے تو نہ مانے مجھے کیا پروا ہے
 سوچ تو دل میں مرا عیب ہیں تجھ میں کتنے
 سوچ جھٹا خاک نہیں کو روئی سے جھک کو
 رو بردا و زمرِ حال ہے غیبت میں کچھ اور
 چشمہ آب تو ظاہر ہیں ہے باطن میں سرا

ایسی ملت سے تو ہے خاک میں ملنا بہتر
 عیب سب غم کے ظاہر کئے اور اپنے ہنر
 موئے تن است ہوئے تیر کی صورت یکسر
 منہ بنا چاہئے عاقل کو عقلی سے حذر
 منحصر ہے صفت عقدہ کشائی مجھ پر
 کو چہ زلف میں سیری ہے جگہ آٹھ پہر
 اپنی تقدیر کو رو تا ہے تری آنکھ ہے تر
 پیچہ مر جاں کا ہو یا پیچہ خورشیدِ بحر
 اُس کو آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں اربابِ نظر
 اس غدوبت کا سبب نام کا میرے ہے آ
 لفظ اللہ میں شامل ہے وہ کر خوب نظر
 شانہ میں دیکھتے ہیں فال تو پاتے ہیں ظفر
 ہونہ حاصل شرفِ پیروی پیغمبر
 جل شانہ ہے جو تو صیغہ خدائے اکبر
 عیب میں جو ہے اُسے کب نظر آتا ہے
 سادہ و شوخ و دریدہ دہن و بد گوہر
 سخت جان تیرہ دروں ال ہے تیری تھیر
 صاف عالم کی دیکھی کا ہے تجھ میں بھی اثر
 دہر کے پیاسوں کو دیا کرتا ہے تو شام و صبح

خود نمائی کے سوا تجھ میں نہیں کچھ صفت
سادہ لوحی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی ہنر
صاف این ہے مولا جس کتب گزرتے تو
شب تیرہ میں تجھے کچھ نہیں آتا ہے نظر
نہا جے پر نہ جے مشکل جو ہو ذہن نشین
ز مٹے پر نہ مٹے بال پڑے دل میں اگر
قصہ کو تاہ زیادہ ہوئی دونوں میں جو بحث
تھے جوانوں کے حامی انہیں پہنچی چہر
آئے کا تو رخ صاف طرفدار ہوا
باندہ لی زلف نے شانے کی حمایت پر کمر
لشکر روز تو زیر علم حسد و رخ
فوج شب بادشاہ گیسوے پر عین کی سپر
اک طرف ماہ ہوا ایک طرف پر تو ہر
اک طرف شام ہوئی ایک طرف تو اسحر
سپینل و شبو طرف زلف سیاہ
لشکر لالہ و گل جانب مے انور
پیر گردوں نے کہا طرف قیامت آئی
اب کوئی آن میں ہوتا ہے جہاں یروزر
بج میں پڑ کے کہا خوب نہیں ہے یہ فساد
صلح اس جنگ سے ہر ایک طرح ہے بہتر
حق میں دونوں کے یہ ادلی ہے کہ پاس لگے
صاحب حکم جو ہے ہر عدالت گستر
کون وہ کلب علیمال بہادر نامی
منع جو دو سخا زیب دہ علم و ہنر

اس قصیدہ میں (۱۱۴) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

ہوا جہاں شاہد ماہ آسماں پہ جلوہ فروزش
عزیز ہالہ پھرا گرد کھول کر آغوش
سوادِ منب میں نظر آئے اس طرح انجم
آئے ہوں گرد میں جس طرح طفل باریکوش
وہ چاندنی کہ ہوا تلزم فیما موانج
لسانِ رعشہ اندام زید ساغر لوش
ز شہرِ مردم بازار تھانہ بانگ درا
کہیں کہیں جو رہا بھی تو پاساں کا خروش
جوان پیر و صغیر اپنے اپنے بستر
بزرگ صورت دیا پڑے ہوئے خاموش

گھلونے ناطقہ میں مرسلہ سکوت کا طوق
 نماز پڑھ کے عشا کی جو میں نے خواب کیا
 جگا رہا ہے مجھے کہہ رہا ہے مجھ سے یہ بات
 ہوئی ہے آج مرتب وہ بزم اہل کمال
 حکیم و شاعر و شار و عالم و فاضل
 طلب ہے تیری بھی طلبی سے دیکھ سُن چلکے
 یہ مژدہ سُن کے میں خوش خوش اٹھا روانہ ہوا
 ہوا جو دل محفل محب سماں دیکھا
 عجیب شش عجیب و شنی عجیب شب باہ
 بزرگ ایک بجزہ و وقار صدر نشین
 خدا شناس خدا رس اور ادھر کچھ لوگ
 جو لوگ سامنے بیٹھے تھے سب صاحبِ علم
 یہ رنگ یکہ کے ایسا ہوا میں عجب زرد
 سلام کر کے ہوا میں شریک صاف لیکن
 کمال مجھ کو پریشان و مضطرب پا کر
 کہ ہے یہ صدر نشین پیرو مرشد عالم
 فرخ حوصلہ عبد الرشید مولانا
 یہ راست چپ جو میں بیٹھے ہوں ملک صوفی
 یہ رد و جو ہے صفا نہیں ہیں اہل کمال

غدارِ سامعہ نہاں بزم پر روگوش
 تو چھلی رات کو دیکھا کہ کوئی شل سروش
 شتاب اٹھ کے روانہ ہو کھول دیکھ ہوش
 کہ جس میں جمع میں تہنہ طبع دریا جو میں
 صفیں درست ہیں منجھے ہوئے ہوش و شوش
 زہے رسائی تقدیر چشم و طالع گوش
 بقاعا مہ عبا کر کے زینتِ سروش
 درمیاں تھا کہ کھولے ہوئے تھی حور آشوش
 ہر ایک جہاز سے فوارہ ہائے نور کا جوش
 ملک خصال فرشتہ جمال و خرقہ پوش
 زباں پہ ذکرِ خدا دل میں معرفت کا جوش
 وحید عصر فرید زمانہ صاحبِ ہوش
 کہ سمجھے سب کوئی دار دہے زعفرانی پوش
 ہوئے حواسِ سیمہ صورتِ مدِ پوش
 کہا یہ مجھ سے مرے ہنشین نے گوش گوش
 زیر ہے تاجِ سراں تہ پا پوش
 تمام اہل مہارت میں جس کے حلقہ گوش
 مریدِ خاص ہیں اس کے شرابِ عرفان گوش
 بنور دیکھ نہ را ان میں کھول دیکھ ہوش

یہ ہیں نطاحی و حامی جو بیٹھے ہیں ہوش
 کیا ہے نظر گستاخ کی بیت میں خوش ہوش
 غنی کلیم سوا ان کے اور بھی تھی ہوش
 زرخیز کسی کامل کا ہو گا زیور گوش
 وہ مست بادہ عرفاں یہ پیر بادہ فرو
 مطیع مشرع نبی متقی عبادت گوش
 جو آنکھ اسکی ہے حق میں تو گوشِ عذریوش
 جو کوس فوج ظفر موج ہے وہ رعدِ خروش
 کھڑے ہوں کان نہرِ بزمی صورتِ گوش
 طبقِ زمین کا ہے خوانِ آسماں سرِ گوش
 فلکِ پادشہ ہالے سے اُس کا طبقہ گوش
 کہ نیشِ اہلِ حد کو ہے منصفوں کو بے گوش
 نہیں گے کانِ جواہر دمِ سماعت گوش
 گنا کے تکیہ دیوارِ مطہر منہِ خاموش
 لیے ہوئے کسی اجزا و رقی و رقی گوش
 نہ پڑھی وہ شریفہ کہ سب کے اڑ گئے ہوش
 در آسے دیدہ حاد میں مع پاؤں
 ہکا رتا تھا یہ سینے میں دلِ بھوشن بھوش
 جو سر سے سر توڑے جھومنے میں شمشاد

یہ ہیں تھوڑی طعنا و سرنی و فیضی
 یہ شیخِ سعدی ہے جس نے کہ چشمِ روشن کو
 تیر و تبدیل آزاد و صائب و شوکت
 طلبتے ہیں جو یہ لوگ اسکی وجہ یہ ہے
 مرید ایک ہے اس مقتدی کا خاںِ خاص
 جہنم تاجِ شہرِ مصطفیٰ آباد
 جنابِ کلبِ علیہاں بہادرِ بجا
 سحابِ فیضِ غبارِ قدم ہے ہاتھ تو کیا
 صلے ضربتِ شمشیر وہ کہ سن کے جسے
 بلند مرتبہ لیا کہ جس کے مطہج میں
 چمن میں ہر گلِ ترانس کے فیض سے خداں
 وہ شرفِ خدمتِ مرشد میں اُس نے بھیجی ہے
 نہیں ہے دیر پڑھی جا بگی کوئی دم میں
 سنایہ حال تو تصویر دارِ بیٹھا میں
 جواں فصیح بیاں ایک ناگہاں آیا
 ملا جو اذن تو کھوئی زباںِ سحر بیاں
 نفل کے طفلِ مضامین زباںِ قاری سے
 زباں کا قصد کہ جائے فلکِ پشورِ بنا
 کہا کسی نے خوشی میں کسی سے لانا ہاتھ

اچھالے دست بانے یہ اسکے صوف میں بول
 اچھانٹے گل مضمون نو پندروسی
 کہیں نہ نثر نظامی کی نظم سے بہتر
 بھرے ہوئے تھے ہو ہیں جو لوگ نوحہ سے
 وہ فرہی نہ ہی سُن کے وہ سخن سہ سہنر
 خفا پند ظہوری خطا مقرر غمرا
 کہاں جلال چلا لاوشاں برخورد
 قیاس کس میں کہ کھینچے وہ اپنی تیغ زباں
 جو نثر ختم ہوئی خوش ہوا وہ صد نشیں
 ہوا خوشی میں جو دریائے مرمت موج
 جو پارچے کوئی پوچھے تو ایک سواڑ تیں
 زیادہ اس پر کیا کھفہ دعا سر دست
 جو نثر کا ہے مصنف اُسے کرے تفویض
 اٹھا جو نامہ رساں بزم ہو گئی برخواست
 خداے پاک رسول کریم کا صدقہ
 جہاں ہمیشہ رہے اسکی ذات سے روشن

نہیں کیا قفس آسماں ہوا کپڑا پوش
 اٹھا یہ لطف کج جاتی بھی گر پڑے مدہوش
 بیاں کے نور نے کی شمع انوری خاموش
 یہ رشک سے ہوئے لاغر گھٹ گیا ڈھونڈ
 دو اورم کی ہے جیسے گیا ہ مرزنجوش
 وحید فرو غلط شوکت انکسار فروش
 زباں گنگ تھی جو یائے گوش عند زبوش
 کہ ہے سخن کے قلمرو میں ایک سہکت فروش
 شاد مدح میں گویا کئے لب خاموش
 مگکانی کشتی غلعت جو تھی جو اہر پوش
 کہیں قبول کے اعداد جن کو صاحب ہوش
 دیا وہ حال خط کو کہ جائے مثل فروش
 کہ دولت بدی پائے وہ نیاز فروش
 یہ واقعہ ہے امیر اپنے شوق کا سرخوش
 صحابہ جس کے ہیں روح القدس سے ڈھونڈ
 چراغ دولت علیا کبھی نہ ہو خاموش

رہوں کاب سعادت میں میں بھی فارغ بال
 دامن سہر کف دست و غاشیہ برووش

قصیدہ دیگر

عالم خواب بیچ پنجاب میں عجیب باغ میں کل ۱۰
 خواب میں سبزہ خوابیدہ جو دان کا دیکھے ۱۰
 سامنے اس کے کسی اور چمن کا کیسا ذکر ۱۰
 اک تنگو ذہن اسی باغ کا باغ عشرت ۱۰
 ساغر عشرت کو میں وہیں کے دو پھول ۱۰
 واہ رے فشوگل دلا لہ اگر عکس پڑے ۱۰
 سخت حیراں ہوں دیوار کو دوں کس سے شال ۱۰
 دست مرگاں سے منجھائے تھیں گے تو آنکھیں ۱۰
 لالہ آتا تھا نظروں پس دیوار چمن ۱۰
 خط گلزار سے ہر گل پر یہ مصرع تحریر ۱۰
 طوبی و سدرہ کی شاخیں پے تسلیم ہیں خم ۱۰
 ہے یہ تاثیر نمود ہاتھ جو مجرم کے کشیں ۱۰
 قوت نایب کا تھا یہ تلی سے کلام ۱۰
 سبزہ کا کہناں غنچہ پروں کیسا ۱۰
 اور شاخوں کا تو کیا ذکر یہ ہے فیض نمود ۱۰
 خواب میں دیکھے اگر ترکہ فلک یاں کی بہا ۱۰
 کچھ بھی دکھلاے اگر باد بہاری نیرنگ ۱۰
 ٹکڑے بدلی کے نہ تھے ہندوے سوس کیلئے ۱۰

فہر طور کو جس باغ کی کہئے کول ۱۰
 خواب ہو طالع خوابیدہ کا خواب مختل ۱۰
 گلشن غلج بھی مجھ کو نظر آیا جنگل ۱۰
 ایک غنچہ اسی گلزار کا گلزار امل ۱۰
 میوہ مقصد دایں وہیں کے دو پھل ۱۰
 خون لعل سے رنگ کوہ بدخشاں سے نکل ۱۰
 کہوں کہینہ تو آئینہ میں اتنا نہیں دل ۱۰
 پھر بھی دیوار چٹ چٹ متی تھیں طاتی تھی پھل ۱۰
 جس طرح شیش محل میں کوئی روشن مشعل ۱۰
 نقش ثانی ہے یہ فرووس ہے نقش اول ۱۰
 عرش تک فرش ہے باد بہاری کا عمل ۱۰
 صورت دست چارائیں سے سر سے نکل ۱۰
 طارم سبت ہے اس باغ میں رخ کو ۱۰
 خوشہ تاک رنگ تاک سے آیا ہے نکل ۱۰
 نکلے گریباں میں بھی شاخ تو پھوٹے کول ۱۰
 شب ہی کو گلشن انجم کو کرے متاع مل ۱۰
 گل ہوں گلداں میں انکار سے دروں نکل ۱۰
 بھر کے آیا تھا دہاں چھا گلوں میں گنگا جل ۱۰

نوجوانانِ حینِ دہوپ سے کیا کھلاکتے
ہر روشِ منبر سے پرواںِ عکسِ گلِ دلالتِ تھا
مور تھے رقص میں مصروفِ بزمِ بطن
سینے تلے ہوئے پھرتے تھے حینِ طاق
لڑکھڑاتا تھا جوستی میں کہیں پائے سیم
چمنِ دل میں عمارتِ گلِ دل کی سیم
سوئے بتِ خانہ جو پھنچی دمِ مولے جاکش
کیا عجب دُعا پسند ہو جگر پہر سب

چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پر بادل
سیج تھی بھوڑوں کی بالائے باطِ مغل
جھومتے پھرتے تھے مستوں کی طرح بے بال
اس تمنائیں لگ جائے گلے سے بادل
غنیچہ کہتا تھا جھک کر کہ خبر دار سنبھل
گلِ صد برگ بنے غنیچہ اسرارِ ازل
کلمہ توحید کا پڑھنے لگے غزا و مہبل
کہ وہ ہواں اٹھتے ہی بنتا ہے ہوا پر بادل

اس قصیدے میں (۱۶۱۱) شعر ہیں۔

یہاں تک قصائدِ مطبوعہ کا انتخاب پیش کیا گیا ہے اب غیر مطبوعہ قصائد لکھے جاتے ہیں

قصیدہ غیر مطبوعہ

جب سے عالم میں ہے دورِ آسمانِ چندی
خوبصورت کس قدر میرے معانی کی ہے فوج
راہِ ہوا فکر سے میرے اگر ہو ہمنماں
نعمت دینا سے کیا مطلب مزہ ہے شعر کا
بے مشقت کب ہوئی حاصل مجھے شوقِ سخن
نا تو اں ہر چند ہوں لیکن ہی ہے زورِ طبع
مفت کشور میں مری دشنِ بیانی سے عیاں
کہیں پتا ہوں غامہ فکر سے مضمون کی شبیہ

کب ہوا مجھ سا کوئی سلطانِ ملکِ شاعری
ہے پھر برابر علم کا صورتِ بالِ پری
البتہ ایامِ کھائے ہر جگہ اسکندری
جس طرح اہل ریاضت دشمنِ تنِ پوری
سینہ کا دی سے ملی شل نگین نامِ آوری
سست کب کرتی ہے چیتے کو کمر کی لاغری
صورتِ خوشید ہے خلقت میں عالمِ روری
ہے مری نصوں طرازی یا فنِ صورتِ نگری

قابلِ گلگشت ہے گلزارِ حسنی پروری
 شیر کو کیونکر غراؤں سے ہو چشمِ یادری
 ہو نگیں جیسے میسانِ حلقۂ انگشتری
 پیرتی ہے آبِ گوہر میں نگاہِ جوہری
 قسح پر دانوں کی کرتی ہے اگر گرد آوری
 اس بہر کفائ کا ہے سارا دماہ مشتری
 مستقم سے مضمونِ نعم عیبوں سے توانی ہنری
 وہ چراغِ نظم پروانہ ہے جس کا انوری
 ہے ہلالِ ساگر میاں گیر اس کی لانری
 تار کو آواز کے اس کا گلا ہے جنتری
 سامنے آتے ہوئے جب جسم میں تھر تھری
 مجھ سے سیکھا ہے نظامی شیوہ نظم درمی
 کا تہی بھی میرے دفتر کا ہے ادنیٰ ادنیٰ
 بندہ درگاہِ بنکر جب چڑھائیں حاضری
 ہے یقین شاہی بھی آئے بہر دروازہ گری
 میں نہ کر تا فکرِ مضمونِ جان کی یادری
 رو برو میرے ہوئی فطرت کی گم دانوری
 ہے جو سرخوش خوش صہبائے معنی پروری
 ایک جوہر ہے مری تیغِ زبان کا جوہری

سربے ہر ایک مصرع پھول ہے ہر ایک لفظ
 فکرِ عالی کو ہمیشہ استعانت سے ہے ننگ
 گرد رہتے ہیں سخداں اُن میں ہے یوں پیری چا
 لطفِ مضمون سے ہے خوب گاہ میری چشمِ فہم
 میرے خامے نے کئے مضمونِ روشن مجتمع
 کون مضمون کا مرے آفاق میں خم ابا نہیں
 صحتِ الفاظ و معنی بندشِ اشعارِ حست
 بزمِ معنی میں چو روشن میری طبعِ گرم سے
 میرے آگے شرم سے ایسا ہلائی گھٹ گیا
 بے صدا ہے میرے آگے یوں فغانی موعے
 کیا کرے پھر دعویٰ روشن کلامی شمسِ قیس
 میرے جامِ فکر کا جاتی ہے ادنیٰ جبرِ خوا
 مکتبی کو طفلِ مکتب جانتی ہے میری فکر
 تب برآئے عرفی و فیضی و حافظ کی مراد
 کر کے وادروانہ تعلیم بیہوں میں اگر
 خسرو و حدی کہی ہوتے نہ مشہور جاں
 فکرِ صائب نے مری صائب کو ترسندہ کیا
 پا گیا تھا بزمِ معنی میں مری جھوٹی شراب
 کیا نعتِ مائوں میں کوئی ہو سکے میرا حریف

فارسی تو فارسی اردو میں بھی وہ بات ہے
سوزِ جرتِ دروِ حسرتِ میرا نشاِ مصحفی
ہاتھ آیا ہے جو سرمایہ سخن کا ہے۔ سجا
خسرو کہتا ہوں نئے حاصلِ صلہ ہو یا نہ ہو
امتحان کر لے سخن کا جس کو ہو مدِ نظر
ہاں یہ کیا کہتا ہے رو کی اپنی زبان کے امیر
خزائن کی ترے اللہ اتنی بات ہے
نامور نوابِ مشتاقِ علیخان جم و قفا
اس قصیدے میں (۸۵) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

شام ہوتے ہی جو نیند آگئی اندک اندک
چونپ سی دیکھو ہوئی نیند اڑی آنکھ کھلی
نیم باز آنکھوں سے اللہ کی قدرت کی کمی
سر سے آنکھوں میں لبِ لعل پیسی کی دھڑکی
ہم غمزہ ہمہ عشوہ ہمہ شوخی ہمہ ناز
واہ کیا حسنِ خدا داد فریبندہ دل
ناز کا قول یہ دکھلا کے سر زلفِ دراز
چھین لینے کو اگر دل کے چلے کس کے کمر
کھینچ کر قاف میں نقشہ جو مصور لیجائے

نظر آئی مجھے اک برق تجلی کی حکم
ہوشیاری نے کہا خوابِ غفلت کے شرک
شمعِ رخ پر پروانہ ہوے ہوئے پاک
سرخ پان کو روانوں تنہاے ملک
دل پکارا کہ یہ شکیں نہیں دیکھیں اتناک
جس کے نیزنگ سے نکلی یہ بہتر ملک
جانیاں و عدم آباد کی سیدھی ہے شرک
حنِ خوں نے نہ کو دے اور وہ غمزہ پرچک
دل میں یوں کے یقیں ہے کہ چھوٹے ملک

چاند بھی ماند و پیشانی انور میں حکم
خال بارود کا دانہ ہے مسی ہے زنجبک
آکھ وہ شوخ کز گرس سے ہے اسکو چٹک
پنجہ مر جان کا تو یاقوت کی تختی وہ کفک
نگہ تیر سے دیکھے تو لگائے نادک
نہ تو موٹا نہ تانچہ ہے نہ چاک نہ کرک
چھوٹا قوت کی ہو جہیں تو میر کی حکم

مطلع

چشمہ شیر یہ ظلمات میں جاتا ہے چھلک
کاٹ کر نانے کو کا فور بھرا ہے شک
عشق کہتا ہے دم قتل کہ انصرا لک
نہ رہا معجزہ شق قمر میں کچھ شک
طوق یہ حور کی گردن کا وہ زنجیر ملک
خوب واقف ہیں جو کاندہ ہے پچل میں ملک
آنکھ پڑ جائے تو آنسو کی طرح آئے ڈنک
سایہ افکن ہیں سر حور پر دو بال ملک
آنچ تلواری کی اچھی بری اسکی لیک
دے کے شمشیر کرے سر سے کی تحریک ملک
جلوہ گر خط طلائی ہیں یہ بالائے ملک

سانسے عارضی نور کے ذرہ خورشید
مداٹے شعلہ رخ سے تو کرامت سمجھو
لبِ نازک ہے جو گلبرگ تو غنچہ ہے دہن
دانت موتی سے کہیں لعل سے بہتر لعل
پہر دے نیچے مرگاں سے کیلچے پہ چھری
سب پر آتا ہے نئی چوٹ وہ غم بکا پھلت
دل میں آتا ہے سراپا کے لکھوں کچھ مضبوط

انگ بالوں میں کھاتی نہیں ہر بار چھلک
عین میں صفحے پہ لکھا ہے سفیدی سے الف
کھینچ کر حسن نے رکھی ہے سپر پر شمشیر
دیکھ کر آگ کو اس کی حکما کہتے ہیں
زلف پر پیچ ستم طلق گیسو آفت
سایہ رحمت حق دوش پہ دونوں گیسو
کیا صفائی ہے کہ اس جیبہ نورانی پر
خوشنما آنکھوں کہتے ہیں یہ دونوں ابرو
گرمی الفت ابرو ہے عجب شعلہ قہر
چشمہ قتال اگر مائل خونریزی ہو
صاف ہوتا ہے عیاں مرد کد مڑگاں سے

یہ انداز سے لکھا ہے
یہ انداز سے لکھا ہے
یہ انداز سے لکھا ہے
یہ انداز سے لکھا ہے

تیج ابرو کی نہ کہتی ہے نہ مڑگاں کی چھری
 پتلیاں پڑہ کے دمانو کی دم کرتی ہیں
 رخ کی تونیکا کا لفظ بھی لکھے جو تسلیم
 نظر آتا ہے یہی چھوڑ خنداں شاید
 اثر عشق اسی چہرہ پر نور کا ہے
 طور پر جا کے جو یہ برق درخشاں چلے
 کیا اسی چہرے کو دیکھا تھا کبھی ایک نظر
 خال کا ذکر بھی ہے وصف سراپا میں ضرور
 ہے عجب مصرع دلچسپ وہ قد سوزوں
 کرکشی یہ کہ قیامت جو لگا وٹ چاہے
 دیکھ لیں سکو اگر دور سے غش آنے لگے
 قد الف ہے تو رخ صان کا تل ہے نقطہ
 عقل گم ہے کہ کہوں میں ہن تنگ کو کیا
 اس قدر اس میں تنگ سے محبت کھینچی
 بات اتنی ہے کہ ہے ہونے نہ ہونے میں کلام
 لب ہیں یا باوہ گلگوں کی دودھ میں ہیں
 دوں جو گلبرگ سے تشبیہ گل ایسے پھولیں
 کیا مرہ ہے جو کبھی لب پر نسیم آیا
 صفت سبب خنداں میں ہے کیا حاجت
 در نہ سر بیچ کے کس شوق سے لیتے گاہک
 دیتی ہیں دفع ہلاکے لئے پلکیں دستک
 وصلی ہو کا غذا بری کی چمک گرا برک
 خواب غفلت میں جم ہنس پڑتے ہیں اکثر کوک
 کیوں نہ در دول عاشق میں بجلی کی چمک
 ہے یقین برق تجلی کی جھپٹاے ملک
 چشم آئینہ جو حیرت سے کھلی ہے اتناک
 ذائقہ دے وہ سخن خاک ہو جہیں نمک
 کہ کسی سے نہ لگا مصرع ثانی اب تک
 دے صدا پانوں کی طحال کہ حل دور تک
 تھام لیں قائمہ عرش کو گھبرا کے ملک
 حن ان کے سبب ایک سے دس ہر شیک
 آج تک ہے کہ نہیں اس میں مانے کو ہے شک
 منہ چھپاے ہوئے ہے خلق سے غمناک
 زیر لب اس لئے ہے خال سیہ نقطہ شک
 دودھ نوہیں کہ عالم کو دکھاتے ہیں چمک
 سو جگہ سے دیں سیرا ہن گل جابج
 بھر دیا کوٹ کے عشاق کے زخموں میں
 پختہ پیوے کی طرح پڑتے ہیں مضمون شاک

دیکھتے چاہ تو یوسف چہ کیناں سمجھیں سا
 ہیں اسی چاہ میں ڈوبے ہوئے خورشید نگر سا
 کان دہ کان کہ جس کی نہیں مدحت ممکن سا
 ہے بجا سامنے اُن کے جو صبا گلشن میں سا
 قلم نور سے لکھی گئی گردن کی بیاض سا
 آرمایا تھا کسی روز اسے بازو نے سا
 آتین غیبت سے اٹھی تو زمانہ الما
 وہ کیا پنچہ پر نور ہے سچاں اللہ
 دیکھ کر یہ پنچہ رنگیں یہ ہے رنگیں کلام
 ناخوش ہے سر دست کرامت ظاہر سا
 بال سے ٹھیک ہے باریک کمر کی تشبیہ سا
 دیدہ ناف میں پر بال کمر ہے لیکن
 ناف تو نون میاں ہے الفِ نافِ کمر
 ساق پاؤں بلور کہ شمع کا فور
 دیکھے اندھا جو خزلنے ہیں نہاں ریز میں
 الغرض دیکھ کے یہ شکل ہوا میں بیتاب
 بول اٹھا کون ہے تو نام بتا دے مجھ کو
 ہنس کے شوخی سے کہا نام ہے میرا زہرہ
 کون آفاق میں ہے جو نہیں واقف مجھ سے
 چاہ و بابل کا گماں ہوا سے دیکھیں ملک
 اسی گرداب کی الفت سے ہیں چکر میں ملک
 اور تشبیہ غلط کان جو اہریشک
 دیتی ہے کان کپڑے کی گلوں کو پرچک
 سورہ نور رقم جس میں ہے بیہوشک
 کہ کمان مینو سے نہیں جاتی ہے لچک
 آگیا تیغ دو دستی کے تلے ہر مارک
 بار ہا پھیر دیا پنچہ خورشید فلک
 کبھی ایسا نہیں دیکھا ہے محسوس تک
 دیکھ لو بد رو ہلال ایک جگہ زیر فلک
 گرہ ہوئے کمر ناف ہے بیہوشک
 نہ کہیں درود نہ آشوب نہ سرخی نہ کشک
 ترجمہ اسکا ہے لافعی ہے ظاہریشک
 ران پر نرمی محل ہے تو سونے کی دلک
 آنکھ پر نقش قدم کی چھ لگائے عینک
 پڑ گئی تیغ کیلچے پہ جگر پر ناوک
 تیرے مقدم سے گیا اختر تقدیر چک
 پہلے رہتی تھی یہیں میں میں لک فلک
 شہرہ من سما سے ہے مرانا بہ سماک

انرا آئی جو زمیں پر نہ سبب پوچھا اس کا
جشن میں خلعت نواب کے مہمان میں
آج وہ دن ہے کہ خرم ہے ہر اک جن بشر
اس قصیدے میں ایک سو انچاس شعر ہیں۔

قصیدہ مشتمل بر معرکہ سکار خراں و بہا

سلطان شرق نے جو بصد عز و افتخار
پہنچے خط شجاع کہ سب مستعد ہیں
دربار گرم تھا کہ خبر دی یہ ناگہاں
غاز نگہ خزاں نے کیا ملک کو خراب
جمیعت کثیرے آیا ہے لوٹنے
اتنی سپاہ ہے کہ نہیں انتہا کہیں
افسر ہیں فوج میمنہ و میسرہ کے دو
اور اقی خشک نوبت و نفاہ کی جگہ
کالی ہیں دریاں کہیں خالی ہیں دیاں
آندہ ہی کا اُس کے ساتھ ہے اک نیمہ سیاہ
یمن کے غینط خسرو خاور کو آگیا
گو لے ڈلہیں تگرگ کے کہد و سحاب سے
پہلوں کی پلٹنوں کو ملیں سرخ دریاں
سورج کے ہر طرف سے نہ پوٹیں آئیں جلد

یہ مکر خزان و بہا جنگ سکار خراں
نوٹ ہے جس کے دل پہ خط ہے
اس کا ثبوت ہو جاتا ہے
قصیدہ گوئی کا میدان
میر کا ہے انھار۔

بیچ غل کو آگے کیا تخت زر نگار
جتنے قوائے نامیدہ کے ہیں سالہ دار
ہر کارے نے صبا کے کئے شاداندا
اڑتی ہے خاک باغ میں دیراں ہے دیار
دیکھو جد ہر علم ہیں گبولوں کے آشکار
ذرات کے پیادے ہیں خاشاک کے سوا
اس کا سموم نام ہے اُس کا لقب غبار
گویا ہوا کے گھوڑے پہ ہیں نوبتی سوار
اک زراغ کا گروہ ہے اک جوم کی قطار
صرصر سن ستوں شجر خشک خار دار
فرمان ہوا کہ جمع ہو سب لشکر بہار
تو میں ہوں برق و رعد کی سر وقت کارزار
پہنیں لباس سبز جو انان شاخار
فوارہ ہاے آب کے حاضر ہوں نیرؤا

قطوروں کے یکہ تازہ دکھائیں دلاوری
 رکھیں سروں پہ خود بہادر حباب کے
 نامی جو ہوں سپاہ میں وہ انتہا جہوں
 شمشیر خاں بید سرا فرازاں سرو
 خیرات بیگ خیری و گل بیگ جعفری
 شاداب بیگ سبزہ صفا بیگ فترن
 تقسیم ہوں سلاح جوانان باغ کو
 صدر برگ کی زرہ ہو تو سنبل کی ہو کمند
 سجد شیں سپاہ میں غنچوں کی پیمائیں
 چار آئے سب گہل کے تن پر کریں دست
 اس فوج کے سوا بھی کچھ آئے کمک کو فوج
 شاہین باز و جبرہ کلنگ و خسرو بیل
 طاووس کی سپاہ بھی کنجشک کی بھی فوج
 قازوں کا اک گردہ عقابوں کی ایک صف
 قرمان شاہ شرق سے پھر بعد جائزہ
 گہوڑے ہوئے جھونکوں کے ٹکوں کے ٹیل
 فوج خزاں ادھر بھی جائے ہوئے پرے
 آنکھوں پر پیسے پڑ گئے پردے غور کے
 سو جھانکے کسی کو زمانہ ہو اسیاہ

فوراً رداں ہوں تیغ گزارانِ جوبار
 ترکش سمیں بدن پہ ویسراں آشار
 لشکر کے افسروں کا الگ چاہئے شمار
 آزاد بیگ سوسن و میر آتش چنار
 آقا بداع لالہ خشن خاں کو کنار
 خواجہ بلج زنبق و خواجہ بزرگ نار
 قتل عدو میں کام جو دین وقت کا رزا
 گل کی سپر ہو شاخ کی شمشیر آبدار
 سورج کبھی کے خود ہوں تقسیم ہیشمار
 کیلوں کے نیزے پائیں جوانانِ نیزدار
 سو ایک سمت سے تو کسی سمت سے ہزار
 کبک و تدر و فاختہ و طوطی و ہزار
 سرخاب کا بھی غول کبوتر بھی ہیشمار
 ٹکڑی ہو کیلوں کی پیہیوں کی بھی قطار
 لشکر ہوار و دانہ پیئے قصد کارزار
 لاکھوں گل پیادہ ہزاروں گل ہوار
 آمادہ ہر گروہ ہر اک صف ہر اک قطار
 ذروں کی فوج بیکے بڑھا افسرِ غبار
 آندہ ہی کی طرح چھانسی وہ فوج نابکار

ایسے ہوئے بلند علم گرد باد کے
 فوج بہار نے بھی کیا قصد کشت و خون
 کیس افسر سحاب نے تر دستان عیاں
 لکوں کے احادیوں نے اٹھائے جو بادیا
 تو میں ہزار ہا چٹلیں برق درعد کی
 سر اڑ گئے جد ہر گئے گوئے تگرگ کے
 پشت و پناہ اس کی جو تھا افسر سموم
 پھولوں کے سرخ پوشوں نے ایسی گھائی آگ
 آتشہب سوار سوسن و گلگوں سوار گل
 غو مال چھن کے ہو گئے ان ناکسوں کے تن
 جو جھاڑیاں تھیں جھاڑ کے مانند جل اٹھیں
 کیا وقت پر مدد ملکی فوج نے بھی نکلی
 اس فوج میں سیہ جو گوبوں کے تھے علم
 طاقت تھی بوم کی کہ ہمارے ہو ہم نبرد
 دم بھر میں ہوا فوج ہو گیا میدان اور ہر ہر
 کیا افسر سموم کی چلتی کہ ابر نے
 گر جا جو ابر فتح کا نفتارہ بج گیا
 سامان بزم ہو گیا میدان رزم میں
 فرش زمر دیں جو چھپا سبز زار میں

چکر میں آگئی حسد و چرخ کجمدار
 جنبش ہوئی بڑھے علم سر و جو بہار
 کف تھا دہن میں ہاتھ میں تھی تیغ کو بہار
 ترکاز ترکناز سے محشر تھا آشکار
 تھا زلزلہ زمین کو ہوئے کوہ و عشہ دار
 قطروں کی گولیاں ہوئیں آنکھ کے جل کے پار
 تھے گرم صبت و خیر خس خاک کے سوار
 جل جل کے خاک ہو گئے وہ سیرہ رو نگار
 ایسے بڑھے کہ گہٹ گئے خاشاک کے سوار
 غنچوں کے گل چلوں نے یہ دگی لیونگی مار
 ادراق خشک جل کے بنے پھل پھری انار
 کیا کیا شکار گاہ چمن میں ہوئے شکار
 طائوس سب گھل گئے اُن کو سمجھ کے مار
 کیا زراغ عند لیب سے ہوتا بھلا دو چار
 ذرے چھپے تو خاک کے ابر ہو اعتبار
 ٹھنڈا کیا لگا کے اُسے تیغ آبدار
 تھا شاویا نہ زمرہ قمری و ہزار
 کیا کیا مے طرب کے چلے جام خوشگوار
 مند گھائی برق شقایق نے بوٹے دے

بہارِ سحر
 سحرِ سحر

گلگوں کسی کا رخت کسی کا تھا زنگار
ہر سر و شل سر و حیران تھا نور بار
طاؤس قص کرتے تھے محفل میں بار بار
میناے سبز فام ہر اک سر و جوہر بار
مے پیکے جھومتے تھے وہ مستانِ خوا
بنکر انار چھوٹ گئے ہر طرف انار
جاری ہوا یہ فیضِ مشہد ابر نو بہار
شبنم سے پھول چھنے ہوئے سوتیلے کا ہار
لاکھوں درم تو اشرفیان بٹ گئیں ہزار
ادھر پوچھی وجہ جشن تو یہ بول اٹھی ہزار
زیر لواءے حضرت نواب نامدار
زیبا ہے جس کی شان میں مطلع یہ آیدار

افسر جو تھے سپاہ کے بیٹھے وہ صف بہ صف
ٹھاٹھ تھے روشنی کے کہ ہندی کی ٹٹیاں
مطرب بھی عند لیب نو قوالِ فاختم
غنیے سبوتھے لالہ و گل ساغر شراب
جنش میں باقند سے آتے نہ تھے درخت
ہتائی ماہتاب تو ہر پھل پھلجھڑی
شبنم نے پائے گوہر غلطاں گلوں نے زر
روالِ سرخ و دوش شقایق پہ چار باغ
پھولا گھیں درمنہ کہیں اشرفی کے پھول
دیکھا یہ رنگ مین نے پہنچکر جو باغ میں
پیش اس کی فتح کا ہے جو سپاہ ہے
حامد علی خاں بہادر فلک شکوہ

اس قصیدے میں ایک سو اسی شعر ہیں۔

قصیدہ در تہنیتِ عیدِ اضحیٰ

عید کے پردے میں اللہ کی رحمت آئی
ہر مسلمان سے گلے ملنے سعادت آئی
سال بھر کی تھی جو حسرت پے نصیب آئی
رنگ اڑاتی ہوئی اجاب میں فرحت آئی
لالے کی طرح چنبیلی میں بھی حُرمت آئی

بارک اللہ عجیب نور کی ساعت آئی
رنگ اسلام کا تقدیر کی صورت جہکا
چار سو عید مبارک کا ہوا شور بلند
دل ہوا شاہد ہر ایک چہرے پہ سرفی دھڑمی
لے اڑے پھول بہا خون جو قربانی کا

سرخ پوشاک ہوئی زریں شل چمن
 پیشوائی کے لئے رونق ایمان و طری
 مکمل گئے دولت و اقبال کے سب رواں
 ہوئی سو جان سے قربان بہار گلشن
 لب پہ بکیر کی آواز بنے باندہ احرام
 راحت و فرحت و بھرت کیا دل کا طوط
 نام حج کا جو سنا ہو گئی خلقت بچین
 حج کی شتاق ہوئی طاق ہوئی طاقت جبر
 راستے بندھے کعبے کو وہ جاتی کیونکر
 در دولت پہ جو پہنچی ہوئی پھر پھر کے تار
 ہے وہ کس کا در دولت جو ہے دارادرباں
 جس کی توصیف سے گویا ہے ملائکہ کی پا
 جس کے صدقے میں سلطانین کو ملا تاج و تاق
 جس کی قسمت میں فرید نکال کھا تھا اجمال
 سن کے یہ مین نے وہ جہتہ لکھا اک مطلع

مطلع

اے خوشاوقات کہ سرمایہ رحمت آئی
 پانوں رکھا جو رہ سلطنت آرائی میں
 سایہ بکر لگے قدموں سے کمال اقبال
 دولت عود شرف جس کی بدولت آئی
 دین رہبر ہوا دنیا پہ خدمت آئی
 چتر بکر مسر پر نور پہ رحمت آئی

دلنوازی ہوئی ہمدم کہ ہمتا رہے گی
دستگیری کا جو تھا شوق ازل سے اسکو
خیر خواہی کے لئے خیر کی نیت آئی
اسکی سٹھی میں زمانے کی حکومت آئی
عقل ہشیار تھی جو بہر وزارت آئی
ایسی سرکار کہاں اسکو میرا آئی
اس قصیدے میں (۶۸) شعر ہیں۔

قصیدہ دیگر

واہ کیا اختصارِ اقبالِ ریاست چمکا
سقف و بامِ در و دیوار میں سب پر نور
کہ انا الشمس کی ہر ذرے سے آتی ہے
سطح ہر درختان کی ہے ہر گھر میں ضیا
ہے زمین شکِ فلک سے ہیں شکِ انجم
نور ہی نور پرست ہے جہاں جہم ہر سو
غیرتِ ماضی خورشید ہے زخا از رحل
اٹھ نہیں سکتی ہے اوپر کو چکا چوند سے آنکھ
شمس ہوئی ہیں جہر و شش تو نظر آتا ہے
روشنی کا ہے یہ عالم یہ مٹی ہے ظلمت
اس تجلی کا سبب یہ ہے کہ ہے صد پریش
جس کے چہرے پہ پڑے آنکھ نودل ہو رہا
جس کے اخلاق کی خود خلق ثنا کرتا ہے
یہیں آکر تو روا ہوتی ہے حاجت سبکی
آستانہ ہے اُسی کا تو در دولتِ خلق
بڑے کے سائل کو لیا کرتا ہے وہ دستِ کرم
کہ انا الشمس کی ہر ذرے سے آتی ہے
سطح ہر درختان کی ہے ہر گھر میں ضیا
تأبش نور سے ہے ہر حجر ہر گھر
ہر زمینِ آدمی ایمن سے چمک میں ہے
ابر ہے برقی درختاں تو زمینِ شکِ سما
لکہ ابر یہ ہو تا ہے گماں بجلی کا
غورِ تاجیہ شمس و قمر کا جلا
آئینہ دیکھ کے آتی نہیں رنگی کو حیا
ذاتِ پاک اسکی جو ہے منظرِ انوارِ خدا
جس کی تصویرِ تصویر سے بصیرت ہو سوا
جس کے الطاف کے ہیں لطفِ کرم مدح سرا
یہیں آکر تو ہوا کرتی ہے تقدیر رسا
در دولت ہے اُسی کا تو در فیضِ عطا
ہمہ تن خلق ہے ہر عضو بدن بھی اس کا

اسم پاک اُس کا میں اس کبیر میں لاؤں کیونکر
 لفظِ حامد جو علیماں بہا در سے ملے
 جس پہ سودل سے ہو مداح دم بخ شمار
 حکم جاری ہو اگر لطف و عطا کا اُس کے
 بے یقین گوشہ دامن کو یہ دیر با جھٹکے
 روح افسرا ہے ہوا مہر کی اُس کے ایسی قطعہ
 سر قلم ہو جیسی تن سے تو مثل سر شمع
 گر خرابات میں جا پہنچے کہیں قہر کی آگ قطعہ
 طاق سے اترے تو پھر رنگ میں شیشہ نہ ہوا
 ہے عجب دور کہ دارا کا ہے دور اپنے شمار
 مٹ گیا ہے یہ سعادت سے نحوست کا اثر
 دے اللہ نے ارکانِ ریاست ایسے
 مہر کی آنکھ سے صحرا پہ جو ڈالیں وہ نگاہ
 قہر کی آنکھ سے گر جانبِ ساحل دکھیں
 اقطام ایسا ہے اس دور میں بیٹھا ہے عرب
 ہاتھ کھینچا ہے حسینوں نے بھی آتش سے
 موجیں ڈرتی ہیں کہیں پانوں میں آبلے ہو
 جس طرح شاہ ہے اوصاف میں اپنے بے مثل
 معدنِ جود و کرم مخزنِ الطاف و ہم

نار سا ہے مری قسمت کی طسج فکرِ رسا
 نامِ نامی مرے مدوح کا ہو جلوہ نما
 جس پہ سو جان سے قرباں ہو ہر مدح سرا
 نہ رہے چینِ جبین کا کہیں دنیا میں پتا
 چینِ سوچِ آب سے ہو گرد کے مانند ہوا
 زندہ ہے جس کے سبب نامِ دم جیسی کا
 دوسرا سر ہوئے سر سے اُسی دم پیدا
 ہوش ہو جائیں خراباتوں کی ایسے ہوا
 شیشے سے نکلے تو پھر تاک میں پہنچے صہبا
 ہے عجب عہد سکندر کا ہے عہدِ اپنے خدا
 بیفتہ زاغ سے کیا دور جو پیدا ہو ہوا
 ایک سے ایک جو ہے عقل و فراست میں سرا
 ہے یقین پھیل کے میدانِ ہو ذرا ذرا
 ایک قطرے میں سما جائے سمٹ کر دریا
 اپنے عاشق کا چہرہ اتنا نہیں ملے درو خدا
 تاکہ زبرد سے نزاکت کو نہ پہنچے اندھا
 بوجہ گرداب کی چھاگل کا نہیں اٹھ سکتا
 بے نظیر ایسے ہی اُس شہ کو ملے میں فرا
 عدل میں فرد تو ہیں نظم و نسق میں کیتا

سب کو ہے مد نظر خلق کو راحت پہنچے
 ہے اسی سے تو ہر اک کام میں ہر دم و وقت
 کتنی باتیں ہوئیں اس دور میں ایسی جن سے
 جس طرف جائے خیر و برکت کا ہے ظہور
 ایک بات ان میں سے مذکور یہاں ہوتی ہے
 کہ بنائی گئی ہے ایسی جگہ اک مسجد
 پاس اسی کے وہ بنایا ہے مسافر خانہ
 کیمپ فوجی ہے قریب اُس کے بڑا پیٹھ
 تھی جو منظور غریب الوطنوں کی رحمت
 کہ ضرورت کی ہر اک چیز وہاں ملتی ہے
 واہ کیا مسجد پر نور ہے اللہ اللہ
 طرفہ مسجد کہ جہاں صدق و صفا آئینے
 طرفہ مسجد کہ اگر خواب میں آجائے نظر
 نور کے نقشے ہیں نور کی قندیلیں ہیں
 سڑکوں سجدہ طاعت میں مصلیٰ ہیں جہاں
 اک حکایت نئی لکھتا ہوں میں اس سجدگی
 ابھی تعمیر ہی ہوتی تھی کہ برسات آئی
 تھی جو دریا کے کنارے تو خبر سنتے ہی
 چاہتا تھا اُسے آغوش میں ایسا کھینچے

رہیں تکلیف میں خود ہونہ کسی کو ایذا
 کارخانوں میں اسی سے تو ترقی ہے سوا
 بڑا گیا مرتبہ جود و کرم بذل عطا
 جس طرف دیکھئے ہے نور خدا کا جلوہ
 جس کو سنتے ہی کہے خلق خدا صل علی
 جس جگہ فرض تھا واجب تھا کہ ہو اپنی بنا
 جس میں ہر وار دو صادر کو ملے گھر کا فرا
 کہ حفاظت کے لئے رعب ہے اس کا پہر
 اک نیا گانوں بھی پاس اُس کے بسایا ایسا
 جس مسافر کو جو حاجت ہو وہ ہوتی ہے وا
 نور ہی نور برستا ہے جہاں سہرا پا
 طرفہ مسجد کہ جہاں فرش ہے تسلیم و رضا
 رقص کرنے لگے سون کی جبین پر سجدا
 یاعیاں طور پہ ہے برقی تجلی کی ضیا
 شور و کبیر کہیں ہے کہیں تسبیح خدا
 سامعین اس کو سنیں گوش توجہ سے ذرا
 اور ہوئی بارش باران کرم حد سے سوا
 خوش میں شوق قدسوں کے پانی دوڑا
 کہ جو دیکھیں تو کریں مردم آبی سجدا

موبین میں لبے تو گرداب کریں اس کا طواف
 اس طرف مردم آبی تھے اُدھر تھے خاکی
 اُس طرف آئیں ہاڑوں سے کمک کہ موبین
 بسکہ ہے آدمِ خاکی کو شرفِ آبی پر
 پھیر گیا خاک بسترِ عرقِ غلبت سے
 خاکساروں کو ہوئی فتح نصیبِ آخر
 اللہ اللہ عجیب شان ہے اس مسجد کی
 مومنو تم کو مبارک یہ خلفِ مندی ہو
 جلوہ فرما ہے یہاں آج تمہارا سردار
 جس کی پیشانی پر نور ہے اک آیتِ نور
 اس تجلی کدہ خاص میں اُس کا ہے نزول
 اور ہی نور کا عالم ہے اب اس مسجد کا یہ
 دیکھو اس کے سناروں کو خیال آئے
 ہوئے جسے کی جماعت میں سرکارِ شریک
 میں نے خوش ہوئے کہا سالِ نزولِ احوال
 چاہئے سب کو زیارت سے مشرف ہو کر
 ہے نمائش کی نمود اس کی نموداری سے
 صاحبِ جشن سے ہے جشن کی ساری فہم
 طول اچھا نہیں نازک ہے دماغِ مدوح

پتلی آنکھوں کی بنا سے اُسے قطرہ قطرا
 ساری برسات ادھر اور ادھر زور رہا
 اس طرف موجِ حمایت نے خدا کی روکا
 عرق آگیا دریا کو مگر کچھ نہ ہوا
 پانی پانی ہوا پانی کو نہ کچھ زور چلا
 شکر ہے خاکیوں کے ہاتھ یہ میدانِ ہا
 جس کو لڑ بھڑ کے بڑے سو کے سے جیت لیا
 فتحِ اسلام مبارک ہو بجا وہ ڈنکا
 رونق افرا ہے یہاں آج تمہارا مولا
 ورقِ مصحفِ رب ہے رخِ انور جس کا
 برق سے بڑھ کے بجلی میں ہے جس کا سایا
 برج آتے ہیں نظرِ صورتِ طورِ سینا
 کہ فرشتے یہ اٹھائے ہوئے ہیں ستِ دعا
 رونقِ اسلام کی وہ چند ہوئی شکرِ خدا
 کعبے میں قبلہ حاجات ہیں مصروفِ دعا
 ہرینِ مو سے کہیں صلّٰی علیٰ صلّٰی علی
 جشنِ جمیہ کے مانند جہا ہے میلہ
 ہے یہ میلہ تو براتِ اور وہ اس میں دلہا
 چاہئے تجکو اُمیر اب کہ اٹھا دستِ دعا

جب تلک خاکِ کعبہ کی بنا ہے باقی
یہ ریاست رہے سرسبز عایا آباد
جس قدر جس سے ہو اس عہد میں دولت خزانہ
جب تلک مرجع اسلام رہے بیتِ خدا
نخل دولت شجرِ شوکت و اقبال ہر
بڑھ کے دینا سے ملے اس کو جزا و فرخندہ

قصیدہ ویکٹر

عیدِ اضحیٰ نے دکھلایا ہے وہ لالے کا چمن
عیدِ بہار عیدِ جوانانِ چمن کو پر نصیب
رختِ گل کے لئے ہے محفلِ رنگینِ شفق
چشمِ کی طرح معطر ہے فلک کا بھی مان
عرقِ شرم میں آخر کو ستارے ڈوبے
جا بجا ابر کے لئے نہیں بالائے فلک
طوطی سبزہ نوخیز بھی ہے زمرہ سنج
یکے اٹھتے ہیں بگولے زرِ گل کے توڑے
سبزہ بالائے زمیں روئے فلک ابرِ سیاہ
یوں چمکتی ہے کبھی ابرِ سیاہ میں کبھی
قافلے بوسے گل کے ہیں اتوں کورواں
سوج آواز میں ہے قوسِ قزح کی رنگت
سبزہ آسایں دل اہل تماشا پامال
نظر بند نہ کریں سوئے چمنِ مردمِ چشم
آنکھ خوش چشم لگا نہیں ہیں دہشت سے

کہ شفق لوٹتی ہے دیکھ کے اُس کا چمن
غسل کرتے ہیں بدلتے ہیں نئے پیراہن
اطلس چرخِ بریں بہرِ لباسِ سوسن
عطرِ افشان ہوا بادِ بہاری کا چلن
اس قدر پھلِ جنسِ بلی کے ہوئے چٹکن
سبزہ زاروں میں یہ چرتے ہوئے پرتے ہیں
جب سے آئینہ دکھاتی ہے اُسے ہر چہ
کوڑیا لے سے ہے ایسا متمول ہر بن
سبزہ زار ایک طرف ایک طرف کجلی بن
جس طرح منہ سے اگل دیتا ہے کالا کوئی بن
کیا عجب چاندنی کے فرش میں چٹ جائے شکن
رنگِ جھام سے جو بے فصل بھی گائیں ساون
کبک کہسا کر سیلاب نے سیکھا ہے چلن
اس لئے ننگی ہے ہر صفِ شرکانِ چلن
اس قدر دیدہ نگرس کی ہے تیکھی جیتون

چاندنی میں جو پرزاد کدرا لگا میں
بانٹتی یہ چیمپے کے پھولوں نے سنہری گت
باغ عالم میں ہے یہ نشوونما ان روزوں
کثرت گل سے یہ ہموار ہوئے پیٹ بلند
سبزہ رنگان چمن آنکھ چرا جاتے ہیں
کو چپ گیسو نیل میں یہ شبنم کا ہے رنگ
مسی سوسن کی جو پھیلی صفت پر سیاہ
رنگ لے لیکے اڑی لالہ گل کا جو نسیم
شوق سے ہاتھ بڑھاتی ہے زینحہ بہار
ایسے موسم میں گزرا میں گلستاں کی طرف
فصل گل میں تو خموشی نہیں زیبائے کج
عید کا دن ہے مناسب کہ ہو زمرہ منہ سنج

شاخ آواز سے پھوٹیں گلِ نسرین و سمن
بنگے سونے کے پتلے صنم نسیم بدن
منہ سے ہوتے ہی جدا چھوڑتا پھلتا ہے سخن
کہیں رکتی نہیں چلنے میں بان لکھن
منبر پر نام خدا الکی ہے ایسا جو بن
بھرتی ہے موتیوں سے مانگ کو جسطرح دہن
نالکاش صورتِ طاؤس ہوا چرخ کہن
ہو گیا ابرسیہ کا شفقی سپر امن
یوسف گل کا کہیں پاکستہ ہو ایرمن
بلبلیں بولیں کہ اے طوطی بستان سخن
کہ انگلوں سے نواسخ ہیں مرغان چمن
مدح میں اُس کی جو ہے فخرِ سلطانِ من

اس قصیدے چوتھے شعر ہیں۔
قصیدہ دیگر

ہوئی بہار کے پردے میں عید جلوہ نما
تمام تاج محلِ تختہ زمرہ دے
جو گل ہے نعلِ تواریق اور درِ شبنم
کمند گیسو نیل کی دوش پر کھسکر
جو عندلیب ہے اُسپر ہے شہہ طاؤس
ہزار گل ہوئے ایک ایک شاخ سے پیدا
نموئے سبزہ تر ہے عجب نشاط افزا
چمن دکانِ جواہر فردش ہے گویا
شکارِ کیل ہی ہے دلوں کا بادِ صبا
کلی کلی سے ہزاروں ہوئے ہیں گل پیدا

نہیں مقامِ تعجب جو صورتِ گلشن
یقین ہے آتشِ گل کی لپک سے جلجلا
ادائیں ہیں یہ جوانانِ باغ کی دلکش
عجب طرح کا نمک ہے بسمِ گل میں
وہ نور ہے وہ ضیا چاندنی کے پھولوں میں
کنارِ نہرِ خطِ سبزہ کیسوسنبل
ہو اسچِ نفسِ آبِ نہرِ آبِ حیات
جو چاق ہو نا ہو میار کو یہاں آئے
جو حوریں سیر کو آجائیں چھپکے رضوان سے
عصا بدست جو آئیں یہاں کلیم اللہ
دعا کو ہاتھ اٹھائے کوئی تو واہ رے فیض
یہاں پہنچ کے طبیعت جو رنگ پرانی

چمن میں بھولے پھلے بلبلوں کی شاخِ حمدا
چلے اٹھا کے نہ دامن اگر روشِ پہ صبا
کہ بوسے گل ہے رگِ گل سے مرغِ رشتہ پیا
کہ زخمِ سینہ بلبل کو دے رہا ہے مزا
کہ اسکی شرم سے ہے آفتاب و بقیع
کہ کہانی دیتے ہیں خطلمات و خضر و آبِ قفا
شفایہ کہتی ہے دارالشفاکہاں ایسا
اشارے کرتی ہے یہ چشمِ نرگس شہلا
چہیں وہ جہنم کی ٹٹی میں شلِ برگِ حنا
تولائے شاخِ ادا سنو گلِ یدِ بیضا
وہیں ہو رنگِ اجابتِ حنا سے دستِ دعا
اک اور مطلعِ رنگیں یاں پر آیا

مطلع

ریاضِ ہر میں اندر سے جوشِ نشو و نما
جو لیکے سجھ کرے کوئی ذکر یا رزاق
زباں پر آتے ہی ہوتا ہے ہر سخن سرسبز
ہے ایک جھٹکِ طوبت سے آبِ خاکِ رنگ
جاہے گلشنِ آفاق میں یہ رنگِ نشاط
پہلے آئیں جو گلشن میں جامہ آبی

درِ قبول کا بازو بنا سے دستِ دعا
تو دانے دانے سے نخلِ مراد ہو پید
زمین کی طرح ہے اک سبزہ زارِ مطمح ہوا
نہیں ہے فرقِ تیمم میں اور وضو میں ذرا
کہ ہاتھ سرخ حینوں کے ہیں بزمِ حنا
بنائے ان کو گلانی کہ رنگِ رز ہے صبا

نبین وہ غیرت یا قوت و عمل بیش بہا
 نہیں رہی کسی زنجی کو اکینے سے جیا
 لگا کے آگ یہ پانی کو ڈورنا کیسا
 وہ موج نہست گل کی ہلک کہ صل علی
 ہر ایک سبزہ ہے رطب اللسان شکر خدا
 جو برگ گل ہے وہ آئینہ دار صدق و صفا
 کہ قطرہ قطرہ باراں ہے گوہر کمینا
 برنگ دست خالستہ ہے کھن دریا
 کہ سو جھیں نشے میں مضمون تازہ روح فزا
 کہ جس کا بند سے ہو جائے تا عجم شہرا

انگوٹھیوں میں اگر ہوں نگینۃ الماس
 بدل گئی ہے خیال سے جو ظلمت عارض
 چمن گلوں سے بہرہ کا ہے ابر سے یہ کہو
 وہ رنگ لالہ کہ اللہ سے تری قدرت
 ہر ایک قطرہ شبنم ہے دیدہ حق میں
 جو شلخ گل ہے وہ ہے شمع بزم جن جنال
 درخت کیوں نہیں گلزار میں مرقع پوش
 جا میں گل رنگیں تو موج گل ہو جیں
 مرہ ہے ایسے میں ساقی پلاس بادہ شیش
 کہوں قصیدہ کوئی مدح شاہ عادل میں
 اس قصیدے میں اٹھاؤن شعر ہیں

قصیدہ دیگر

ما قیام آج کی شب مے کا غضب ہے توڑا
 اور انعام میں لے اشرافیوں کا توڑا
 ہے ستم تو نے اگر آج کہیں منہ موڑا
 رعد نے برق کے تو سن یہ لگایا کوڑا
 کہ ہر اک جام پہ ددوں میں تجھے زر کا توڑا
 دختر زر کو پہنا دوں کوئی ہساری جوڑا
 کچھ نہیں مال مرے سامنے ہاتھی گھوڑا

چاندنی رات ہے اور ابر ہے غموڑا تھوڑا
 عید ہے توڑ کے ہر سر خم سامنے آ
 کہوں شیشے کا دھن لب سے ملا دے لب جام
 تو بھی چمکا دے ذرا نشہ مے کا رہوار
 نشہ مے میں وہ دریا سے سخاوت کا ہر جوش
 ڈال دوں گردن بینا میں طلائی کوئی طوق
 عذر دینے میں نہیں ہو تجھے جس شو کی طلب

دام کیا قفلِ مینا نے شگوفہ چھوڑا
 نخل طوبی سے ثمر ہاتھ بڑا کر توڑا
 ہاتھ آجائے جو سلفے کا بھی کوئی کوڑا
 فیل جس کا ہے فلک برق ہے جس کا گھوڑا
 نعل جس کے در دولت کا ہے ہر اک وڑا
 رعب نے بڑھ کے وہیں قلعہ ٹھیکہ توڑا
 تیر جس وقت دم صید گماں سے چھوڑا
 عوض ریزہ زراستہ فیوں کا توڑا
 گہر عین اردوں کے پانی کا نہیں ہے توڑا
 رقص طافوس نے بلبل نے ترا نہ چھوڑا
 شیشہ بادہ ہوتوں کی نعل میں پہوڑا
 منہ بگڑ جائے ہوس جو بنائے جوڑا
 بل گیا کوہ اگر سنگ نے شیشہ توڑا
 پانوں جس کا کہ ذرا حد سے بڑھا سر پہوڑا
 خشک سالی میں بھی پانی کا نہیں ہے توڑا
 قہر بھی لطف کے ہمراہ ہے تھوڑا تھوڑا
 قائم عرش کا چہچہ کا ہے جن کے توڑا
 ننگے کام کہ ہر کام خدا پر چھوڑا
 چاندنی کا نہ کہی کہیت کسی نے گوڑا

سیرِ فردوس کی آئی مجھے مستی میں ترنگ
 کیا تعلق ہے ہوئی جگہ جو درکار گدگ
 اڑا گڑا چسپ کا پھاندے مرے نشے کا
 چاہئے نشے میں کچھ اُس کی کروں میں تعریف
 کون وہ شاہ جہاں بیگم دار اسطوت
 کیا شجاعت ہے کہ جب مکر درپیش ہوا
 شوق سے اڑ کے نشانہ بہرے نسرینِ فلک
 کیا سخاوت ہے کہ سال کو دیا وقتِ سال
 رات دن دستِ کرم رہتے ہیں گواہِ نشان
 کیا شریعت ہے کہ ہر ایک جن میں در کر
 داغ دے آتش ہے ہاتھ میں لگ کر کوئی جام
 کیا عدالت ہے کہ پاتے ہیں سزا اعلیٰ فیہ
 بجھ گئی آگ شہر نے جو حبلا یا پنبہ
 شکیا جس کی بند ہی دستِ نازی پہ کر
 کیا مروت ہے کہ ہر شہ دہن بے ریل
 شانِ جہی ہے ریاست کی وہیں آج سے
 عرشِ فوج و محاکم ہے کہ کرے کیا کوئی صوف
 اس قدر صاحبِ اقبال توکل نے کیا
 دین اللہ کی خواہاں مشقت کب ہے

چھلکے چھوٹے جو کبھی ہاتھ کسی پر چھوڑا
تیز تر ابلق ایام سے بھی ہے گھوڑا
بن پر پہنچا جس سر نے مکر جوڑا
سامعین سنتے ہیں اسے جو سخن پہنچا
حرمت ایک کو ہوا ایک سے ہزاری چڑا
پائے انگشت را قوت طلائی توڑا
دل ترقی طلبیں کا نہ کبھی ہونچھوڑا
میرے سرکار کا آگے رہے سب سے گھوڑا
جس طرح قافیہ میں نے نہیں کوئی چھوڑا

قصیدہ دیگر

حور پر ہے نہ یہ جو بن نہ پری پر یہ پہن
 ادھر مہنی گھاس کی دکھلاتی ہے تازہ چرب
 ہر قدم باغ میں ستانہ صبا کا ہے چلن
 چھپے کرتے ہیں مرغانِ خوش السانِ چمن
 دیکھنے لگتے ہیں فوارے اُہسا گر گردن
 جیسے کھل جا میں جمنا ہی میں حینوں کے دہن
 کہ رخِ ماد کا غارہ ہے غمبارِ گلشن
 کیا عجب سچو نوکی کلیاں ہیں چمنِ مرغانِ چمن
 دامنِ لالہ کی اک بیل ہے سورج کی کرن

اشرفی کی ہے وہ رنگت کہ جو اس کی تپ
 نعل و یا قوت میں پھولوں کی بدولت اصل
 جوہری ریزہ الماس سمجھتے ہیں اسے
 اودے پھولوں کی ادا مٹ ہے یہ نظر نہیں
 تختہ ریمان کا دکھاتا ہے بہار شبِ وصل
 زلفِ سنبل پر اگر چشم تماشا بڑ جائے
 آتی ہے گریہ بلبل پہ ہنسی پھولوں کو
 گردنِ گل میں ہر تھکھی شاخوں کے
 باغباں دولت گزار جو خیرات کرے
 نہاں لانِ گلستاں کا جو عالم دیکھے
 شب کو ہوتا ہے جو ند کو گل و بلبل کا
 جام پھولوں کو تما کرتے ہیں آنکھیں مٹے
 خوش لباسی کی ہے زینت تو گلِ عنایں
 نازِ بلبل کے لئے جائزہ زیبائی گل
 کہوں نہ طاؤس کریں رقصِ خوشی کے آس
 از عرواں بنگے میں کمال سمن دیور کے
 محفلِ خضر و گلستاں ہے نسیمِ حوری
 میکدے پھولوں سے گلزار میں سخنِ انہال
 ایسے ایامِ بہار ہی میں ہے ایسی تاثیر

چھوڑے تانبے پہ جہوں تو بنائے گدگدن
 گل فروشوں کی دکانیں ہیں بدخشانِ مین
 ٹوٹ کر خاک پر گرتا ہے اگر برگِ سمن
 دیکھنے والوں کی آنکھوں کی ہے تپلی سون
 پوست پھولا ہوا دیکھو تو کہو صبحِ وطن
 پتلیاں آنکھوں میں ہوں نافہ آہو ختن
 نرگس باغ ہے گلیں کی طرف چٹکن
 چوم لیتا ہے لب جو کبھی نیچے کاہن
 ٹوکر کی حر کی ہوا آنکھ تو پلکین امن
 کھو لکر آنکھ نہ دیکھے کبھی دو لہا کو دھن
 شمع پروانہ میں رہتی ہے سحر تک آن
 تاک شیشے بھی لگاتے ہیں اٹھا کر گردن
 کج کلاہی کی جو چھو تو ہے غنچے میں سپن
 طوقِ قمری کے لئے سرور کا میا ختین
 باغ میں ابرہاری سے جو برس کنین
 آم کی طرح ریشیلے ہوئے ہیں سیفِ تن
 غیرت شمعِ گلِ سرخ میں اتھالے ہیں لگن
 جامِ خندہ زناں شیشہ مئے ہفتہ زن
 پھول کا نام جو لے کوئی تو خندان ہو دھن

دست انداز جو مشتوق ہو گل بازی میں
 رات کو شمع اگر باد بہاری سے بجھے
 مثل طوطی چہستان میں جو پرواز کرے
 شاخ ششیر میں یا نند سپر پھل کھلیں
 جوش ویدگی ایسا ہے کہ ہوتا ہے گماں
 چائیں شبنم جو گزندے تو ہو ماہیت قلب
 عطر مٹی کا رصنائی میں ملے کوئی اگر
 پھولوں میں فصل بہاری کے یہ عطر پیچے
 دشت میں قدرتِ خیاط بہاری دیکھو
 جنبشِ برگ گل تر میں ہے دف کی آواز
 جو نہ رکھتے تھے کبھی سیر و تماشہ سے غر
 اے خوشا چشم میر ہے جسے لذت دید
 باغ میں سیر کرائے ہیں وہ نازک اندام
 چال آفت کی قیامت کی ادا ظلم کی آن
 چشمِ فقاں کو اگر غور سے دیکھو تو وہ ترک
 رخ شاداب ہے یا لالہ احمر گل مسخ
 گردن چشم کا عالم اگر آجائے نظر
 تذکرہ گوہرِ زنداں کا لے لے ب تک
 ادوسے ادوسے وہ دوپٹے کہ جو دیکھے بجلی

ہاتھ میں پھل کا گجرا ہو جیڑاؤ کنگن
 عشق پیچاں ہو دیوانہ دنگل میں کھینچنا
 زانہ ہریل ہو ہوا لگتے ہی نہرک ہو غن
 نہر گلشن میں جو حداد نہجائے آہن
 سنگدانے سے عنادل کے ہر گلوشن
 غنچہ ہو عقرب جبارہ تو سنبل ناگن
 دائیہ پنیہ سے پیدا ہو گل نستر دن
 کوئی چھلکا رہی جو پیچھے تو مسطر ہو بدن
 پھولوں سے دامن صحرا پہ بنائی ہے چکن
 بال پرواز غنادل میں صدائے اغن
 ہیں وہ برگس کی طرح محو تانا ہمہ تن
 سزا شجوار میں ہے سبز خطوں کا جوبن
 میں جو شمشاد قد و لالہ رخ و غنچہ دہن
 تیزہ خولی کا نگہ نسیم کا خجہ جوبن
 جس کا ہر سوے مژدہ مادک فواد شگلن
 زلف پر سج ہے یا سنبل رشک غن
 جام نے آنکھ جھکالے تو صراحی گردن
 آب کوہر سے صدف دھوے نہ جھک نہ ہن
 نکل آئے ابھی بادلیں کھٹکے کہ بھڑ

غش کرے کا ہستان دیکھ لے کرتی کی بنت
کوئی چوٹی میں یہ ٹپھے کا نہ سمجھے سربان
بزم آراستہ وہ گانے بجانے کا سماں
وقت عشرت کا ہے کر دے کوئی ساتی کو خیر
باندھے گردنِ خورشید کو انگیا کی کرن
زلفِ سنبل سے ہیں لپٹے ہوئے وراقین
زادہ گوشتِ نشین آئے تو ہو تو بہ شکن
کبک کے ساتھ مناسب ہے بطامے کلین

مطلع

ساقیا شیشے سے کہہ دے نہ رہے پندہن
موسم گل ہے گلِ عیش سے بھر لیں امین
مے کے پرہیز ہے جن کو وہ ہوں پیشین
مے میں ڈوبے ہوئے میخوار ہیں لگزدن
اڑ چلے ہر بطامے ہمرہِ مرغانِ چین
سروہ و دیک کا لگے جس سے کہ یادِ وطن
کانِ شقائق میں سب کے سننِ صوتِ حسن
جلوہ ساغر و تینا اوسبوتو بہ شکن
تو ملیں ایسی کہ لیلیٰ کا تصدقِ جبین
کہ میں قلب اسل کسیر سے ہو گا کندن
کبک کی طرح صراحی ہے کہیں قہقہہ زن
بادہ شبنم ہے تو ساغر گلِ نسرینِ سخن
روح جامی کی کہے اسمیں نہیں چلے سخن
قبر سے ہاڑ کے نکلے ابھی جمشیدِ کفن
سکان میں منتظرِ قفلِ میناے سخن
جام پر جام چلے دور مے سحر کا ہو
ہو مہ قفلِ مینا کی یہ گلشن میں بلند
بھرے میں یہ تالطم ہو کہ مانسہِ جباب
پیر و از لنگار سے جو اٹھے موجِ شراب
دفِ طنبور کی ہو چھیر بجیں بر بطافنے
لطف تب ہے کہ چھڑے آج حسینی کا مقام
جمع میں ستِ قدحِ نوشِ خراباتِ نشین
وہ تے تے کہ شیریں سے ہے جکوشکرا ب
قولِ شیشے کا ہے ستوں سے کہ پی لوی لو
بطامے جلوہ طادوس دکھاتی ہے کہیں
سرد ہے صورتِ مینا تو صراحیِ غنچے
ہر گِ گل کو اگر مستِ خطِ جام کہیں
خیلاسِ بزم کی پہنچاے اگر یکِ سیم

خاک کھائے جو صحبت کہیں نہواں دیکھے حور سے بڑھ کے ہے شیشے کی پرکائی چین
اثرِ بادِ بہاری نہیں یہ جو پیش بہار بلکہ ہے بارشِ ابرِ کرمِ فخرِ زین

مطلع

کون وہ فخرِ زین بادشہ ملکِ دکن نامِ نامی صفتِ مہر ہے جس کا روشن
میر محبوبِ علیٰ خاں بہادرِ جمہاں جس کے دربار میں حبشہ کی خم ہے گردن
اس قصیدے میں (۱۵۸) شعر ہیں۔



واسوخت

واسوخت لکھنؤ کے مرغوبات میں سے ہے اور لچپ چیز ہے وہاں ابتدا اسکی امانت نے کی اور اچھا واسوخت کہا۔ پھر سحر شاگردِ ناسخ نے آفتابِ سخن کو چمکایا ان واسوختوں کی شہرت نے شعرا کے دل میں آگ لگا دی قریب قریب ہر ایک گرم طبع نے واسوخت کہا۔ امیر نے جب یہ گرمی دیکھی وہ بھی متوجہ ہو گئے اور چھ واسوخت علی الاصل تصنیف فرمائے۔ ہر ایک واسوخت ایک حصہ حیثیت کا گانہ رکھتا ہے۔ اور اعلیٰ شاعری کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ امیر نے ہر واسوخت کا نام تاریخی رکھا ہے۔

پہلا واسوخت۔ واسوخت اردو۔ دوسرا۔ نسکایتِ رنجش۔ تیسرا۔ غبارِ طبع۔ چوتھا۔ صدغیا۔ پانچواں۔ صفیرِ آشبار۔ چھٹا۔ بانگِ اضطراب ہے۔ یہ سب ایک ہی ہمال کی گویائی ہے۔ اور زورِ طبع کا گویا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہر واسوخت میں پر زور مضامین کے دریا ہراتے نظر آتے ہیں اور ان میں سراپا کے تشبیہات و استعارات سحر و عجاز کا ثبوت دیتے ہیں۔

سب واسوختوں میں (۴۹۷) بند ہیں یعنی (۱۲۹۱) شعر ہیں کہیں کہیں تھوڑے تھوڑے بند نقل کئے جاتے ہیں۔

عشق کے فتوحات

دھوم بے خسروِ تسلیم جنوں آتا ہے ۔ فوجِ غم ساتھ ہے آمادہ خون آتا ہے
خل اندازِ نصفِ صبر و سکون آتا ہے ۔ صاحبِ لشکرِ نیرنگِ فسون آتا ہے

قابلِ دیدہ تماشا حشم و جاہ کا ہے
داخلہ تختِ گدہ دل میں شہنشاہ آتا ہے

وہ فلکِ قدرِ شہنشاہِ زمین کون کہ عشق ۔ تیزن تیرِ فلکِ قلندِ شکن کون کہ عشق
رستمِ معرکہ رنج و محن کون کہ عشق ۔ مالکِ ملکِ دل و جان و بدن کون کہ عشق

گر د میں ہے روشِ بادِ بہارِ می کیہو
حضرتِ عشق کی آتی ہے سواری کیہو

لودہ آتا ہے جو ہے موجدِ نیرنگِ فسون

جس کے آگے سیرِ تسلیم و دِ عالم ہے نگوں

جب یہ شمشیرِ دمِ جنگِ علم کرتا ہے

سیرِ جلالِ فلک کو بھی قلم کرتا ہے

اُس کی آمد ہے جسے کہتے ہیں قتالِ ہاں ۔ اُس کی آمد ہے جو مشہور ہے چنگِ زمان

اُس کی آمد ہے جو کرتا ہے گلِ عشقِ خزاں ۔ اُس کی آمد ہے جو ہے سرِ شکنِ تابِ توان

تغ کیچنے ہوئے سرِ گرمِ عتاب آتا ہے

لوٹ الموت بھی ہمراہِ رکاب آتا ہے

کیا جلوں اسکی سواری کا دکھاتا ہے بہار ۔ فیلِ آفت کے جلو میں ہیں ستم کے رہو

آگے آگے علمِ ناکہ خورشیدِ نثار ۔ زرفشاں میں کلا پھیرا کہ دھواں اتار

دل جو ٹوٹے ہیں نقیبِ آہ کے لکارے ہیں

سلطانِ عشق کی توبہ کی
پیشانی - سوار کا تیرن
اقتدار - استقبال
نہرا کی باری غنچہ
نہرا کی کاہنام
ملت و خطبات وغیرہ
کی تصویر میں جو
کچھ بھی ہے اس کی
سج سن آفت کا
حصہ ہے۔ ۱۱

آبلے سینہ عشاق کے نقارے میں
 حشر میں کشتہ میں جس کی وہ تلوار ہے یہی
 پہلوں جس نے پچھاڑے وہ دلاور ہے یہی
 ڈوپٹے جس نے نکالے وہ شنوار ہے یہی
 کشتیاں جس نے ڈبوئیں وہ سمندر ہے یہی
 خضر کا غرق ہے یاں آج نہیں کل بیڑا
 نوح لائیں جو سفینہ نہ لگے تھل بیڑا
 کہو آراستہ بازارِ محبت ہو جائے
 وحشت آبادِ غم و درد کی زینت ہو جائے
 چمکیں آنکھوں کی دوکانیں نہی صورت ہو جائے
 خانہ خانہ حسرتِ الٰہی کی مرست ہو جائے
 صاف ہو دل کا صفاں جشن کی تیاری ہو
 کمرے کمرے میں گلِ داغ کی گلکاری ہو
 چشم تراشک کا چھڑکا دکرے بر سرِ راہ
 صرف جار و بکشی زلف سے ہو بختِ سیاہ
 غم و اندوہ کی استادہ دورِ دیہ ہو پیاہ
 دوڑ کر لائے خبر جلد کہو پیکرِ نگاہ
 ہے ابھی دور کہ پھونچی ہے سواریِ نزدیک
 کس قدر باغ سے ہے بادِ بہاریِ نزدیک
 چاہتے آتے ہی جیشن کا سماں ہو جائے
 جس کو حبشہ بھی دیکھے تو لپشماں ہو جائے
 دلِ صد چاک کا آراستہ ایواں ہو جائے
 فرشِ زخمِ تنِ مجروح کا داماں ہو جائے
 پنجشائے جو کنارِ دنیہ گڑیں مالوں کے
 جھاڑِ فانوس کنولِ نرم میں ہوں جھالوں کے
 دویہ پر یوں کھ صدا قاف سے اڑ کر آئیں
 ساتھ دیوانوں کو سازِ ندوک کے بدلے لائیں
 ہچکیاں لینے لگیں بڑے ترانے گائیں
 رقص آئیں تو اندازِ نئے دکھلائیں

پھٹکے ہر عضو بدن طائر بسمل کی طرح

کاتتے راہ چلیں خجسہ قاتل کی طرح

تہنیت کی یہ ہر اک سار سے نکلے آواز تم سلامت رہو تابع ہوں عراق اور حجاز

وہ بھی قائم رہیں شہزادے جو ہیں سوز و گداز حسن جو آپ کی محنت قد ہے عمر اسکی دراز

آپ کو وصلت جانا مبارک شاہا

خلق کو مرگ جانا مبارک شاہا

مے کشی کا جو خیال آئے تو مے خون جلگہ دور پیمانہ دکھائے کوئی پھر جاے جو سر

جام وہ جنگو کہیں غیرت خورشید و قمر ساغرِ جم کی طرح آئینہ عالم کی خبر

وسعت ظرف سے دور واکہیں امید کے ہوں

چرخ کا خم ہو پیالے مرد و خورشید کے ہوں

جوشِ مستی میں جو ہو فیضِ رساں طبعِ غیور منہ خزانے کا کھلے نورِ کرم کا ہو ظہور

پائیں انعام ہو اخواہ ہوں نزدیک کہ دور بہرہ ور ہوں درِ مقصود سے خدامِ ضرور

دلِ غِ حسرتِ عوض در ہم دینار بٹیں

ڈھیروں آتشوں کے گوہر شہسوار بٹیں

جامہ زینو کو لمیں خلعتِ عریانی تن اطلس گرد ہو کتاب کی جازیب بدن

زخمِ پر زخم و دشاہ ہو برائے گردن مدح گو کا درِ تحسین سے بھرا جاے دہن

دلِ غ کی سب کو سپر آہ کی شمشیر لے

وحشت آبا و بنون خیز میں جاگیر لے

ہار زخموں کے بٹیں باغِ طرب ہو شاداب تیغ کے مالے ہوں تقسیم کھلے فیض کا باب

خاص لوگوں کے بڑ ہیں تبے عنایت ہو خطا
ہوں خطاب ایسے کہ جو ایک کا ہو ایک جواب

میرزا یاس مخاطب بہ طلیس الدولہ

میر حرمان ہوں مخاطب بہ انیس الدولہ

ہو چکے جن تو خاصے کا بھی پھر ہوسا ماں
ہاں چنے جائیں وہ خاصے جو ہوں نیا جہاں

میز پر طرف ہوں انجم کی طرح نور فتاں
لائیں حوروں سے کہو مائدہ باغ جہاں

چرخ کے خواں سے بھی نعمت انوار کئے

نانِ خورشید پیور میرے تا باں آئے

مرغ جاں آتشِ حسرت سے ہو بل بھلے کباب
شلغم آبلہ دل میں و سلوی کا جواب

خشک مغزی کا وہ خشک نہ رہے دیکھ کے آئے
نحتِ دل خونِ جگر کی ہو نہاری نایاب

تافانوں کی جگہ داغِ زبوں حالوں کے

کو فتنے نحتِ جگر خواجے پختِ لوں کے

آتشِ خوں وہ کہ نہو سیر کسی کی نیت
میر چمنوں کو ملے لقمہ غم کی لذت

زخم پر چھڑکے نمک جو نکلیں ہو نعمت
لبِ نمان وہ کہ لبِ تیغ کی ہو جس بے صفت

کارِ حلو اثرِ زہرِ لال ہو یہاں

شورِ بآبِ دمِ خنجرِ قاتل ہو یہاں

بعدِ خاصے کے لگے چھٹتے وہ آتش بازی
لگا اٹھے آگ کرے چرخ بھی برقِ اندازی

مہو تماشا کہیں فیلوں کی دغا پروازی
چل کے مائوس کریں چار طرف طنازی

چرخِ نالے کی ملے گتہ دولابی سے

رات ہو روزِ رخِ زرد کی تہتابی سے

قلعے کا غد کے جہاں نصیب ہیں ہوں اتنا تبار آگ کر لے کر ارض کو دوم بھر میں حصار
 صفتِ سرور چراغاں ہوں شراب بار بار جیسے پرواز کریں نالہ عاشق کے شرار
 چمکیں چھالوں کے تباہ سے کہیں خبر کی طرح
 چادرِ اشک لگے چھوٹنے چادر کی طرح
 ہوئی القصہ جو دعوت سے فراغت حاصل سائے اسبابِ ضیافت سے فراغت حاصل
 شرطِ جہانی و خدمت سے فراغت حاصل عطر سے بیان سے شربت سے فراغت حاصل
 عیش و عشرت کا نظر سب سر و سامان آیا
 بعد دعوت کے دومِ رخصتِ مہاں آیا
 کشتیاں پیش جواہر کی ہوئیں بوتلیوں جس پہ قرباں کرے گوہرِ انجم گردوں
 سرخ یا قوت ہزاروں صفتِ قطرہٴ غوں چہرہٴ زرد کے کچھراج بھی گنتی سے فروں
 لختِ دل لعل تھے نلیم تھے کہ تھامے تھے
 تارا شکوں کے نہ تھے موتیوں کے ماتھے
 خسر و عشق کو آیا دمِ رخصت یہ خیال دل کی اقلیمِ حقیقت میں ہے زریز کمال
 معتدل آب و ہوا جس سے طبیعتِ نہال چھوڑے کیوں سے دولت سے یہ ہے ٹال
 قطعے قطعے میں طربِ نیری گلشن ہے یہاں
 گوشے گوشے میں زردِ داغ کا خرن ہے یہاں
 صبر نامی ہے جو اس کشورِ آباد کا شاہ کیجئے قیہ کسی طرح اسے رکھکے گناہ
 اسکو پوشیدہ خبر اسکی جو پہونچی ناگاہ نہ تھے پانوں کہا دل میں کہ اتنا رند
 رعب غالب یہ ہوا ڈر کے وطن چھوڑ دیا

خونِ صیاد سے بلبل نے چمن چھوڑ دیا

کشتور دل میں جہاں نثار ہو چنبرِ عشق مالکِ دولت بیدار ہو احسنِ عشق
رواقِ اندر ہو باد ہو احسنِ عشق تاجِ کا تخت کا مختار ہو احسنِ عشق

نامِ خطبے میں کیا شاہ نے اپنا جاری
کشتور دل میں ہوا داغ کا سکتا جاری

ظلم و بیدار پہ جب نیتِ شاہی آئی لٹ گیا ملک رعایا پہ تب ہی آئی
آخر اندھیر ہوا یہ کہ بلا ہی آئی خون سے سرخی ہوئی ہو قوفِ سیاہی آئی

داغِ وحشت کی نظر جلوہ گری آنے لگی
پاسِ دیوانے کے خلوت میں پری آنے لگی

مائلِ دید ہو سے دیدہ ویدار طلب دل تماشا سے سراپہ اسرار طلب
لبِ ہوسے ذائقہ بوسہ رخسار طلب مرغِ جاں کشمکشِ طرہ طرار طلب
دقتاً سر میں بھری سارے زمانے کی ہوا
دشتِ وحشت میں ہوئی خاک اُٹنے کی ہوا

خوابِ جلوہ محبوب ہوئی پہلو کو حسرتِ زانوِ محبوب ہوئی زانو کو
دھیانِ آیدلِ سودا زوہ گیسو کو سو نگہ سے چل کے کسی کا گلِ عنبر بو کو
عمر بے صحبتِ محبوب کٹے خوب نہیں
زینتِ کالطف بجز صحبتِ محبوب نہیں

عشق کے صفات

عشقِ عشاق کو رموں جہاں کرتا ہے صاحبِ ضبط کو سرگرمِ فغاں کرتا ہے

چشمہ ختم سے سیلاب رواں کرتا ہے زرد چہرہ صفت برگِ خزاں کرتا ہے

نوجواں خمِ صفت پیرِ کہنِ سالِ ہوئے
سیکڑوں باغِ جوانی تجھے کہ پامال ہوئے

ابں خزاں نے کئے پامال گلستاں کیا کیا ہونے برباد گلِ ولالہ دیرِ سماں کیا کیا
جسمِ داغوں سے بے سرو چرغاں کیا کیا استخوانِ جل کے ہوئے مثلِ سوزاں کیا کیا

پھونکنے کا ہے دو عالم کو حسرا رہ اسکا

سات دوزخ نہیں ہے ایک شرارہ اسکا

یہ وہ ہے آگ بڑے اُسیہ تو پتھر جلجائے طور کی طرح تر و خشک برابر جلجائے

دامنِ موج تو کیا پانی کی چادر جلجائے پر پروازِ صفت بالِ سمندر جلجائے

شعلہ افگن ہو یہ بجلی تو کرے خاکِ سیاہ

چل کے اکدم میں ہوں نہ خرمینِ فداکِ سیاہ

مفتِ یوانہ نہ ہو عقل جو رکھتا ہو بشر تا بمقدور کرے سائے سے پر یوں کے حذر

پوچھئے حق تو پرچواں کے یہاں جلتے ہیں کیا کرے جب نہ دوا ہیں نہ دما میں ہوا اثر

نقشِ تجوید سے یہ جن نہ اترتے دیکھا

ہو گیا جس کو یہ آسیب اُسے مرتے دیکھا

دل لگاتے ہی ہزاروں ٹپری جانوں کی سیکڑوں چھان چکے خاکِ سیاہانوں کی

دبجیاں اڑ گئیں کیا کیا زگریبانوں کی جس جگہ دیکھئے ٹکڑی ہے پریشانوں کی

کچھ غیبِ بزم ہے یہ لوگ جہاں مٹتے ہیں

چار سر پہنچتے ہیں چار کھڑے رہتے ہیں

پھاڑ کر پڑے ہوئے جاے سے باہر کتنے
چھان کہ خاک ہوئے خاک برابر کتنے
تشدیب و بمرے چاہ میں گر کر کتنے
غرق دریا ہوئے تھک تھک کے تندر کتنے

دب رہا کوئی سیہ خانہ زنداں کے تلے

کوئی روتا ہے کسی نخلِ بیاں کے تلے

تنگدستی کے نقطہ ہاتھ نہیں ہیں تہ رنگ
صاحبِ دولت اقبال بھی جینے سے پر تنگ
چار پالش کی نہ رونق ہے نہ زیبِ درنگ
جان پر تنگی ہے تیغِ ادا کے چورنگ

دشتِ پیما میں کسی طرح کا دھواں نہیں

پانوں میں آبلے ہیں گنجِ گہراں نہیں

حالِ انسان کا اسی غم سے زبوں ہوتا ہے
یہی صدمہ سببِ جوشِ جنوں ہوتا ہے
سراسی بارِ مشقت سے نگوں ہوتا ہے
آبِ زہرہ تو جگرِ جشمِ خوں ہوتا ہے

ٹوٹ جاتی ہے کمرِ صبر و شکیبائی کی

راہ لیتے ہیں قدم کو چھ رسوائی کی۔

پاسِ ناموس کا رہتا ہے نہ غیرت کا خیال
دل سے اڑ جاتا ہے پیرِ نامیِ دولت کا خیال
پندِ ماسح کا نہ واعظ کی مذمت کا خیال
دشتِ پر خار کا یادِ ادویِ وحشت کا خیال

جوشِ کم سنگِ طامت کا کہاں ہوتا ہے

تیغِ وحشت کو یہی سنگِ فسان ہوتا ہے

بیگناہوں کی اسی کوچے میں مٹی ہے خراب
داؤ خواہوں کو یہاں نصرت سے طاق ہے جواب
آگِ بن بن کے جلائی ہے کلچایہ شراب
ہر نفسِ سنجِ تہرِ نعتِ جگرِ شکلِ کباب

حالِ ہوتا ہے زبوں ہو تیغِ نشان میں

آدمیت سے گزرباتا ہے انسان میں عاشق کی حالت

الحذر جوشِ جنوں سلسلہ جنباں پھر ہے الا ماں خاطرِ ناشاد پریشاں پھر ہے
دامنِ ادا دی وحشت مراد اناں پھر ہے جادہ دشت مرا چاکِ گریباں پھر ہے

موج اشکوں کی نظر آتی ہے زنجیر مجھے

پیچ تقدیر کا ہے طوقِ گلو گیسر مجھے

تنگ ہوں شہر سے الفت ہے بیاباں مجھے خفقان ہوتا ہے گلگشتِ گلستاں سے مجھے
اپنے کپڑے نہیں کم خانہ زنداں سے مجھے طوقِ وحشت نے پنچایا ہے گریباں سے مجھے

حلقے آنکھوں کے نہیں ضعف کی تصویر ہیں

جسمِ لاغر میں رگیں جتنی ہیں زنجیر میں ہیں

شدتِ گریہ ہے اشکوں کی نساواں ہے کشتیِ چرخِ تنگ کشتیِ طوفانی ہے

شوقِ دل مستعدِ سلسلہ جنباں ہے آہِ پروردگار زنجیرِ پریشانی ہے

تیغِ افغاں جو کھنچے شرم سے بھکی کٹ جائے

شورِ ناؤں کا سنے رہ مدد کھجا پھٹ جائے

دل کی وحشت ہے یہاں تنگ ہے صحرِ سحر رنجِ محنون کی گریزاں ہے ہرے سائے سے دور

شورِ زنجیر سے ہے چار طرف شورِ نشور نالاکشِ دل نہیں پھونکا ہے سرفیل سے صو

لبِ پرآہ آئی اگر خلق پر آفت آئی

مردے قبروں میں یہ چلائے قیامت آئی

اتو جو پھر سے نمایاں ہیں یہ وحشت کے اثر ڈر کے اڑ جاتے ہیں طائر بھی ہیں طاہر بھی ہیں

ہیں مدامی صورت سے فقط جن بشر راہ سے خار تک اڑ گئے تاگن مینکر

دیکھے وحشت تو رمیدہ ابھی ہو ہو جا

پڑہ کے نام اپنا جد ہر چھوین کروں ہو ہو جا

معشوق سے شکایت

یاد امام کہ شوق کا یہ انداز نہ تھا جلوہ حسن ادا حوصلہ پرواز نہ تھا

شمعِ فانوسِ بیاں شعلہ آواز نہ تھا اک جہاں کشتہ تیغ نگہ ناز نہ تھا

آکھیں خورندہ تھیں خنجر قاتل کی طرح

لوٹتے تھے دلِ عشاق نہ بسل کی طرح

پانوں پر دے نہ نکلاتھا تہارا باہر صورت آنہ تھے خانہ نشین شام و سحر

صحن تک بھی تھیں دالان سے آتا تھا سحر ڈرتے ڈرتے کبھی جاتے تھے اگر جا بجا

دیدہ نقش قدم سے تھیں نکلتے تھے

دیکھ کر سائے کو ہمراہ جھپک جاتے تھے

آگہی زیب سے تھی تم کو نہ زینت سے خبر مٹی ملنے کا نہ لپکتا تھا نہ سرے پتھر

ہاتھ منہ دی سے نہ تھے پتھر جہاں اکثر آتش زہابِ حنا سے نہ جلاتے تھے جگر

دامن زلفِ تاکِ دستِ شانہ نہ تھا

آئینہ پر تو عارض سے پریشان نہ تھا

سیکڑوں آنہ حسن کے حصار کب تھے لاکھوں گیسو سے پریشاں کے پریشاں کب تھے

اتنے وحشت زدہ زگر سرِ فاک کب تھے اس قدر شتری سبب زرخداں کب تھے

کو چپوں آٹھ پہر صبح کا بازار نہ تھا

تم تو یوسف تھے مگر کوئی خریدار نہ تھا
 کون تھا میرے سوا چاہنے والا صاحب
 خانگی ماہ تھے تم اور میں ہلا صاحب
 میری چاہت سے ہوا رتیدو بالا صاحب
 میری بدنامیوں سے نام نکالا صاحب

فلکِ مین نے بیتِ حُسن میں تب طاق ہو
 نئے مضمون کی طبعِ شہرہ آفاق ہو
 سیرِ پرچم کو نظر تھی نہ تماشے پہ نگاہ
 ماہِ تابانی پہ نہ چڑھتے تھے کبھی شام و گجہ
 مثلِ یوسف کبھی دیکھی تھی نہ بازار کی اُ
 بلکہ خورشید نے دیکھا تھا نہ ساری ماہ

شہِ خیال طبعِ مبارک میں نہ بہا رہیں
 کھڑکیاں گھر کی کبھی جانبِ بازار نہ تھیں
 اب جو ہر بات میں یکتا ہوے اشار اللہ
 مائلِ سیر و تماشا ہوے اشار اللہ
 عریضہ جو ستم آرا ہوے اشار اللہ
 غیر تم غیر احبا ہوے اشار اللہ

جگہ سے آپ کی محفل میں سے رہتے ہیں
 منتظر ہم بس دیوارِ کھڑے رہتے ہیں
 دل میں سوچو کہ طرہ دار بنایا کس نے
 اس طرح کا تمھیں عیار بنایا کس نے
 دلبرِ یادِ یکے دل لے یار بنایا کس نے
 سارے معشوقوں کا سردار بنایا کس نے
 کب سلیقہ تھا تمھیں بیتِ مزیابی کا
 کس کے صدقے میں یہ شہرہ ہوا عنائی کا

سارے احسان مرے نامِ خدا بھول گئے
 ذائقہ ہر کا الفت کا مزا بھول گئے
 بے وفائی یہ پلے راہِ وفا بھول گئے
 پچھلی باتوں کو تم لے لے لقا بھول گئے

ایتودل اور دماغ اور ہے شان اور ہی
 آن بان اور زبان اور بیان اور ہی ہے
 رات دن صحبتِ اختیار ہے اللہ اللہ
 دل میں پامال وہ رفتار ہے اللہ اللہ
 گھر میں ہنگامہ بازار ہے اللہ اللہ
 دم نکلتے ہیں وہ گفتار ہے اللہ اللہ
 آئیں اجابِ قدیمی : اجازت ہی نہیں
 آنکھی چوٹی سے کسی دم تخصیصِ فرصت ہی نہیں
 بزمِ بہت ہوئی اب عتیق کے بیمار ہیں سب
 نرم بازارِ دایمہ وہ بیہوشِ مطلب
 درودِ دل در و جلر سو در وں خشکی لب
 آنکھیں بیماروں کی پیشِ شربتِ یدار طلب
 خوش و ساز میں بنائی ہے عطار و نکی
 ڈولیاں روزِ حلی آتی ہیں بیمار و نکی
 روزِ چھب چھپ کے چلے آتے ہیں غیرِ دیکھیہ نام
 اُن سے ہونے ہیں اشار و نہیں نکاوٹ کے کلام
 کشتیاں ہمیں بدل کر تحصیل کرتی ہیں سلام
 حال آئندہ ہے چاہوں تو کہوں نامِ بام
 خط یہ خط آتے ہیں پوشیدہ نہیں روزِ پیر
 خط یہ خط آتے ہیں پوشیدہ نہیں روزِ پیر
 میٹھے رہتے ہیں کسو تر ترمی دیواروں پر
 رات دن صحبتِ اختیار ہا کرتی ہے
 بزمِ انہیں لوگوں سے بازار ہا کرتی ہے
 طبعِ تم سے مری نیزار ہا کرتی ہے
 گریزِ غمِ سچ میں دیوار ہا کرتی ہے
 خیر کیا واسطہ بہتہ ہو اگر جس سے تم
 نازاٹھو او یہ سچا کسی دُور سے تم
 ۱۔ بہت اچھی ہوئی گفتار دُور اور سنو
 ۲۔ ہم رکاوٹ کے سزاوار دُور اور سنو
 ۳۔ سیرِ فہم سے ہم بار دُور اور سنو
 ۴۔ ہم سے اکھڑا ہوا کی رفتار دُور اور سنو

دور غم ہے ہیں یہ سرکار کی انانی سے
 ایسی چالیں رہیں صاحب کسی ہرجائی سے
 خیر کو جو نہیں پاس ہمارا صاحب بحر الفت سے کیا ہم نے کنار صاحب
 کہیں البتہ اگر دل ہے تمہارا صاحب سلسلہ قطع ہے۔ کب ہے یہ گوارا صاحب
 آپ کے دل میں محبت کا اگر نام نہیں خوش رہو خوش رہو بند کو بھی کچھ کام نہیں
 بد بلا تم ہو تو ہیں ایک بلا کش ہم بھی برق دس تم ہو تو پر کاڑا آتش ہم بھی
 تم کو پر دانا نہیں تو تم پہ نہیں غش ہم بھی دھونڈہ لینے کو فی محبوب پر ویش ہم بھی
 دل ہے بلبل تو کہاں جہرہ گلزنگ نہیں پانوں میں لنگ نہیں تانگہ آنگ نہیں
 بہر خواص عین میں در غلطیاں لاکھوں پھول گلشن میں بہت قاف میوں لاکھوں
 دل ہی دینا ہے جو منظور تو خواہاں لاکھوں ماہر وزیر جمیں جہرہ درخشاں لاکھوں
 جس گھٹا کون ہی جا ماہ جینوں کا نہیں شہر آباد ہے کچھ کال حسینوں کا نہیں
 ڈھونڈ کر کوئی طرح از کالوں ایسا تم بھی دیکھ تو کہہ صلت کی جلتی ملی
 ذرہ تم سانے اس کے ہو وہ خورشید لقا کمر ناصیہ ہو خورشید کے پہنچیں سہا
 فخر خوبان جہاں صفت صبح اجازت کب بھی ہو اپنے غم سے کی طرح و تائب پاک بھی ہو

سراپا

شعر کہتے ہیں وہ مانگ ہے سلاگ گہر یا کھنچا ہے محکِ حسن پہ کوئی خطِ زور
یا یہ ظلمات میں جاری ہوئی نہر کوثر کہکشاں یا شبِ دیجوریں آتی ہے نظر
شاید کہتا ہے زباں سے یہ نیا پہلو ہے
اُسی کے سر کی قسم صبحِ شب گیسو ہے

آفتِ جاں جو وہ گیسوے رسا میں دنوں دل پھنسانے کے لئے دامِ بلا میں دنوں
دیکھ لو سلسلہِ جور و جفا میں دنوں ایک صیاد میں ہر چند دو تائیں دنوں
دامِ الفت کے ہیں آثارِ انھیں دنوں میں
دو دنوں عالم میں گرفتار انھیں دنوں میں

اس کے ہاؤں میں ہیں اس طرح پر دے گوہر نکل آتے ہیں شبِ تار میں جلیے اختر
رہ گئی یا شبِ گیسو شبِ بسم ہو کر سنبلِ گلشنِ خوبی پر ہے یا شبِ بزمِ تر
چوٹی میں تقری سوباتِ عجب زریا ہے
دامنِ شب سے گریبانِ سحرِ ناخا ہے

نورِ پہلے کرو جیہدِ روشن پہ نظر بدلے خورشید کے قہتاب سے پیدائے سحر
کیا صفائی ہے کہ پانی ہے خجالت سے گہر معجزِ حسنِ عیاں ہے اُتر آیا ہے قمر
لوحِ سیہیں تو اے کیا دیدِ بیضا کہئے
غشِ آجائے اگر برقِ تجلی کہئے

مطلعِ تہرِ تجلی ہے جیسے پر نور کور سے دیدہ خورشیدِ فلکِ صبحِ حضور
زرد ہے مارے خجالت کے رخِ شعلہ طور دیکھے گر شمعِ رخِ حور و پری ہو کافور

گلِ خورشیدِ گلستانِ ضیاء ہے وہ جس
آبِ ابرِ عرقِ شرم و حیا ہے وہ جس
دڑتے انشاں کے درخشاں نہیں پشانی پر
شعلہ آتشِ عارض سے اڑے ہیں یہ شرر
الغنا سا جو کشیدہ ہے خطِ قشقہ زر
خطِ رد ہے یہ پے دستِ خورشیدِ اقمَر
دڑے انشاں کے جس پر جو دکتے دیکھے
اخترِ طالعِ خورشید چمکتے دیکھے

ساغرِ بادہ گلزار ہے آنکھوں پہ نثار
مستیِ جن سے مرست ہو ہے میں سرشار
دُورے آنکھوں میں نہیں جمع ہوئے ہیں سحر
صاف ہے چہرہ زنجیں پہ گلستاں کی بہار
مست سمجھیں جو وہ آنکھیں نظرِ آمیز کالی
گھر کے آئی ہیں گلستاں میں گھٹائیں کالی
انکھیں آنکھوں کی تو ہے زگرِ شہلا بہار
انکھیں آنکھوں پہ تو بادام ہے سو جان سناں
جام کہہ کیسے ہوئے مست ہزاروں شیار
جام مے زہرِ لال سے میں دونوں سرشار
زیت سے ہاتھ وہ دھوئے جو یہ ساغر
ساغرِ عسمر ہو لبریز ابھی بھر پائے

خضر دیکھے تو کہے ہیں قدحِ آبِ حیاں
بہرِ عاشق ہیں مگر ساغرِ سمِ جامِ مات
کہے کالی جو گھٹا صاف ہے یقینِ صفات
چہرہ خورشیدیتِ اظہر ہے من الشمس بات
دیکھ شمعِ سیہ مست متوالے میں
کھل گیا دھوپ کی گرمی میں کالے میں
تو سنِ طبعِ ہمارا بھی ہے کیا زورِ آدر
چشمِ وحش کی صفت میں نہیں کتا دم بھر

نورِ شمس اور چاند کی تصویر
چشمِ وحش کی صفت میں نہیں کتا دم بھر

پچھتی اک اور سنا ہے یہ نیروں اڑ کر
کسم سدا نے رچھو ۱۱ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵ ۱۶ ۱۷ ۱۸ ۱۹ ۲۰ ۲۱ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶ ۳۷ ۳۸ ۳۹ ۴۰ ۴۱ ۴۲ ۴۳ ۴۴ ۴۵ ۴۶ ۴۷ ۴۸ ۴۹ ۵۰ ۵۱ ۵۲ ۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶ ۵۷ ۵۸ ۵۹ ۶۰ ۶۱ ۶۲ ۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۷۱ ۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵ ۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

کسی صیاد نے برچھوں میں ہرن گھیرے ہیں

چو کڑی بھرنے پہ آمادہ ہیں رخ پھیرے ہیں

مضمون کو دیکھتے جلد ہی اس کو کہتے ہیں۔ ۱۲

طرفہ آفت ہے یہاں ہے نگہ افسوس ساز
غیر اعجاز نہیں ہے کوئی اس کا ہمارے

وقتِ نظارہ بھی باقی ہے جیسا کا انداز
آنکھ اٹھا کر کبھی دیکھا تو کسے سیکر دناز

واہ کیا سرمے کے دنبالے سے بھی کام لیا

چشم بیمار جو اٹھی تو عصا تھام لیا

جو حسنہ صاف کہے صل علی اصل علی
زیر کرباب اٹھائے ہیں بامید شفا

جنبش ہر مژہ آفت ہے خدا خیر کرے

مبض سیمار کو سرعت ہے خدا خیر کرے

پروہ ویدہ یاد ادم شبک ہے تمام
ہر رگ جو ہر شتر سے لہو آس دم

عاشقِ سوزنِ مریگاں جو کوئی ہوتا ہے

مفتہ آتے ہیں درِ اتسک اگر روتا ہے

وہ کیا ابرو و خمدار ہے سبحان اللہ
قدرتی حق کی تلو ابر ہے سبحان اللہ
یہ کمان طرفہ دہواں دہار ہے سبحان اللہ

لڑ مرقع میں بھی اس تیغ کی تصویر پر کیجئے

شہر ٹہرے مانی و بہراد میں شمشیر پہنچے

ہاں میں جانتی ہوں کہ ایک مسکرتہ دنیا
خاک و پتھر کے عالم میں ہے

ایسا مضمون بندھے گا برونی کا کہ واہ
 جانہ فی رات ہے افشاں ہے وہ گہرے سیاہ
 نو تیں بچے لگیں سب کہیں سبحان اللہ بینی و برونی : وہ
 دیکھتے نہوں جسے تارے وہ کرے خوب گاہ
 واہ کیا نکلیں میں قبال میں یہ تصویر کے
 دیکھ کر کلی ہے زچہ سارے میں شمشیر کے
 خاص طور پر کی ہے
 جبکہ کامفون
 مار ہے ۔ ۱۲
 مافضان تہیں شمس و قمر ہیں دونوں
 رنگ میں لعل صفائی میں گہر ہیں دونوں
 صاف آئینے سے بھی پیش نظر ہیں دونوں
 دو ہیں شمعیں کہ ادھر اور ادھر ہیں دونوں
 عکس اگر آئنے میں نور افشاں ہو جائے
 دیکھنے والوں کو چومک کا گمان ہو جائے
 واہ کیا پنچہ پر نور ہے سبحان اللہ
 دیکھ لو پنچہ خورشید ہے یہ پیش نگاہ
 پنچا خے سے تو تشبیہ نہیں ہے دُخا
 انگلیاں خط شماعی سے بھی باریک ہیں
 دور آدب سے ہے جو پنج آیت اقدس کہئے
 انگلی اٹھے تو ہلالی کا محسوس کہئے
 حلقہ ناف نہیں ہے گہرے کمر
 ذرہ کیا حلقہ بگوش اس کے پس خورشید کمر
 دل عاشق کے ڈبونے کے لئے ہے پھور
 دل کو تشبیہ نی اور ہے منظور نظر
 صاف آئینہ ہے اس کا شکم صاف نہیں
 عکس ہے چاہہ زخراں کا چڑا اگانا نہیں
 ران کے وصف میں ہر خد ہے شفاف کیا
 ساق پاشمع ہے آگہی نہیں جہیں ہوں
 پر صفائی ہے یہاں تک کہ پھسلتی ہے زبا
 شمع مہتاب میں اس طرح کی تویر کہاں
 مثل پروانہ وہ ہے کون جو شقائق نہیں

شمع فانوس میں ہے پانچے میں ساق نہیں
 پائے نازک ہے وہ نازک صفت پانچا
 سجدہ کرتے ہیں جسے دیکھ کے زہرہ تمثال
 کعبہ پاصورت ہتھاب میں ناخن میں ل
 نقش پا طرف دکھاتے ہیں سربراہ کمال
 خوبصورت یہ دم جلوہ گری بنتے ہیں
 دیدہ حور کبھی چشم پر ہی بنتے ہیں

راست ہے تل الف بسکہ وہ قد بالہ
 دال میں جیسے الف ذل میں ہے یوں سکی جا
 دل بنا دال تو ہے دال کہ ہو جان فدا
 شک نہیں ثابت اسے تل کے تصور کیا
 تل سویدا ہے تو پھر رنگ نرالا کچھ ہے
 جان کی خیر نہیں دال میں کلا کچھ ہے

واسوخت کے یہ اشعار جو نقل کئے گئے ہیں مشتے نمونہ از خردارے ہیں اسی شان
 اور اسی رفعت کے صد ہا بند اور صد ہا مضامین تازہ بخوف طوالت پھیر دئے
 گئے ہیں۔ بالخصوص متعدد سراپا میں وہ وہ جدت طرازیں ہیں کہ دیکھنے سے
 تعلق رکھتی ہیں۔ گویا ایک بحرِ ذخار ہے جس سے گونا گون موجیں اٹھ رہی ہیں
 جو دیکھنے والوں کو غرق حیرت کر دیتی ہیں۔

اب میں اس حصہ کتاب کو ختم کرتا ہوں۔ ابھی حضرت امیر کے بہت سے تصانیف ہیں جن کا ذکر کرنا اور جن کے نمونے ناظرین کے سامنے لانا باقی ہے۔ انشاء اللہ اس حصے کو بھی جلد مرتب و مکمل کر کے شائع کر دوں گا تاکہ مزید وضاحت ہو جائے کہ حضرت امیر نے اپنی زندگی میں کیا کیا کام کئے ہیں اور ان کی ذات ملک کے لئے کس درجہ فیض رساں تھی۔ علاوہ بریں بعض سربراہ درودہ شاگردوں کا ذکر بھی ضرور رہے تاکہ یہ بات بھی روشن ہو جائے کہ حضرت امیر کے پرتوفیض لے کیسے کیسے خورشید ماہ چمکائے ہیں۔

اس کتاب میں اب تک صرف سات تصانیف پر ریویو کیا گیا ہے۔
 دیوان مرآۃ الغیب گوہر انتخاب (بیاض مفردات) دیوان صنفیۃ عشق
 جوہر انتخاب (بیاض مفردات) محمد خاتم البینین (دیوان نعت) قصائد
 مجموعہ واسوخت۔

باقی جن پر ریویو نہیں ہوا وہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔
 صبح ازل شام ابد یلکۃ العتدر ذکر شاہ ابیہا
 شبنوی نور تجلی شبنوی ابر کرم شبنوی قصائد و نثر قری شبنوی قصیدہ ابرو
 مسدسات مدحہ منجسات نعتیہ وغیرہ ترجیع بند نعتیہ وغیرہ تاریخی قطعات
 رباعیات سہرے ہدایتہ السلطان ارشاد السلطان
 نعت قدسی شریح قول البیہا خیابان آفرین (سیلاب نثر) سرمد بصیر نماز کے اسرار
 نزاد الامیر و طیفہ حلیلہ رمز الغیب (حجر) رموز غیبیہ (حجر)
 ہیرات جلال تالیف محلات سعادت علیہ ہدایتہ (نعتیہ و تاریخی)

تذکرہ انتخابِ یادگار خطوط ستیہاہاری (سات سو ہندی اشعار کا ترجمہ)
دیوانِ فارسی۔

اس جگہ اتنا ذکر کر دینا مناسب ہے کہ حضرت امیر جس طرح اردو میں
لطیف و بلوغ شعر کہتے تھے اسی طرح فارسی میں بھی کہتے تھے۔ خاتمہ پر بھوم
ختمہ مسدک اردو و فارسی کی ایک ایک غیر مطبوعہ غزل درج کی جاتی ہے۔

غزل اردو

جامہ زیبی سے تری کس کس کی ہویانی ہوئی	تو جہاں بن ٹھن کے نکلا خلق دیوانی ہوئی
ہن یہ سب گلیاں مری نکھی ہوئی چھانی ہوئی	کب نگاہوں سے تری ظاہر پشیمانی ہوئی
اس نمک کی کنکری سے ساری و پانی ہوئی	پاکد من ہو گئے آنسو سے تر دامن ترے
خاک بھی سر پر دی ڈالی جو تھی چھانی ہوئی	جب توئی دشت ترے کوچے ہی تنگے چنے
بال اُدھر کبھی ہے ادھر دل کو پریشانی ہوئی	اللہ کس قدر ہے تہا در حسن و عشق
مفت گل پر تہمت آلودہ دامانی ہوئی	رات بھر نوم سے جو آغوش ہ کر کیا ملا
پاکد امانی سے پیدا خاک امانی ہوئی	عصمتِ یوسف نے اچھا گل کھلایا مصری
زخمِ رو سے تیغِ قاتل کی جو عربانی ہوئی	حالِ شمن پر بھی دل دکھتا ہے ال درو کا
بیگناہوں کو قیامت کی پشیمانی ہوئی	بھرموں کو دیکھ کر آغوشِ رحمت میں امیر

غزل فارسی

خبر از دنیا بد جگر سے بہتر ازین
اے بقر با تو تو عالم نظر سے بہتر ازین

سرِ پیائے تو ہم نیت سرے بہتر ازین
 بوسہ دادی دلِ لبِ خویش کیدی از ناز
 در چمنِ رقی و ہر گل، گل دیگر گفت
 ہر چہ از بہل تو روز جزا پُرسیدند
 بر درِ دلِ بنشینِ پاسے منہ بر درِ کس
 یارِ سرست ہو اسر و مے ناپِ بجوش
 نگہ کردی و دلِ بُردی و جانم بایست
 بخودی جُرد بے منزل مقصود اُمیر

روم از خویش نباشد سفرے بہتر ازین
 اے شکر لبِ باداے دگرے بہتر ازین
 کہ ندیدم گلِ نازک کمرے بہتر ازین
 او ہمان گفت کہ زخمے دگرے بہتر ازین
 دولت ارمیطلی نیست دے بہتر ازین
 ساقیا باز نیابی سحرے بہتر ازین
 جانِ من گر تو گردم نظرے بہتر ازین
 نیست در راہِ جنون را بہرے بہتر ازین

تمام شد

۲۲ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ